

Copied  
from  
Web

# دلایاتین صبرا



Handwritten signature in green ink.

9-4-2008

Handwritten red mark resembling a stylized 'N' or a checkmark.

# انساب

محبت کے نام

جو میری

وجہ حیات ہے

ان لوگوں کے نام

جو محبت کو

اس کے اصل رنگوں اور معنوں کے ساتھ پہچانتے ہیں

رفعت علی

9-4-2008

ضبطِ غم اس قدر آسان نہیں ہے عالی  
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

"امی" جی۔ امی۔ میں آپ کو کبھی دکھائیں دوں گی۔ میں پڑھائی کے بعد آپ کا ہاتھ بناؤں گی۔  
 "مجھے قول نہیں ملے پسند ہے۔" اس نے بیٹی کی باتیں خود سے طعنے کرتے ہوئے کہا۔  
 "بیٹی کے چہرے پر سایہ سالہرا گیا۔" وہ بھی بھی سی ایک طرف بیٹھ گئی۔  
 "اور ہاں دیکھو۔ جتنا ہوم ورک کر چکی۔" اس نے اسی تپتے لہجے میں کہا۔  
 "بیٹی! وہ کاشف بیٹا روئے چلے جا رہے ہیں" ہوائے فوراً کرے کے سوگوار ماحول میں کچھ پانچل سی مچادی۔  
 "اچھا۔" اوہ اسی سرد مہری سے جواب دیتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔  
 اس کاشف کو کاٹ سے اٹھایا۔ اور کندھے سے لگا کر بہلانے لگی۔ مگر۔ ریس ریس بند ہونی تھی نہ ہوئی۔  
 "اللہ۔ اللہ" اب اس نے منہ سے بھی کام لیا۔ "او اللہ کے بندے چپ بھی ہو جا۔"  
 اللہ کا بندہ چپ ہونے کے بجائے مزید چیخ کر رونے لگا۔  
 "الو کا پٹھا" اس نے اسے بیڈ پر فٹ دیا اور شعلہ بارنگا ہوں سے گھورنے لگی۔  
 ہوا کاشف کے چہنچہ پر حواس باختہ سی بھاگی آئیں۔  
 "بیٹی! انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔  
 "ہوا!" اسے لے جاؤ۔ ورنہ میں پیٹ ڈالوں گی اسے۔"  
 "بچے اس طرح بہلائے جاتے ہیں ایہ تو دیکھ لیا ہوتا کہ وہ کیا ہے جو رونے جا رہا ہے؟ شاید بھوک لگ رہی  
 ہوگی؟ اسے کیا خیر پیٹ میں وردنہ ہو رہا ہو۔ آپ نے تو حد کر دی۔"  
 کاشف ہوا کی گود میں براہر مچل رہا تھا لیکن وہ نظر انداز کر کے باہر نکل گئی۔



"ہا۔ جاؤ۔ دنا کو جلاؤ اور کھانا کھاؤ۔"

"امی۔ نہ نہیں آرہی وہ کبہری ہے میں فی وی دیکھ رہی ہوں۔"

"اچھا۔" اور دناؤج میں چلی آئی۔ "چلو دناؤج کھانے کا وقت ہے۔"

"امی۔ میں۔ پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر سہم گئی اور کھڑی ہو گئی۔"

"نئی۔ اچھا۔ امی؟" وہ اس کی گھورتی آنکھوں سے خوفزدہ ہو کر فی وی بند کرنے کھڑی ہو گئی۔

"اور یہ جو تم نے اپنے باپ جیسے طور طریقے اپنا لیے ہیں مجھے قطعی پسند نہیں۔ کبھیں۔ اگر میری کسی بات پر اگر تکرر کیا تو۔ دھڑ بھڑا کر دوں گی۔ اور اگر کبھی میرے مبروہ ضبط کا امتحان لینے کی کوشش کی؟" وہ رکی۔ "تو میں بہت بڑی طرح خوش آؤں گی۔" دونوں کبھی کبھی نوالے مطلق سے اتارتی رہیں۔ (بھلا اسنے مکدر ماحول میں بھی کھانا کھانا جاتا ہے)

"ٹھیک سے کھاؤ۔" وہ غرائی

"یہ والا کاشف نے وہ دھ بیایا۔"

"ہاں۔ بی بی امی ایلیا۔" ہمارے دھ بیے انداز میں بولیں۔ لیکن اس نے نظر انداز کر دیا۔ اور اسے اٹھالیا۔

"یہ اچھا جو تم سو جاؤ۔" وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

کاشف کو بھڑا دیا۔ خود بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کھلونے میں چابی دے کر اس کے جے کے پاس چھوڑ دیا۔ وہ کھٹکھٹا کر پیچھے ہٹا تب اس نے اسے بیڈ پر گرا دیا اور خود اس پر جھک کر بے تحاشہ پیار کرنے لگی۔ "ماشاء اللہ نظر بدور۔" ماں نے نہال ہو کر پھر چوما تو اس نے اس کے ہاؤز کا کھانا تمام لیا۔ اسی وقت کال تیل گئی تو اس نے منہ نکالیا۔

اب یہ کون سا وقت ہے کسی کے گھر آنے کا۔ اس نے ساڑھی کا آٹھل سر پر ڈالا۔

اور جو اندر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تم۔؟"

"بچے کہاں ہیں؟" وہ مگر مٹ منہ سے نکال کر بولا۔

"کبھی بھی ہوں تم کیوں آئے ہو۔؟"

"پے گلر ہو تم سے ملنے نہیں آیا۔"

"پھر اس وقت آنے کی وجہ۔؟"

"اپنے بچوں سے ملنے آیا ہوں۔ تم سے نہیں۔ دن میں اسی لیے نہیں آیا کہ بچوں کے سامنے تم نقل جانے

سے باز نہیں آؤ گی۔"

وہ دانت چرس کر رہ گئی۔ کتنا معصوم بنتا ہے نقل میں چھاؤں کی۔؟

"لیکن بچے اس وقت سو رہے ہیں؟" وہ سر دھری سے بولی۔

"میں تم سے اجازت لینے نہیں آیا؟" وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ ہٹ کر رہ گئی۔

"ہا بیٹے۔" اس نے پکارا۔ وہ پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"ہا۔؟" آداب پیا۔ وہ جلدی سے بولی۔

"کیسے ہیں بچے آپ؟"

"ٹھیک ہیں ہم۔ آپ آئی رات کو۔ ہارامی۔؟" سیر و سال کا سہمی رہی تھی۔

"بیس بیس بیس اب تم ملا ہم اب آگئے۔"

"دنا۔ دنا دیکھو پیا آئے ہیں۔" کھانے دنا کو چھوڑتے ہوئے کہا۔

"گندو۔ گولاؤ بیٹا۔"

جب وہ پردے کے پاس سے ہٹ کر کمرے میں آ گئی۔ کھانے پر وہ اٹھا کر بھاگا۔

وہ بے نیاز کی تنگی۔

"امی۔ وہ میں۔ گندو کو لے جاؤں۔" وہ بھٹکا کر بولی۔

"ہوں۔؟"

کھانے گندو کے ہاتھ سے کھلونا لیا پھر اسے کندھے سے لگا کر باہر نکل گئی۔

پھر کافی دیر بعد راجداری میں قدموں کی آوازیں ابھریں۔

"ہا۔؟" آپ پھر آئیں گے؟" دنا کی آواز آئی۔ اس کا لہجہ جتنی تھا۔

تب وہ باہر نکل آئی۔

"نہیں یہ یہاں نہیں آئیں گے۔ تم لوگوں کو ملنا ہو تو تم خود چلی جایا کرنا۔ اگر تم ان کے ساتھ جانا چاہتی ہو تو

دونوں چلی جاؤ۔ کبھی یہ کبھو ہے ہوں کہ تم پر احسان کر کھتا ہے۔"

"ہاں۔ ہاں چلیں بیٹا۔" دنا سے ساتھ چلیں۔ میں تو آپ لوگوں سے پہلے ہی کہہ رہا تھا۔

"سو رہی بیٹا۔ احساس ملکہ ہے کہ حساس ہی دنا نے مسدود کی اس قسم کی فضاؤں میں اس طرح کے ماحول

میں تو بچے ویسے بھی پیچھے رہنا پڑتا ہے جو جاتے ہیں۔ وہ جاتی تھی کہ ماں حریفانہ صیروں میں چلی جائے گی جبکہ بیٹا جہاں چاہے

چراغ جلا سکتے ہیں۔

"آپ کی مرضی بیٹا۔ اچھا۔ پھر۔"

"پھر کبھی آپ یعنی حسن زیدی یہاں نہیں آئیں گے۔ ورنہ دنا کی حریف غراب ہو جائیں گے۔"

"اچھا تمہیں ابھی تک نتیجہ کی فکر ہے۔ حیرت ہے۔" وہ پھر سے بولا۔

"میں اپنے بچوں کی بات کر رہی ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جس میں "میں آپ"

کی گنجائش ہو۔"

"تم رنگ جاؤ اپنے اپنے کمروں میں اور کاشف کو میرے کمرے میں لانا۔" اس نے بچوں کو وہاں سے

ہٹانے کے لیے کہا۔

"آپ بھی جاسکتے ہیں۔" وہ اہانت آمیز لہجے میں بولی۔

"اگر میں تمہیں آج حلاق دے دوں تو یہ سارا کر دفر سیکھ کر کھارہ جائے گا۔" وہ دانت چرس کر بولا۔

"یہ کر دفر تمہارا روبرو ہون مت نہیں۔ اسنے داغ لگا چکے ہو کہ حلاق لہوا داغ ان داغوں میں چھپ جائے گا۔

میں تو طالب ہوں؟" وہ پتے کیوں نہیں۔ شاید یہ بھی تمہاری کوئی امتحان سزا ہے۔ اطلاقا عرض ہے کہ میں نے تم سے ہر

طرح سے ذاتی تعلق بھی ختم کر لیا ہے۔ میں تمہاری سزاؤں کو خیر و کوشسوں کرنے کی اہلیت کھو چکی ہوں۔ تم میرے کچھ نہیں لگتے۔

مجھے نفرت ہے۔ تم سے سخت نفرت۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں تھیں مجھ سے محبت ہی کب تھی۔" وہ طرہ سے مسکرایا۔ اور ہار لکھ گیا۔

جب وہ اپنے پکڑے سر کو کھائے اپنے کمرے میں پہلی آئی۔

"تھیں مجھ سے محبت کب تھی؟ کب تھی؟"

"کب۔ تھی۔؟"

"کب۔ تھی۔؟"

"نہیں۔ بے ایمان۔ بے حس۔"

پھر آ گیا۔ مجھے ستانے۔ رلانے۔ نیندوں میں بھی۔ خیالوں میں بھی۔

خدا یا۔ کس مٹی سے اس انسان کا خمیر اٹھا ہے؟

یہ ہر طرح پر آدمی۔ جس نے اپنی تھی کو اتنے کچھ دے دیے ہیں۔ کوئی یقین کر سکتا ہے جس آدمی کے ساتھ تین دن پر سکون رہنا محال ہو گیا تھا۔ میں نے چودہ سال گزارے ہیں۔ کیسے؟

جب دھڑکنوں کو چھڑنے کے لیے کسی مضرب کی ضرورت ہوئی۔ حرارت سنانوں میں رہتی تپش والے مضرب کی تو جیٹی اور پچانے اسے اپنے سینے کے لیے مانگ کر کنواری راتوں کے پہلاؤ کے سامان کر دیا اب تو حویہ راتوں کی تہائیوں میں خوابوں کی گھٹلیں سجے لگیں۔ اس نے بار بار دیکھا تھا۔ باتیں بھی کی تھیں۔ جو اس سے پانی منگا کر ہمیشہ بھول جایا کرتا اور جب وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گھاس آگے کرتی تو چوٹ کھنے کی کامیاب ایکٹنگ کرتا۔ اس سے ملنے پر کبھی کوئی اعتراض کر ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ اس کا۔ گھانچا زاد تھا۔

پابندی تو جب تک تھی جب اس کے نام کی انٹرویو اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ البتہ آثار پا۔ پھر بھی کبھی اس نے اپنی جھلک نہ کھائی۔ وہ کبھی گھر سے کھڑا نہ آیا۔

"اکیسے کہو آپ کی نزل کل کے ادبی سٹے پر پڑھی بہت شاندار تھی۔"

"اکیسے کہو کل۔ یہ تو آل پر پاکستان کا لہجہ شاعرانہ۔ دونوں غزلیں بہت پسند آئیں۔"

وہ کیا کہتی۔ مسکراتی۔ "بہت بہت شکر یہ زندگی۔" خود ہی چپکے سے اپنے آپ سے کہتی۔

پھر وہ سب لوگ کوئی نہ چلے گئے۔ مستقل۔ ساری روشنیاں بجلی پڑ گئیں۔ آنکھوں کے آگے جگمگ پڑے رہنے لگے۔ اور جب ایمرائے عمل کیا تو اس گھر کے دن بھی پورے ہو گئے۔ سارا سارا دن اپنے کپڑے پہنائی رات۔ جب یہ ٹیلا جڑا لیکن کمر کے سامنے آؤں گی۔؟

یہ آٹھ بلوکھانی ساڑھی پہنوں گی۔

اس پر سوچے کی کلیوں کی بالیاں پہنوں گی گھر سے تھانوں کی تو۔؟

جو جوڑا تیار کرتی جاتی اس کے پیٹنے کا نام بھی مقرر کرتی جاتی۔

اور پھر۔ وہ دن بھی آ گیا جب سرخ انگارہ جوڑا پہن کر وہ وہاں چھوڑ گئی۔

جہاں چھوٹی چھوٹی باتوں سے لے کر رات کو اپنے آپ سے ہونے والی باتوں کی بازگشت تھی۔ جہاں

کنوارے ہاتھوں کو اس نے اپنی راتوں کا اپنی نیندوں کا ایڈمنسٹریٹر دیا تھا۔

لیکن اس نے ہاتھوں میں لے کر سارا نام بھلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ اس کی ہڈیاں گھٹوں پر چھوٹ رہے ہوتے۔

"بھری زندگی۔ کچھ از لومیر ہے۔ جان!

مرد عورت کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے!

وہ جتنا طبع ہوتا ہے اتنی ہی ذہانت سے اپنے لیے عورت کا انتخاب کرتا ہے۔

جب عورت لگا ہیں اٹھا کر دیکھتی ہے تو کسی خوب صورت شعری طرح لپٹی یا دھو جاتی ہے۔

بھلائی اور عورت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جب لڑکی یا لڑکی کو دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں سے پانی بہا جاتا ہے کہ اس کے احساس زمانہ شاس نہیں اس کی جگہوں پر جھروں کا وہ نہیں کتنی مصیبت ہوتی ہے۔ لکھی مصیبت کسی لڑکی میں مرد کو نظر آئے تو دولت جاتا ہے۔

"کیوں؟ اب تم اسے مرد کا فطری پن کو۔ ہر لڑکی کا احساس کو یا کچھ اور مرد چاہتا ہے جب کوئی اس کا ہنس کر اس کی دنیا میں آئے تو وہی اسے زمانہ سازی سکھائے اور جو کچھ اسے کہے۔ بتائے۔ کھائے تو سادگی کی آنکھیں بند ہوتی سے بند ہونا بھول جائیں یا شرمایاں گئیں۔ اور اس کی بات تو نہیں کرتا مگر میرے ہاں مصیبت کا معیار یہی ہے۔ ابھی تہااری شاعری میں سہلی پن ہے کیونکہ تم سادہ جاتی شاعر نہیں ہو۔ تم فطری طور پر شاعر ہو۔ جب تم شاعری کرتی ہو تو اپنے گھٹتی ہڈیے کو تسکین پہنچاتی ہو۔ مگر اب تم گرائیاں مل جائیں گی۔ ہم دیر کے۔" وہ اس پر ہلکا ہوا ہوا۔ وہ شرمائی۔

اس کے بولوں کے سر سے ٹپ۔ پور پور۔ مطمئن تھی۔

اسے کتنا گھر آدمی ملا ہے۔

کتنا حساس سادگی ملا ہے۔

وہ تو اپنے آپ کو بہت بچہ زکھ دار سمجھتی ہے۔ یہ مصوم کہتا ہے۔

یوں کتنا اچھا ہے۔ بھلا اپنا آپ اور اس سے کیوں نہیں منواتا۔ لوگوں میں اتنا سویر کیوں نہ رہتا ہے۔؟

وہ سادگی تھا۔ کہ وہ آٹھ شراب۔ کہ لوگ صبح کھدے تھے۔

"اتنی سرخ آنکھیں۔" کسی شوخ نے جملہ کسا۔

"ابھی تک بھوم رہی ہے۔" ایک اور آواز۔

"ابھی تک ہیں۔ پیاری دانیس آ جاؤ۔"

وہ جیسے گئی۔ شرمائی۔ "بے ایمان۔ رسوا کر کے رکھ دیا۔"

وہ خود افسوس سے کھیلنے کا گربانی تھی۔ اس کے لیے تو لفظ گلینے کی حیثیت رکھتے تھے۔

وہ تو اس کی باتوں سے سکھ رہا جاتی۔ پائل ہو جاتی۔ اس کی دیوانی ہو گئی۔ وہ کمرے سے نکلتا تو پیچھے ہی خود

بھی آ جاتی۔ ہر قدم پر نظروں سے سلام دیتی۔ زیادہ سے زیادہ سامنے راتھی۔ جب آفس جانیے کے لیے تیار ہوتا تو پور پور اٹھ کر تھی۔ رواں رواں پکارنا۔

نہ جاؤ۔

نہ جاؤ۔

یہ چھوٹے۔ یہ چھوٹوں کے برابر گتے ہیں۔ میرا دل نہیں لگتا۔ اس کا دل چاہتا ہو جیسے۔" یہ چھوٹے تہاارے کیسے گزرتے ہیں؟ کیا تہاارے ہاں میرے بندوں کی سی تپش نہیں؟ تم کتنے آرام سے مسکرا کر گاڑی بڑھا دیتے ہو۔"



مگر وہ چپ رہتی۔ چاہتی ہر جہ بے کا اظہار اس طرف سے ہی ہو۔ وہ تو بس نے۔ سخی۔ اس کو رخصت کر کے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو نکلیں کرتی ہست پر دیر تک بیٹھی رہتی۔

پھر مکان میں چلی آئی۔ صفائی کرتی ایک ایک چیز چوکانی۔ ایک ایک چیز اتار کر برتن دھولے والی کو بیٹھا جاتی۔ اسے شروع سے عادت تھی۔ لیکن پروردگار نے بہت محنت کرتی تھی۔ صفائی پسندی میں جوتیت۔ جب تک چیز اپنی جگہ پر نہیں پہنچ جاتی وہ بے گلی رہتی۔ اس کے گھر میں ہر چیز کا نمکا نہ تھا۔ اپنا اپنا مقام تھا۔ کوئی چیز بے گناہ نظر نہیں آتی تھی۔

پھر۔ سب کے کمروں کی جانب آئی۔ ٹریڈ کے کمرے میں جاتے ہوئے اسے بہت ڈر لگا تھا اتنی ہی طرح گھومتی کہ وہ ہم ہی جاتی۔ شادی کے چند روز بعد جب وہ اس کے کمرے کو نکلیں کرتے آتی تو اس کے بالوں میں گلاب اور سوچے کے پھول سج رہے تھے۔

تب ٹریڈ نے اتنی بے دردی سے گھرے نوچے کر تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے لیکن وہ آرام سے نوچے ہوئے پھولوں کو سونگھ رہی تھی۔

تب وہ بولی تھی۔

"چڑیا۔ اٹھو۔ میں تمہارا ہست نکلیں کروں۔" تب ٹریڈ نے اسے بازوؤں سے پکڑا اور کمرے سے باہر لے آئی اور اسے راجداری میں کھڑا کر کے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"حسن۔ مجھے ٹریڈ سے بہت ڈر لگتا ہے۔" پھر اس نے ساری رو دو لوگوں کو گزرا دی۔

"ابھی تم اسے انہی لگ رہی ہو عادی ہو جاؤ گی۔ تم بھی اور وہ بھی۔"

"آپ اس کا علاج کیوں نہیں فرماتے؟"

"کیوں کیا کر اپنی میں تمہارے سامنے علاج نہیں کرایا؟ بہت جگہ اور بھی کرایا۔ بس اتنا فرق ہے کہ ذخیروں میں جس کا ہاتھ نہ پڑتا اور رات کو سب سو جاتے ہیں پہلے اس کی حالت بہت خراب تھی۔ کمرے میں آٹا لگا کر کھانا پڑتا تھا۔"

اور وہ اتنی دیکھی ہو گئی۔

"بس تم اس کا خیال رکھا کرو۔ دیکھو اسے دو اوقات پر دے دیا کرو۔ کل سے اسے حرارت اور زکام ہے۔"

"جی بہتر۔" اور سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

یہ اس کی سسرالی امداد عیوں میں ایک بھاری اضافہ تھا۔

اس کی عادت تھی کہ وہ عشا کی نماز کے بعد ہی پلاٹا پلاٹا میک اپ کرتی تھی اس کا استقبال صرف کپڑے بدل کر اور ہال بنا کر کرتی تھی۔ دھلا دھلا گھبراہٹ سے دیکھ کر اندرونی خوشیوں سے قدرتی طور پر بے پناہ دلکش ہو جاتا۔

رات کو عشا کی نماز پڑھ کر وہ بیڈروم میں بیڈ کو راتھا دیتی۔ پلاٹا پلاٹا میک اپ کرتی۔ خوشبو لگاتی۔

راستی بگلی کر دیتی۔ پھر وہ اسیروں ہاتھیں کرتے۔ پھر وہ جب سو جاتا تو آہستہ سے انہی کپڑے تبدیل کرتی سونے کا لباس لیکن کچھ صاف کرتی کوئی انہی کی کوئلہ کریم لگا کر کمرے میں اندھا کر دیتی کیونکہ حسن کو کمرے میں بگلی روٹنی بھی بری لگتی تھی۔ شروع شروع میں وہ اس گھٹا نوپ اندھ سے میں بہت خوفزدہ ہوئی۔ ایک بار حسن سے کہہ دیا تو انکھوں کے بازو کرنے اسے خوف دور کرنے کی جو روٹنا تو وہ بھی نہ گئی۔ بے ایمان کہیں کا۔

اور پھر صبح کو وہ بہت جلدی اللہ جاتی تھی۔ مگر میں جو ان اندھ تھی ایک تو خیر اپنے آپ سے بھی بے گناہ تھی۔ مگر

وہیں جاتی تھی کہ اس کی تھانویں کی داستان انہوں کی کتاب کی قلم نہ بن جائے جس پر ہاتھ کی انہیں پھیر کر سہلی آجکس بند کر کے پڑھا جا سکا ہے وہ تو اپنی غلطیوں کی کتاب پر بالکل سادہ و سادہ ہے۔ کھانا چاہتی تھی کہ اس کو وہ انہوں سے۔ تم لوگ گھومتی مت جو مجھے نہ نزلو۔ چھو مجھے لیکن یہ تو غصہ کی بات ہے کہ میں ان گھر میں اس دردی سوری کے لئے ہر گز اس ہو سکتی ہیں حیا کی بات تو ہے عموں کرنے والوں کے لیے۔ اور اس طرح وہ قاری کا قلم نہیں رہتا۔

سورہ اندھ سے انہی کی عادی تھی۔ باقی افراد اس کے بعد ہی اٹھتے تھے۔ شادی کی عادی کرتی تھی۔ نماز عادت سے فارغ ہو کر کھیلے اور غصہ سورت بالوں میں اسیروں پھول جاتی اور بڑی تر دھڑکی راتی جلدی جاتے والوں کے لیے نورانی شادی تھی اور پھر ایک کپ ہاتھ میں تھا اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"سرکار۔ ابندی چاہتے اور روئین کے ساتھ حاضر ہے۔" کپ ساتھ بھیل پر رکھ کر وہ جاتے لگتی۔

"کہاں جاری ہو؟ ابھی تو میں جا کھیں ہوں۔" وہ بیٹے پر ہاتھ باندھ لیتے لیتے لپٹے۔

تب وہ ٹکٹھا پڑتی۔ "اچھا ابھی پانی لاتی ہوں پیٹنے مارنے کے لیے۔"

"اور قرآن۔"

"اوں۔ ہوں۔ کچھ لوگ ناشتے کی میز پر ہیں۔ ٹریڈ کو ناشتہ کرا رہا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ نکل جاتی اور کمرے میں اپنی میک اپ چھوڑ کر۔

"اچھا بھالی اٹھ اپنا۔" غالب نے ہاتھ ہلایا اور انان کے ساتھ اسکول پر پہنچ گئی۔

"انان آتے ہوئے رائٹنگ بیڈ ضرور لے آنا۔ اچھا۔"

"بہتر بھائی۔ لیکن اس چڑیل کو بھی سمجھا دیجئے جانے کہاں کہاں کی الف لیلی داستانیں اپنی سیلیوں کو

سناتی رہتی ہے۔ میں گیت پر حقوں کی طرح کھڑا رہتا ہوں۔"

"ہا۔ ہا۔ ہا۔" غالب ٹکٹھا کر گئی۔ "جو جیسا ہے اسی طرح تو کھڑا ہو گا۔"

"بہتر۔" وہ ہنس پڑی۔

پھر وہ ٹریڈ کے کمرے میں مارے لیے آ جاتی۔

"لوٹر پانا شتہ کرلو۔"

وہ چپ چاپ اس کے پاس آ بیٹھتی۔ اسے کھن سے سخت چڑھتی اور وہ غلطی سے کھن کی ٹکیہ لے آتی تھی۔

اس نے کھن کی کپڑے فرش پر دے ماری۔

"سوری ٹریڈ۔ اچھا لو چائے پی لؤ" اس نے چائے کی پیالی ہاتھ میں تھامی پھر بگلی کی ہی سرعت سے چائے اس پر پھینک دی۔ وہ اس کا گہائی اقدار پر چیخے جی لیکن چائے کروں اور یہ پھینک گئی۔ بے سامت ایک بیچ لٹل گئی۔

چیچا جان اور چیچا جان۔ ہمارے ہوئے آئے۔

"اوہو۔ ہو۔" چیچا جان مدحواں ہو گئے۔ وہ ہونٹ دانت تلے پا کر گردن پر رکھے ہوئے تھی۔

چیچا جان تیزی سے باہر نکلیں چوٹے کا پانی لائیں۔ پھر اسے کمرے سے نکال کر اس کے بیڈروم میں لائیں۔

"شاہنشاہی ایساں لیٹ جاؤ۔ کوئی بات نہیں برنال مجھے جلدی میں ملی نہیں ابھی اصرار تھی ہوں۔ آپ تمنا

دیکھتے رہے اتنی دیر میں تو "چیچا جان بے ہمارے پہلے ہی پریشان تھے۔

"میں کہاں اصراروں۔ جاؤ جلدی جاؤ۔"

"اسی وقت حسن ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر سر تو لیے سے گزرتے باہر آئے۔" "اوہ کیا ہوا؟" "اے۔"

"تڑپانے چائے پیچک دی چائے بہت گرم تھی۔"

"اسی وقت بچی جان برتال کی ٹوب لے کر آ گئیں۔" "ہاں آئے آپ اپنی تیاری کیجئے۔" "انہوں نے چچا جان کو بلا۔"

"اچھا۔"

"بچی جان نے دو پنڈاس کے سر ہاتے رکھ دیے۔"

"ای اچھی طرح لگا دیں۔" "ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ خود لگانے بیٹھ جاتے مگر ماں کی موب ہوئی میں بڑی مصیبت سی بات تھی گردن سے نیچے تک سر تھی سر تھی تھی۔ اور وہ اب ٹھنک محسوس ہونے پر سکون محسوس کر رہی تھی۔"

"اچھا تم لٹی رو۔ تو بٹل کی تکلیف۔ تو بٹل۔ اب۔ آرام کرو۔ کیا کر لیا صبح تک؟" "وہ ٹوب میز پر رکھ کر ملی گئیں۔"

"شعلی۔ تکلیف زیادہ تو نہیں ہو رہی؟"

"آپ تیاری کریں میں تو ٹھیک ہوں بس ذرا سی ملن ہو رہی ہے۔ آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔"

"میں نہیں شکریہ۔ ناشتہ آپ کے حرکت کیے بغیر بھی مل سکتا ہے۔" "وہ اسے واپس لاتے ہوئے ہلے۔"

"اور یہ تڑپا بچی کس بات پر؟"

"میں غلطی سے کھنک کی تکیہ لے گئی تھی اس لیے اسے ٹھسا گیا۔"

"مجھے غصہ ہے شعلی۔"

"اور آپ کا یہ بھی بن کر غصہ کرنا اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ آخرو میری بھی بہن ہے۔ اس کا جرم آپ سب کو ہے وہی تو مجھے بھی ہے۔ آپ نہیں جانتے مجھ کس قدر دکھ ہوتا ہے۔"

"حسن ذریعہ روم میں چلے گئے۔ تیار ہو کر باہر دریا تک نچل کے قہ آدم آئینے میں بال داتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔ وہ بھی مسکرا دی۔"

"کچھ فرق ہوا ملن میں۔"

"وہ تو تعلق گھر سے ہونے پر مزید بڑھ رہی ہے کی کا تو امکان نہیں۔" "وہ انہیں مطمئن کرنے کی غرض سے جہرا مسکرا کر بولی تو وہ اس کی معنی خیز بات پر مسکرا دیے۔"

"جب میں آفس جا رہا ہوں تو انکی پگھلا۔" "ہاں والی باتیں نہ کیا کرو۔ کسی روز ایک سیٹ ہو جائے گا۔"

"ناشہ ملے آپ تو پھول پر سا کر۔" "ہاں۔" "وہ برلمان کر بولی۔"

"اوہ۔" "وہ اس کے رشتہ کو چوم کر بایز نقل کیا۔"

☆☆☆

"بھابی۔ بھابی۔" "عالیہ پکاری ہوئی آئی اس کے سر اوہ اور لڑکیاں تھیں۔"

"آداب۔"

"آداب۔"

"بھابی ایہ میری کلاس فیلو ہیں۔ ساجدہ اور نرت۔ آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

"اور یہی یہ بھابی جان ہیں ساجدہ شہلا امہ عالیہ شہلا حسن۔"

"میں نے ایک بار اخبار میں آپ کی فلم "ساجدہ" دیکھی تھی۔ مجھے جو جی بھی اچھی لگی ہے اچھی لگی ہے۔"

"کھ لیتی ہوں۔ میں وہ فلم بہت مرتبہ دیکھ چکی ہوں بھئی آپ کے نام میں بھی کشش ہے۔"

"بہت فکر ہے۔ آپ لوگ بیٹیس میں ابھی چائے بنا کر آئی ہوں۔"

"چائے میں ملائی ہوں آپ ان سے باتیں کریں۔" "عالیہ باہر نکل گئی۔"

"بہن تو بھڑ ہے تھی۔ آپ کوئی بہت عزیز آدمی لگے والی اچھا لک پندہ بھیدہ ہی ہوں گی۔" "ساجدہ بھر پوری نصرت نے بھی ناقدہ اندی لگا والی۔"

"سرو قد اور گھٹا وزن پر لیٹا میرا سفید پارہ والی ساڑھی بڑی بڑی مسکرائی آنکھیں مسکین سے ہاتھ۔ بات ہے بات مسکراتے ہوئے۔"

"اللہ تعالیٰ پیاری بھابی ہے عالیہ کی بہن۔"

"ساڑھی کا پلو کھائی پر آ کر تھوہ گردن پر چپکے چپکے پیٹے پیٹے دالے دالے پونڈے پونڈے۔"

"یہ کیا ہوا بھابی جان۔"

"یہ۔" "اچھا۔ وہ چائے گرم تھی۔"

"جی۔ جی۔ بہت گرم تھی۔" "ساجدہ نے سادگی سے اس کی گردن پر نظر نہا کر پوچھا۔"

"ہوں۔ زیادہ نہیں۔" "وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لوہ گھنٹوں پر ہاتھ باندھ کر مسکرا دی۔"

"نصرت کو کچلے کچلے ٹانگوں سے لیتی یہ بھابی بے نیازی لڑکی بہت اچھی لگی۔"

"کیسے گرم تھی؟" "ساجدہ نے پوچھا۔"

"بس گرمی کی طرح تو۔" "اسی وقت عالیہ غزالہ کی مٹیلیاتی اندر آئی۔ تو وہ بولی۔"

"بہت سوال ہو چکے چائے پر۔ اب آپ لوگ چائے نہیں۔"

"چائے پر سوالات؟" "عالیہ مسکرائی۔"

"بھابی کی گردن اور سینے پر چائے گرمی ہے؟" "انہیں معلوم نہیں شاید اور نہ تعارفی کلمات میں اس معاملے کا ذکر بھی ہو جاتا۔" "ساجدہ نے شوق سے کہا۔"

"وہ کھلسا دی۔ لیکن عالیہ نے تشویش سے دیکھا۔"

"کب گرمی؟ کیسے گرمی بھابی۔"

"ارے بھئی کونسا بڑا معاملہ ہو گیا؟" "شاپا سے گرمی تھی۔ اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

"اوہ۔" "وہ کچھ لک کر کر رہی تھیں بھئی لگی ہے جانے کیوں وہ شرمندہ ہی ہو گئی۔"

"تڑپا کون عالیہ؟" "نصرت نے پوچھا۔ وہ پہلی مرتبہ آئی تھیں وہ بھی شہلا امہ سے ملنے کیوں کہ باتوں باتوں میں انہیں پتا چلا تھا شہلا کا۔ اور وہ عالیہ کی خاص دوست بھی نہیں تھیں۔"

"میری بڑی بہن ہیں تڑپا وہ قاضی مریدہ ہیں۔" "عالیہ نے بہن کی حالت کے بارے میں غم سے نرم استعمال کیا۔"

"اوہ۔ کب سے؟"

"عالیہ کی بھالی شہلا نے جواب دیا۔" "جب یہ وہ سال کی تھیں تو ایک حادثہ ہو گیا تھا۔"



"اوہ۔۔۔" نصرت نے ہنس کر کہا۔

"اب تو سب عادی ہو گئے ہیں۔" عالیہ نے کہا اور گویا دبا کر وہ ہندوئی نہ کرے۔

پھر وہ لوگ جلی گئیں وہ اور عالیہ انہیں گیت تک چھوڑنے آئیں۔

انہیں شہلا بہت پسند آئی تھی۔ اس بات سے عالیہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

۱۱۰۰ پر کوکھانے سے فارغ ہو کر سو گئی تھی اور بھرکی نے اٹھایا بھی نہیں کیا آرام کرنے دو۔

عصر کی نماز میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ جلدی سے نماز پڑھ کر باہر آئی اور سیدھی

مکین میں ٹھس گئی۔ مغرب کے بعد جب نماز اور کام سے فارغ ہوئی اور پھر گھر پر تھیں تو وہ شہلا سے بتوگا اٹھا تو اس کا

دوسرا بھی آ گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح پڑ پڑائی کے لیے راہداری میں آکھڑی ہوئی۔ وہ مسکرا دیا۔

"آج بہت دیر ہو گئی۔" اس نے کھائی پر بندھی دستہ دایکھی۔

"اور کیسی ہو جان۔"؟

"ٹھیک ہوں۔" وہ بریلک کس اس کے ہاتھ سے لیتی ہوئی ہوئی۔

کوٹ اتارتے ہوئے وہ بولی۔ "چائے کہاں بیٹیں گے۔" یا کھانا کھا لیں پہلے اب شام بھی گزر چکی ہے۔

"اُمی کہاں ہیں۔"؟

"اپنے کمرے میں۔"

"چائے وہ ہیں لے آؤ۔" پہلے ان کو سلام بھی کر لیں۔ اور چند باتیں بھی۔ ٹھیک۔؟ کھانا بعد میں۔"

وہ غسل کر کے ماں کے کمرے میں پہنچا تو وہ چائے بھی لے آئی۔

"اب تکلف تو نہیں ہو رہی۔"؟

"اللہ۔" وہ ہنس دی۔ "چائے ہی تو گری ہے کا تنک سوڑا تو نہیں۔"

"آج میں تمہاری طرف سے بہت پریشان رہا۔"

"جب کہ میں بہت فریض رہی۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا آج آپ پریشان نہیں کریں گے۔ آج آہ ہے۔"

"کس کی؟"

"ایک غزل کی"

"ہاں یاد آ رہا ہے یا تم نے شادی کے بعد کچھ لکھا نہیں۔"

"یہ تو صاحب کون ہیں"

"اُمی سسٹے کے اچھا راج ہیں اب تو انہوں نے اپنا ادبی میگزین نکال لیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسالے

کے لیے کچھ لکھیں۔"

"اچھا ضرور۔"

چنڈی سے بچی جان کی بہن اور ان کے بچے آئے تھے۔ ایک بات اس نے ہنسوں کی کہ عالیہ بہت خوش

ہے۔ اور صبر سے بہت کھتی ہے۔

"بھابھی! میں آپ کی کالی ساڑھی بہن لوں۔" عالیہ نے پوچھا۔ "آج وہ لوگ میرے لیے کپڑے ہمارے

چیں اس سے بھی کہا تھا لیکن اس نے حشرات کر لی کہ من صاحب کے بغیر وہ میرا تجربہ کے لیے نہیں جاتی۔ چنانچہ اس کی

اس بات پر انہوں نے اسے تنگ کیا تھا۔ ویسے بھی تو جوں جوں اس کے اور لڑکیوں کے لیے تو کیا جاتا تھا ان میں بہت کشتی عظیم

ہوتی ہے۔ ان کی اور لڑکیوں سے ملنا اٹھایا جاتا ہے۔

جب اس نے اپنی کالی ساڑھی پہننے کی اجازت دے دی۔ اس سے قبل بھی عالیہ نے اس کے کپڑے نہیں پہنے

تھے۔ اس کے پاس بہت خوبصورت کپڑے تھے۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔

"عالیہ۔"

"جی۔"

"بھیا کر دیر الکاچ والا سوٹ پہن لو۔ مہو صاحب خوش ہو جائیں گے۔"

"بھابھی۔" وہ ہم کر، کچھ حیران ہو کر بھئی اسے بے ساختہ مسکراتے دیکھ کر جھپٹ گئی۔

"بھابھی وہ میرے کزن ہیں نا۔"

"میں نے کب کہا کہ اٹھائی کیرے ہیں۔ کوئی بات نہیں جانی۔"

"بھابھی۔" وہ شرمائی۔ اور شہلا کے گلے سے لگ گئی۔

"مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ میری بھابھی حساس فنکار ہے جس کی آنکھیں نہیں کھیر رہیں۔"

"اچھا بس جھٹ تیار ہو کر جاؤ کسی کو اشتیاج نہ ہونے لگا ہو۔"

جب وہ انسی میں اپنی جھپٹ مٹاتی چلی گئی۔

اور وہ مسکرا دی۔

"اے آ پاؤ راہی چائے دینا۔"

وہ چونک کر بھئی۔ ٹر پانچا خصوص کپڑے مٹا دی تھی۔

"یہ تمہاری آپا نہیں ہے بلکہ ہے۔ بھابھی جان کہا کرو۔" بچی جان دھڑیا صاف کرتے کرتے تنہی بھی کر گئیں۔

"کوئی بات نہیں تیار تیار ہو لیکن بھی تو ہوں کہ لیا کرو آپا" اس نے مسکرا کر اس کے نام بچی کے چائے میں

چائے ڈالی۔ روز برونوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے اسے یہ پیالہ لاکر دے دیا تھا۔ چائے لے کر وہ باہر چلی جانے سے

باہر نکل گئی۔

کبھی یہ ہوتا کہ بچی جان پاندان نکولے بیٹھی ہیں وہ آگئی۔

"اے عالیہ کی امی آؤ راہ سادینا"

"ہوں۔ اوں۔ تیری بھی تو امی ہوں۔" وہ پوچھ جاتی ہوئی سر زلف کر ڈالتیں۔

بہن۔ جب اسے ضرورت ہوتی چائے کی حب ہی وہ کسی سے براہ راست مخاطب ہوتی یا بچی جان کے پاس

براہ راست کھینچنے کے بعد پانچا عالیہ کے دانے مانگنے آ جاتی۔ ورنہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ بس اپنے آپ ہی مڑی

مٹھ میں ہانے کیا کیا بڑ بڑاتی رہتی تھی۔ مومنات سے دور و سا پڑتا تھا۔ اور صاحب دور و پڑتا۔

ہاتھوں کو تیزی سے ایک دوسرے سے رگڑتی رہتی اور مسلسل کمرے میں تیز تیز پھرنے لگتی۔ جب شہلا بہت

غور و غور ہوتی تھی۔

شاید اسے کہیں سے رو پیل مل گیا تھا۔ جو یقیناً پاندان میں سے ملا ہوگا۔ بس وہ رو پیل لیا اور مزک پر گزرنے

والے سوگ بھلی والے کو روک لیا۔

"تو راسی سوگ بھلی اسے دو۔" تقریباً تمام ہی بھیرے والے اسے جانتے تھے۔ اس نے سوگ بھلی کی اور تین چار نیاں واہیں کرویں۔ اس پر تین دن اور مسلسل سوگ بھلیاں لی گئیں اب وہ پتہ ختم تھا۔

شیشا کی پٹاری آواز پر چنگی کارڈر سے گیت کی طرف دیکھا تو کچھ کھمبے میں تہ آیا۔ نزدیک گئی۔

"کیا ہو؟" "دوہری طرح گھبراگئی۔ شیشا نے سوگ بھلی والے کو گریبان سے بکڑ لیا تھا۔ اور اس نے چارے کا دھان پان سا جوہر زور ہاتھ۔

"نیکم صاحب۔ مجھ سے سوگ بھلی مانگ رہی تھی میں نے گھٹلی سے کہہ دیا کہ پیسے تو دوسری کی کہہ رہی ہے کہ رو پیسہ یا تھا۔ روزانہ تو پیسہ دیتی ہوں۔ مٹی ان پیسوں کی تو میں نے اسے سوگ بھلی دے دی تھی۔"

"اچھا اچھا۔ شیشا چھوڑ دو اسے۔ دے دے گا جس میں سوگ بھلی۔" تب اس نے چھوڑا۔ بہت ساری سوگ بھلی لٹکانے میں ڈالوائی اور اسے دی خود اندر پیسے لینے چلی گئی۔

"اور سونو جو جی بھی یہ تم سے مانگا کر دے دیا کرو میں اس کی جھپٹیں سوگ بھلی کے پیسے۔" اس نے کہا تو دوسرا بڑا کر بولا۔

"اچھا مٹی۔" تب وہ اسے اندر لے آئی۔

سب سے زیادہ مشکل کام اسے غسل پر آمادہ کرنا تھا۔

چنگی جان ڈانٹ ڈانٹ کر غسل خانے میں لے جاتیں۔ بڑی مشکل سے سر دھوئیں۔

وہ اپنی مانتا سے مجبور تھیں اور جب اسے غسل خانے سے لے کر نکلتیں تو ایسا معلوم ہوتا اسے غسل دینے کی بجائے خود غسل لے کر آتی ہوں۔

بعض دفعہ رو پڑتی تھیں اسے کوسنے دینے بیٹھ جاتیں۔ پھر گھنٹوں اس میں رہتیں۔ چھوٹی تندر سے اوسال سے اس لیے خفا تھیں کہ اس نے مشورہ دے دیا تھا کہ چھوٹی بھانجی کو پاگل خانے بھجوا دیں۔ تب انہوں نے براہ راست ہو کر کہا تھا۔

"میں اپنی بیٹی کا ہر کام خود کرتی ہوں جس دن تم سے کہوں گی اس روز بولنا۔ اللہ کا شکر کرو کہ اس نے جھپٹیں صحت مند اور ادا دی۔ بھلا جھپٹیں میرے دکھ کا کیا احساس۔"

ایک بات تھی کہ وہ گھر کی دیکھ بھال بالکل لومڑی کی طرح کرتی تھی۔ جو بھی اپنی چہرہ نظر آتا اسے گھورتی رہتی تھی۔ اس کی بھٹ بھٹ بہت ہنسنا پڑتی تھیں۔

ایک بار دات گئے تھک گیت کے دلوں ہٹ کھلے ہوئے آئی ای کے کمرے میں۔

"وہ دیکھو راجا ہر جا کر۔ وہ بار کھلا پڑا ہے۔ اسے دربار کھلا پڑا ہے۔" وہ اس کے پیچھے چل دیں۔

پس اس روز سے انہوں نے سبکی بات کرہ میں باندھ لی تھی۔

"یہ تم اتنی سردی میں کہاں سے آ رہے ہو اتنی رات گئے۔"

"وہ بار دیکھئے کیا تھا۔" وہ مسکین کی صورت بنا کر بولا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔" سب ہنس پڑے۔

"شرم کرو۔ بڑی بھن ہے۔ خوب مذاق لگاؤ۔ ہاگل ہے نا۔" وہ خفا ہو گئیں۔

"دیکھو مائی اچھے بہت دکھ رہا ہے۔ میرے سامنے اس کا ذہن نہ اٹا لیا کرو۔" وہ آج بچہ دکھ گئیں۔

وہ شرمندہ ہو گیا۔ "امی میں تو اسی کر رہا تھا۔"

وہ سو گھبراہٹ لیتی۔ کتاب پر چڑھتی تھی اسے احساس ہوا کہ کوئی روز اسے میں کھڑا ہے وہ بڑا بھلی۔

"کوہ۔ ڈو شیشا۔" وہ آگلی تمام کمرے میں نظریں گھماتی ہوئی۔ اس کی شادی کی تصویر کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔

"یہ بھالی ہے۔ یہ بھن ہے۔ ہے۔"

"ہوں۔" اس کی اور اپنی یادگار تصویر دیکھ کر وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

کچھ دیر وہ کھڑی رہی۔ پھر تصویر اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"اوہ۔ سنو۔ شیشا۔" وہ اس کے پیچھے چلی۔ لیکن اس نے کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

وہ وہیں کمرے میں آ گئی۔ کمرہ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

"میرے۔" تصویر کہاں گئی۔ "حسن نے برش ہاتھ میں تمام کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"شیشا نے گئی ہے۔ نیکمے دوں کی دوسری خواجگہ گئے۔"

"اوہ اچھا اچھا۔" وہ پھر بے نیاز ہو گئے۔

دن اسی طرح گزرتے رہے۔ لوگ بن دیکھے شہلا حسن کے دھانے ہو گئے۔

کاٹی کی لڑکیاں اس کے کپے شعر ایک دوسرے کو سناتیں۔

"ہائے اللہ ایسا لگتا ہے تم سے پوچھ کر گھسی ہے۔ اللہ میں تو حیران ہو جاتی ہوں۔ کتنی زمانہ ششاس ہے۔"

"سنابے کل وہ کسی شاعر سے میں آئے گی۔"

"کہاں ہو رہا ہے۔"

"ہائے اللہ۔"

وہ بہت قبول ہو گئی تھی۔ لہذا ابھی احمیروں کے حساب سے آتے۔

ایک صاحب اسے ہاتھ دیکھ کر کہتے تھے۔ تو اسے ملے۔ ہر ملے کے آخر میں سرور لکھتے تھے۔

"اگر آپ نے جواب نہ دیا تو میں دل برداشتہ ہو جاؤں گا۔ شاید آکھو قہ لکھتے کا حوصلہ نہ ہو۔ مجھے لگتا ہے

آپ مفروضہ ہیں اشیاء میں آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اگر وہ خالی کمرے کا کمال نہیں اور وہ حقیقت آپ دیکھ ہی ہیں تو یقیناً مفروضہ ہونے میں حق بجانب ہیں آپ۔"

"ہا۔ ہا۔" وہ ہنس پڑتی۔ فطرس کے سامنے ڈال دیتی۔ وہ چہرے اور کڑوا سا منہ بنا لیتے۔

"بھئی تم نیکم شہلا حسن لکھا کرو۔ تاکہ تصویر میں کوئی بھاری بھر کم ہی خاتون آئے۔"

وہ ہنس پڑتی۔ "آپ جیلس ہو رہے ہیں۔"

"فطری بات ہے بھلا میں کیوں چاہوں گا کہ میری بیوی کے تصور سے کوئی دوسرا آدمی اپنی تہا نیاں آبا کرے۔"

"چاہے اس بے چارے کے دماغ میں یہ خیال سرے سے آیا ہی نہ ہو۔"

"اگھر ہاں روزانہ لکھا ہے۔ مجھے تو ایک ایک لفظ بھیا تک مغربیت لگ رہا ہے۔"

"اللہ تو بہ۔" وہ ہنسنے ہنسنے بے حال ہو گئی۔

کراچی میں کل پاکستان شاعر تھا۔ اسے بڑی بڑی عورت ملی تھی اس کا دل پیسے بھی گرا پڑا تھا۔ وہ چارہ ہاتھ۔



"نہ ہاؤ۔"

"چلیز حسن۔"

"بھئی بڑی بڑیت ہوگی۔ تمہارے بغیر۔" وہ مسکرائے۔

"اور تمہاری طبیعت بھی درست نہیں۔ کچھ ہو گیا تو۔"

"ابھی تو ٹھیک ہوں۔" وہ جھپٹ گئی۔

"اچھا خراب کب ہوگی۔"

"ابھی۔" اسے اچھری ساری شرم آ گئی۔

"جانتے ہیں نا؟"

"نہیں یاد رہی نہیں چاہتا۔"

"اللہ حسن۔ کچھ اس بہانے امی وغیرہ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" وہ چلی۔

"اچھا ایسا کریں آپ بھی چلیں۔"

"نہیں بھئی۔ آج کل تو کسی طور نہیں جاسکتا۔ البتہ لینے آ جاؤں گا۔"

"مکرا لگے ہی دن نہیں۔"

دو دنوں میں پڑے۔

سب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کوئٹہ کی تازہ اور کھلی آب و ہوا اسے خوب راس آتی تھی۔ پھر خدا نے

اسے زمین پر اعلیٰ مرتبت بنا دیا تھا۔ وہ روپ اسے مزے دلکش بنا گیا تھا۔ سب قابل رشک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

گوئلڈن شلوار سوٹ جگے جگے زریروں میں وہ چمپنی جھینٹی سب سٹیبلوں کے جواب دے رہی تھی۔ حسن نے پاپا کو

فون کر کے اطلاع کر دی تھی وہ اسے ایئر پورٹ سے لے آئے تھے۔

"حسن کیوں نہیں آئے؟"

"انہیں چھٹی نہیں مل سکتی تھی۔"

"زبیدہ کے ساتھ آ جائیں۔" امی کو اس کا تہا آنا بہت کھلا تھا۔

"امی بچی جان تو شریا کی وجہ سے بہت مجبور ہیں اور امان اور عالیہ کاٹ جاتے ہیں پھر میں باقاعدہ پروگرام

کے تحت تو نہیں آتی۔ یہاں مشاعرے میں شرکت کرتی تھی ان سب لوگوں کی پرواز و دعوت تھی۔"

سب اس کی شہرت و کامیابی سے بہت خوش تھے۔ سہیلیاں بہت فخر سے خود اسے کا قہقہے مانتی تھیں۔

"تم تو شاعرہ لگتی نہیں ہو مئی سی ہو بالکل بس خوبصورت زیادہ لگتی ہو۔" نازیہ نے کسٹکس دیے۔ وہ ہنس دی

اگلے روز اس کی آمد کی خبر چمکی اس نے فون پر ناصر صاحب کو اطلاع دے دی تھی۔

ناصر صاحب اور دوسرے لوگ اس سے ملنے آ گئے تھے۔ وہ گھو کو چائے کا کہہ کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

گلابی ساری میں اپنا سر اچھا پچھائے وہ ان سب سے بڑی خوش اخلاقی سے ملی۔

ناصر صاحب کے فون کو گرفتار نے میگزین کے لیے فون اس کی تصویر بنائی۔ اس نے پھر شکرے کے ساتھ انہیں

رخصت کیا۔

مشاعرہ بہت کامیاب رہا تھا اس کی حقیقتات کو بے حد سراہا گیا تھا۔ سب نظروں میں ستائش تھی۔ وہ بہت

پروکار لگ رہی تھی بے پناہ خواہش تھی۔ بے ساختہ مسکراہٹ ہر وقت سراپا ہے۔ حد تو بصورت کی سلوری آنکھیں۔ ہر نظر قہوم  
پھر کراہی پر اظہر تی تھی۔

مشاعرے کے اختتام پر بہت سے لوگ ملے آ گئے۔ وہ سب سے مسکرا مسکرا کر ملتی رہی۔ لڑکیاں بھی تھیں  
لو کے بھی خواہشیں بھی مر رہی تھیں۔ تین سال کا ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔

ہاتھ بڑھایا۔

"ٹک ٹو۔"

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی بڑھایا ہوا ہاتھ نظر انداز کر دیا۔ اور اجازت لے کر چلی آئی۔ قرعہ اخروہ اتوات  
کرتے سے رہی۔ راستے میں وہ تقریب کے بارے میں سوچتی رہی۔ او۔ ٹک ٹو۔ اسے یاد آ گیا اس کے تو غلط آتے  
رہے ہیں۔ اوہ اس بے چارے سے بات بھی نہ کی۔

اسے افسوس سا ہوا۔ اتنی بڑی ٹک میں تو ویسے بھی وہ گھبرا رہی تھی۔ اسے افسوس سا ہوا بے چارہ اس گمن سے  
آیا ہوگا۔ بات کرنے لینے میں کیا حرج تھا۔ چلو ضروری سمجھے گا۔

پھر وہ اس پر آشوب شہر سے گھبرا کر اپنے پہاڑی ٹھین پر چلی آئی۔ حسن صرف وہ دن کے لیے آئے تھے۔

ناصر صاحب کو معلوم ہوا تو وہ حسن سے ملنے چلے آئے۔ حسن بھی ان کے غلوں سے بہت متاثر ہوئے۔

راستے مجروح و اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاتی آئی۔ ٹک ٹو اسے ملاقات کی دلچسپ رو اور بھی سنائی۔

گھر آئی۔ تو سب بہت خوش ہوئے۔ رات کو سونے سے چند شہر حسن نے پوچھا۔

"مشاعرے میں کیا پیتا تھا۔"

وہ حیران ہوئی کہ پہلے تو کپڑوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی۔

"سازشی پیتی تھی۔"

"کون سی۔"

"تھوٹی پوسرغ پھولوں والی جو آپ لٹریچر کو قتل سے لے گئے تھے۔"

"پھر تو بہت اچھی لگ رہی ہوگی۔"

"جانتیں۔" وہ شرمائی چاہنے کے باوجود کہہ نہ سکی کہ میرا آئینہ تو آپ ہیں۔

پھر اس نے اچھریاں ہاتھیں تائیں۔

"اس کا مطلب ہے بہت مصروف رہیں۔ یہ خیال بھی نہ رہا ہوگا کوئی تنہائی کی محنت میں مجلس رہا ہوگا۔"

"ایسے ہی۔ آپ کے حوالے سے تو مجھ سے ہاتھیں ہوتی تھیں۔"

"جی۔"

"نہیں بھوت۔" وہ اتر گئی۔

"ظالم۔" وہ ہانگی ہو اٹھا۔

"اوں۔ اوں۔ چلیز۔"

دو دنوں اس وقت تک ایک دوسرے میں کھوئے رہے جب تک نیند قریب روپا میں نہ آ گئی۔

پھر سڑکیاں جاری رہا۔ وہ پوری کوشش کرتی تھی کہ ان لوگوں کو کبھی احساس نہ ہو کہ وہ ایک مشہور شاعر ہے

اور گھر سے روگردانی کر دی ہے۔ پہلے وہ ذمہ داروں سے عہدہ ہرا ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ کبھی کوئی تصور کوئی خوبصورت خیال سننا تو شریکے کھانے کا نام ہو جاتا۔ خیالوں کی پورش سے گھبرا کر کمرے میں آتی تو بیٹی جان کے کوئی شے والے آ جاتے۔ وہ دل مسوس کر قہم در را میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوتی۔

کبھی فطوط کے جواب دینے یعنی تو وہ ہلکے فون پر کوئی فرمائش کر دیتا۔

”یہ پالیٹا ہوا تیلنا گوشت کھانے کو بالکل بی ٹیکس چاہو۔“

وہ اندر ہی اندر سے سلگ اٹھتی اور پھر سارے دن کی تھکن خندین کر خدی بیچے کی طرح اس کی آنکھوں میں آ جھتی جب ایک کپ چائے کا بنا کر لاہری میں پٹی آتی۔

وہ بیچے کے قریب اپنے کمرے میں آتی۔ تو وہ بچوں سے پٹنا فاضل سو رہا ہوتا۔ اسے رشک سا آ جاتا۔

”یہ ساری آگ مجھ میں ہی کیوں بھر گئی ہے۔ یہ خیالوں کے قافلے کا پڑا ذخیرہ ہے جسے ذہن میں کیوں پڑتا ہے۔ سوچا جاتا ہوں تو اپنی مرضی سے سو نہیں سکتی۔ اللہ“

اب دوپٹا رہے ہیں۔ صبح پانچ بجے پھر اٹھنا ہے۔ وہ کپڑے بدل کر کچے پر سر رکھتی تو چند لمحوں میں خواب نائل ہو جاتی۔

ندائے ایک نہایت خوبصورت بیٹی دی تو سنے جذبوں کی گرمی سے وہ حریف دیکھ اٹھی۔

حسن نے اپنی پسند اور اپنے باپ کی رائے سے بیٹی کا نام غل ہار کھا۔ جو سب کو پسند آ گیا۔ سب کے لیے فطوط ہاتھ آ گیا۔ عالیہ کاٹے سے آتے ہی کمرے میں آ جاتی۔

”بھابی۔“ عالیہ اسے پکارتی۔

”کیا ہوا۔“ وہ بھابی کوئی آتی۔

”اللہ بھابی! ہمارے میں شمس رتی تھی بچی بہت پیاری لگ رہی تھی“

”ہوں۔ ماشاء اللہ۔“ وہ مسکرا دیتی۔

پھر وہ انتہا سے زیادہ مصروف ہو گئی کیونکہ اپنا دلچسپ اور بھی ترتیب دے رہی تھی۔ اب تو حسن سے بھی اس انداز کی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بھلا بھلا پڑتا۔

”تم میں بالکل نظم و ضبط نہیں ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ رات کو ہی ہوتا ہوں۔“

”اللہ۔“ وہ رو ہاٹی ہو جاتی۔ بے حس کہیں کا۔ سارا دن کتنی مصروفیت رہتی ہے بیٹی جان نے تو بالکل ہی ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ ہاں بس وہاں کو سنیاں لیا کرتی تھیں مگر وہ جب روتی تو وہ اس کی گود میں ڈال کر چلی جاتیں۔

اس بے صبر کو تو میر بالکل احساس نہیں۔

”بس آپ تو یہ فیملی کہہ دیتے ہیں آپ کو کیا پتا۔“

”بی بی جان مجھے کیا پتا! بیگم صاحبہ! اشیرت دولت تو آتی جاتی چیز ہے گھر بنا بیٹے گھر۔“ وہ ہلکے کہتا۔

”ہائیں تو اتنے سالوں سے کیا ہلکے ماری ہو۔“

اب اسے خود پر قابو نہ نہ جاتا۔ آنکھیں بھر آتیں۔ ”ایک تو حسن سے چور ہوں۔ اوپر سے“ وہ لان میں چلی آتی اور خوب آنسو بہا کرتی پکا کرتی۔

”سنو بیٹے“ کی رونمائی پر وہ بہت خوش تھی۔ تقریب کر پائی میں ہی ہوئی تھی۔ وہ حسن اور ہاکے کے ہمراہ بیٹھ کر

طرح بیٹھ کر دیکھا کھانے آئے تھی۔

تقریب بہت شاندار رہی تھی جس میں خوش تھے۔ دوسرا ملازمی میں تو بھروسہ نہ کر سکتی تھی اپنی طرف سے حسن کی کرشماتی رہی۔

حسن نے بھی اسے اجیراں مبارکباد دی تھی۔

”تو دینی بی بی آپ بھی صاحب کتاب ہو گئیں۔“

وہ ہوا مسکرا دی۔

پھر جب وہ گھر آتی تو بہت سے فطوط اس کے منتظر تھے۔

بہت دنوں بعد اس کا اظہار تھا بیٹھ کر طرح ہر صاحب کی معرفت۔

اس کی کتاب کی تقریب تھی۔ یکم یاد رہی۔

حریف کھاتا کہ بہت پہلے جب آپ کراچی کے ایک مشاعرے میں بیٹی تھیں تو آپ نے بہت ہی طرح نگر انداز کر دیا تھا۔ مجھے قلمی امید تھی کہ اتنی حساس شاعرہ اتنی تصور ہو سکتی ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ شادی شدہ ہیں تو مجھے اس شخص پر بے پناہ رشک آ جاتا ہے آپ کی حیات کا مالک بن بیٹھا ہے۔ لیکن اس مشاعرے کے بعد جب گھر آیا تو احساس ہوا کہ نہیں آپ سر دھڑکیں ہو سکتیں کیونکہ آپ کی وہ فطوطیں اور بے ساختہ مسکراہٹ اس بات کی مظہر تھی کہ آپ درحقیقت قلمیں ہیں۔ پھر سوچا کہ آپ کے پاس تو بہت سے اور فطوط آتے ہوں گے۔ بہر کیف آپ فردا فردا جواب دینے سے تو رہیں مگر بیٹے مجھے تو صرف ایک بار اپنی تحریر سے نوازیں۔

اس عظیم شاعرہ کی شان میں کوئی کستاخی ہو گئی ہو تو معافی کا طلب گار ہوں۔

وہ بڑھ کر مسکرا دی۔ حسن صاحب کو کھانا کی۔ وہ شرارنا مسکرائی۔

لیکن وہ بہت دیر میں آیا۔ بہت پیچیدہ تھا اس کی بہت نہ پڑی اس قسم کا مذاق کرنے کی اور اس کے روزانہ والے ہزار ہا کراہا اور ہا کو سلا کر خود بھی ہو گئی۔

خست سردی ہو رہی تھی۔ وہ گرم کپڑوں میں خود کو لپیٹنے لگیں سے ہاکے کمرے میں بھاگتے چلی آتی لیکن ہا وہاں نہیں تھی۔

ماننے سے عالیہ اجیراں دھڑکے ہوئے کپڑے لیے چلی آ رہی تھی بیٹی جان پڑاں میں گئی ہوئی تھیں۔

”اوہ۔ لمان کے پاس ہو گئی۔“

”امان۔“ ہا کہاں ہے؟“

”پتا نہیں بھابی۔“ اس نے اپروائی سے جواب دیا۔

وہ باہر آتی تو شریکے کمرے سے ہاکے رونے کی آواز آتی۔ وہ میر کی طرح اس کے کمرے میں تھکی۔

شریانی اسے فطوطے فرش پر لٹایا ہوا تھا اور اسے ہاتھ پاؤں مار مار کر روتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

”کیا مصیبت ہے۔“ وہ میر کی طرح ہر افروخت ہو گئی۔ فٹکیں لگا ہوں سے اسے گھبراہٹ کا کھانا کراہی مثال

میں پھپھایا اسے خاموش کر لیا اور گرم کپڑوں میں پھپھا کر لیکن میں واپس آتی۔ عالیہ لیکن میں کمری گوشت ہون رہی تھی۔

”کہاں ہے بھابی! ہا۔“

”شریانی لگی تھی۔ اپنے کمرے میں فطوطے فرش پر لٹایا ہوا تھا۔“ ہا جو کوشش کے وہ اپنے شراب موڑ پر تھو



نہ پاگلی۔ عالیہ نے بھانج کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔

☆ ☆ ☆

رات کو نانا کو بخار چڑھ گیا تو وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گئی۔

"اگر کوئی پاگلی ہے یا واقعی مریض ہے تو اسے اس طرح کلی پھینکی نہیں دینی چاہئے کہ وہ جو چاہے کرے۔"

پھر اس کی سچ آواز پر حیران ہو کر پٹنے۔ "کیا ہوا۔"

پھر اس نے اسی غراب موڈ میں تمام اقد کو ش گزار کر دیا۔

"میرے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے ٹھیک ہے۔ اب بچوں کو تو عمدہ مشق ہانے سے رہی۔"

"آج لڑنے کا موڈ ہے تو۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔

دو چہرے بھٹا گئی۔ "یہاں تو کسی بات کو لٹ ہی نہیں دی جاتی۔"

اور پھر وہ ایک ہاتھ کا بٹا کر نہیں اتر گیا اس کا موڈ غراب ہی رہا۔

ایک اور مسئلہ آکر اٹھا۔ انجی دونوں۔

چچی کی مرضی تھی کہ عالیہ شہلا کے بھائی سمیر کو دیں۔ سمیر ہر صفت انسان تھے اور ایک مشہور ایئر لائنز کمپنی

میں شاندار عہدے پر فائز تھے۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عالیہ سمیر کو بہت پسند کرتی ہے۔ اب اس کی شادی کی باتیں چل چکی تھیں تو وہ

نکت پریشان تھی۔

"بھابھی۔ پلیز کچھ کریں۔"

"بھلا میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"اللہ بھابھی ایسے تو نہیں۔" وہ رو رہی۔

"کیا سمیر نے کچھ کہا کبھی۔"

"کچھ۔؟ بہت بھابھی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"تو پھر تم اسے فون کر کے ساری صورت حال بتاؤ۔ ٹھیک۔؟ جب دوسرے پیغام آئے گا تب ہی کچھ

ہو سکے گا۔ پھر میں تمہارے بھائی جان سے کہہ دوں گی۔"

"بھابھی! میں کسے کہوں۔ آپ بتائی اس کو منع کر دیں تاہم اٹھا کر دیں۔"

"بھابھی! کھانا چکا جان کے نام آچکا ہے۔ کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں۔ اب اگر میں کچھ کہتی ہوں تو تو

پھر تمہیں معلوم ہی ہے کہ میرا تمہارا رشتہ کتنا نزاکت ہے۔ حسن، بچیاں، چچی یہی کہیں گے کہ میں تم سے بھانج والا بنی ہوں

دکھتی ہوں اور تمہیں بھابھی! نہ کہیں چاہتی۔ میری بات مانو سمیر کو فون کر دو۔"

عالیہ سر جھکا کر کچھ دیر سوچتی رہی۔ "ٹھیک ہے بھابھی۔"

پھر واقعی عالیہ کی مثال جان آ گئیں۔

"بانی! آپ نے تو میک بالکل بھلا دیا۔ سسرالیوں میں سے بہت تو آئیں۔ بیٹی بھی ہیں۔ دیکھا گیا۔"

میں تو کچھ ہی تھی کہ آپ میرے اشارے سمجھ رہی ہیں۔"

"زادہ۔" وہی بات تو یہ کہ مجھے کبھی سمیر نہیں ہوا کہ تم نے عالیہ کے لیے کبھی کوئی اشارہ کیا ہو۔"

تمہارے بھائی کا تو بچا اور وہ ہے عالیہ کو اپنے بھائی کے پاس رہنے کا۔" وہ ہمیشہ کی طرح غصوں اور بات کرتے

بھائی کھڑے لگتے۔

"وہ نے شادی کر لی تو آج کل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ کو اور نہیں آتا۔ ہائی۔"

"وہی بات تو یہ کہ زادہ اور احمد بھائی واقعی بھائی ہیں۔ ہمارے تعلقات آپ میں ہیں۔ بھلا ہے کہ

اور پھر زادہ، احمد بھائی کو باپ کا درجہ دیتے ہیں۔ تم انہی سے بات کر کے دیکھو۔ میں کہوں گی تو کہیں گے کہ کہن کی

حمایت میں بول رہی ہوں۔ اس کے بعد جو بھی فیصلہ کریں۔ میرے لیے تو وہ دو بیویوں کی رہا ہیں۔"

ایک دم چپ ہو گئیں۔

"اے۔" جس میں فرشتے ٹھہرا دیے گئے تھے کہ کراچی سے پیغام آیا ہوا ہے۔"

"بڑی جلدی خیال آ گیا۔ زادہ و شمس۔" عالیہ نے فون کیا تھا صبر کو اور صبر نے مجھے بھیج دیا۔

"اے کیا صبروں میں بات کر رہی ہو۔ صاف صاف بولو۔"

"کچھ تو خبر لگتی ہیں آپ۔ اب کیا ہوا۔" میری بھی بیٹی ہے عالیہ۔

"ٹھیک ہے تم اپنے دو بھائی سے بات کرنا۔"

جب تک معاملہ طے نہیں کیا گیا ہر شخص بے چین و مضطرب رہا۔

بہر کیف بابا کے آنے پر بندہ کرے میں اجلاس ہوا۔ اور معاملہ خوش اسطوری سے طے پا گیا۔ وہ بابا کو کچھ

کر بہت خوش ہوئی۔ ان کی توقع میں لگی رہی۔ ان کے آگے پیچھے پھرتی رہی۔

"بابا! کچھ چاہئے۔"

"بابا! یہ قبر میں چائے بنا کر رکھادی ہے۔ بابا! تجھ کے لیے جس کے کتنے بچے کا کام لگا

ہوں۔"

"جاؤ بیٹا۔ تم بھی آرام کرو۔ میں تو بغیر آرام کے اٹھ جاؤں گا۔"

"نہاں! تمہیں جرات خیر دے۔ خوشیاں دے۔ سکھی رہو۔" اس کی آنکھیں جھپک گئیں۔

"اللہ! وہ رشتہ کی شمع سے کتنی دور آگئی ہے۔" بابا! میں آپ کو کون کو یاد آتی ہوں؟" وہ کچ کچ

لاؤلی بیٹیوں کے انداز میں بولی تو وہ مسکرا دیے۔

"بیٹا! کوئی اپنی لاؤ کو بھلا سکتا ہے۔ وہ بھی اتنی فراموش راہ اور کاٹل بیٹی کو۔"

"اللہ! وہ سرشار ہو گئی۔ بابا نے آج پہلی مرتبہ اس کے منہ پر اسے سہا ہوا تھا۔"

"اور بیٹا تم کیسے رہ رہی ہو۔"

"بابا! میں بہت خوش ہوں۔ یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ بہت تعلق، بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔"

"شری! کیسے رہتی ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے۔"

"میں انھیں بڑا کچھ کہہ کر بہت دکھاتا ہے۔ اس کی سب سے سب سے بہت پریشانی تھا ہے جس اور پھر

"اے تم یہاں بیٹھی ہو۔ سارا گھر تمہیں اصرار رہا ہے۔" زادہ و عالیہ نے انہیں داخل ہو کر کہا۔

"اوہ۔" میں اپنے بابا سے باتیں کرنے کی زندگی تھی۔ خیال ہی نہ تھا ہواقت کا۔"

"ابھابا! شب بخیر۔"

عالیہ کی شادی کے دن گاہوں میں وہ ہانگن لی کھڑی رہی۔ ہاتھ عالیہ کی گود میں بیٹھی رہتی۔ وہ ان کی طرح ادھر ادھر پھرتی رہتی۔ بہت سارے مہمان آ گئے تھے۔ ان کے بیٹے بھی وہ جو کرائی کو لیے بھی ادھر نظر آتی۔ بھی ادھر "دیکھو۔ ڈرائنگ روم کے دروازے بند کرو۔"

"ادھر بھاڑو لگاؤ۔ ان بیٹے آم کے درخت کے نیچے لگاؤ۔"

"مالی بابا۔ انہوں کو پھول مت توڑنے دینا۔"

اپنی صفائی پسند طبیعت سے مجبور تھی۔ اپنا آرام اور چین بچا دیتا تھا۔

"دیکھو۔ عالیہ کا روبرو کھڑا۔"

"دیکھو۔ پان ختم ہو گئے۔"

"دیکھو۔ تانگنے والے جوڑے مجھے دے دو۔"

"دیکھو۔ وہ پیر کو کیا کہے گا؟" عالیہ کے نصیاتی رشتہ ارازا دہتے

وہ پیسے لینے کمرے میں آتی۔ حسن کمرے میں بیڈ کے پاس کھڑے کھڑے جادے جے

"کس کا کھٹا ہے۔" اس نے ان کی پشت پر سے ہانکا۔

"ادھر۔" کھٹ تو لڑکا پرانا کھٹ تھا۔ وہ بے نیازی سے گزر گئی اور سیف کھولنے لگی

"موصوف دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ تم ایک مرتبہ کھٹ لکھ کر طبیعت صاف کیوں نہیں کر دیتیں۔"

"کیا لکھا ہے بچے چارے نے۔" اور پھر میں کوئی فلم ایکٹریس تو نہیں ہوں شامرو ہوں۔ بے کار میں بھی

کو کھٹ لکھ کر اپنے شاندار ذہن اور بلند اخلاق کا مظاہرہ کروں۔"

"میں تو میں کہتا ہوں۔ آپ کو اپنی شہرت، اپنی ذات بہت عزیز ہے۔ ایک شمع کرنے والا کم ہو جائے گا۔"

"دیکھیں پلیز۔ اس ویسے ہی بہت پریشان ہوں۔ آپ ہاتھیں کیا چارہ ہے ہیں؟"

اسے ملت مسما کیا۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ آئینل مجھے مار۔ بھی اس نے تو اتنی تنہائی کی سے کوئی بات سوچتی

نہیں اور سر تاج صاحب اب میری ذات ہو رہے ہیں۔ اس کا موزا غراب ہو گیا تھا۔

اتنی چاہت سے کپڑے ہانگے تھے پیسے گولڈ می تہا۔ حسن یوں ہی بگڑے بگڑے

کیا شے ہے مرد ذات بھی خود پر اعتماد تو ہے ہی نہیں۔ وہ روپائی ہو رہی تھی

ہاتھ کپڑے پرنا کر ان کے حوالے کر دیا اور خود ہارات کے انتظام میں لگ گئی۔ اور لوگوں کے ساتھ۔

"دیکھو اتم کپڑے کیوں نہیں بدل رہیں۔" عالیہ کی ممانی نے ٹوکا۔ پر عرصہ سو تہہ پند میں بدلی

نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ دروازہ پتی کل بجی تھی۔ ایک مل ہی باقی رہ گیا تھا۔

"تبی بدل لوں گی۔" وہ فنی تو حسن اجیروں بار لیے اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ ہٹا دیکھے پلٹ

آئی۔ بچا جان کے لیے چائے دم کر رہی تھی کہ حسن پیچھے آ کھڑے ہوئے۔

"ایک کپ میرے لیے بھی بنا دو۔" اس نے پہلے ان کے لیے ایک کپ بنا دیا اور بڑھا دیا۔

"تیار کیوں نہیں ہوئیں۔"

اس کی آنکھوں سے دھوئی لکھ کر دھاروں پر طہر گئے۔

اسے معلوم ہے کہ وہ کس قدر حساس ہے پھر بھی انکی باتیں کر جاتا ہے۔ وہ سارے نہیں جانتیں۔

"اچھا ہاؤ۔ کپڑے بدلو۔ ٹوک نہیں گئے کہ یہی کو کپڑے بھی ہٹا کر نہیں۔" ہے

"بہن۔ لوگوں کی باتوں کا خیال ہے۔" وہ مل کر بولی۔

"آپ کا بھی بہت ہے۔ آئی ایم سوری مینی۔"

"پلیز۔"

وہ اپنے کمرے میں پہلی آئی۔ غیر واری خوارہ و بین کر ڈھیروں پھول بانوں میں کھالے۔ جڑو وہ بہت کم

باندھتی تھی۔ اس کا قد بھی خوبصورت تھا اور بال بھی دراز تھے۔ اس لیے ایک چوٹی بہت اتنی تھی۔ اس کی ہانگی ہانگی

اور مکمل۔ نہیں طہائی سیٹ پرنا۔ ساتھی چاہتے والا لڑا ہونے والا ہو تو سنورے میں بھی لطف آتا ہے۔ دل کو

اٹھسٹاں ہوتا ہے کہ یہ سنورے کا نہیں جائے گا کوئی سراپہ والا موجود ہے۔

تیار ہونے کے بعد طہائی چوڑیاں باندھ رہی تھی۔ سر جھکے اور آہستہ میں صاف نظر آ رہی تھی۔ غلش لالت

پر چنگی۔ حسن کے ہاتھوں میں کسر تھا۔

"کمال کرو پیارا۔" وہ اسے کندھوں سے تمام کر سٹرایا۔ وہ شرمائی۔

"بہن اب یہیں بیٹھی رہو۔"

"کیوں جناب۔"

"یہ بھی کوئی بات ہے۔ حق ہماری اور یہیں دوسرے۔"

"بابا۔" وہ ٹھٹھکا دیتی۔

"اچھا۔ بس بہت ہو چکا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"در اصل تم بگڑ گئی ہو۔ غرے اٹھانے والا ہے ام جمل کیا ہے۔"

"اٹھ۔ نہیں گھر میں مہمان بھرے ہوئے ہیں۔"

اسی وقت امان آگیا کو کھٹے اندر آ گیا۔

"ادھر۔ آپ یہاں ہیں۔ میں سمجھا۔" وہ ہٹا دیکھا

"آپ کو اب جان ڈھونڈ رہے تھے۔"

وہ کھڑی ہوئی تھی اور وہ بیڈ کے کنارے پر غیم دراز تھا۔ فوراً اس کا ہاتھ پھوڑا دیا۔

"اور بھائی۔ اسے ہانگ کر رہی ہے۔" ہائی ہیز آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"میرے بیٹے کو بچا جان نے مارا ہے۔" جاؤ بیٹا۔ البیڈیا کو کھٹ کر۔ "وہ اسے اٹھی سے پکڑ کر اس

کے پاس چھوڑ کر ان کے پیچھے کل آئی۔

عالیہ ٹپ ٹپ کر رہی تھی۔

"بھائی، آپ کیا تم میں ٹھٹھٹیاں ڈالے کھڑے ہیں۔ سنبھلیں۔" اس نے ماحول کی کندھ رقص کو خوشگوار

دانے کی غرض سے شوقی سے صرے کہا۔ لیکن عالیہ سسکیاں بھرتی ہوئی اس کے بیٹے سے لگ گئی۔

"بھائی۔ امیری بھائی۔"

"پاگل اس طرح بھی کوئی روتا ہے۔ بڑی بات۔" کب وہ خود کو نہ سنبھال سکی۔ اور آواز بھر گئی۔



رہتی تھی سے فارغ ہو کر وہ لاؤنج میں آئی تو امان نسکیاں لے کر رہا۔ اس کا دل دکھ گیا۔  
 "چندا۔ پاگل مت ہو۔ اس نے جانا تو تھا ہی۔" وہ اس کے پاس سے گزرتے کرتلی اپنے گلی۔  
 "میں کبھی جی دست لڑا کر۔ یہ تو پرانی چیز ہے۔"  
 جب وہ اس کی گواہ میں سر رکھ کر رونے لگا۔

"امان۔ امانی۔ اوکھو اٹھ بھائیوں کی طرح مان جاؤ۔ ہمیں کتنی دور سے لے کر آئے تھے اور کتنی  
 خوشی تھی۔ ایکویہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اب تمہاری دلہن بھی انہیں کے تو تم کتنے خوش ہو گے۔ اور جو آئے گی  
 اس کا کیا حال ہوگا۔ وہ بھی تو کسی کی بہن ہوگی۔ نا؟"

پھر ایک دم بہت سارے لوگ آ گئے تو وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ چچی جان کو بہہ ہوئی کے  
 ۱۱ سے پڑ رہے تھے۔ شہلا کی امی برابر سنبھال رہی تھیں۔

"زبیدہ۔ ابوش کرہ بچوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ دیکھوڑ یا تمہیں کیسے دیکھ رہی ہے۔"

"ہائے۔ بھائی۔ میرا کچھ پھٹا ہوا ہے۔ ایک اپناج تھی۔ اس کا دکھ کیا کم تھا۔ ہائے میری عالیہ۔"  
 "توبہ۔ زبیدہ۔ ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔ عالیہ تو سسرال کے ہوتے ہوئے بھی شیکہ میں ہے۔ بالی  
 خال کے گھر تو گئی ہے۔"

"ہائے بھائی۔ اتنی دور۔ ترس جاؤں گی دیکھنے کو۔"

بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا۔

"سنو! وہ دونوں ہاتھ پیچھے کیے پوجا رہے گی کھڑی تھی کہ حسن نے پایا۔"

"جی۔"

"کچھ لوگ جا رہے ہیں۔ ذرا چائے وغیرہ کا انتظام کرو۔" وہ بہت سنجیدہ تھے۔

جب وہ اس پر آشوب ماحول سے نکل آئی۔

کچھ دن اور سر کے۔ ہانے اسکول چانا شروع کر دیا تو۔

حنا پٹی آئی۔ وہ دروازہ پھنس گئی۔

شری کو بھی دور سے پڑنے لگے۔ وہ رات بھر چینی تھی۔

اور ناصر صاحب کسی کام سے کوئٹہ آئے تو اس سے ملنے چلے آئے۔ انہوں نے شام کو آنا تھا۔ اس نے حسن  
 کو بلا دیا تھا۔ اس لیے وہ ہلدی چلے آئے۔ زرد سا رنگ میں، کھلے بالوں میں بڑی اوس اوس سی لگ رہی تھی۔ حسن کے  
 ساتھ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ناصر صاحب کے صبر اور ایک اور نوجوان مرد تھا۔ دونوں نے حسن سے ہاتھ ملائے۔  
 "ناصر محمود!"

"ملک نواز!"

حسن کا ہاتھ اٹھایا چڑ گیا۔

یہ ہمارے نائب الیٹر ہیں۔ تمہارے ہیں انہیں ہمارے میگزین میں کام کرتے ہوئے۔ بہت محنتی  
 آدمی ہیں۔ دونوں کے لیے آئے ہیں۔ میرا قیام الیٹ ایک ہفتے تک رہے گا۔

وہ اسی انداز میں چائے پلائی رہی۔ حسن نے ہی اسے بتایا کہ ہمارے ہاں دوسری بیٹی تولد ہوئی ہے۔

دونوں نے مبارکباد دی۔

"آپ کی بیٹی کتنی کھلی ہے۔" ناصر صاحب نے پوچھا۔

"اپنے چچا کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

ملک نواز نے ایک نظردیکھا۔ اور بولا۔

"تجربہ صاحب! آپ کی کوئی تازہ خول اہم نظر سے نہیں گزری؟"

"جی ہاں۔ میں بہت عرصے سے ٹیلی راتنی پٹی آ رہی ہوں۔ اب تو وہ بے بسی کی طرح ہے۔"

"اس مشاعرے کے بعد تو شاید آپ نے کسی اور مشاعرے میں شرکت نہیں کی؟"

"کی ہے اس کے بعد بھی۔ کوئٹہ میں تو ہوتے ہی بہت کم ہیں۔ البتہ اسلام آباد بھی گئی تھی۔ سو پالی سچ

پڑی ہوا تھا وہ مشاعرہ۔"

وہ حریف ہاتھ کرنا چاہ رہا تھا۔ جس کا اندازہ اس کی حرکتوں سے ہو رہا تھا لیکن اس کا یہ کار اور غصہ ابھی

آنکھوں میں بے پناہ نورانیت اور شہر کی شکست سے خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

ناصر صاحب حسن کے ساتھ کراچی اور کوئٹہ کے موسم پر بات چیت کر رہے تھے۔

حسن نے کہا۔

"آج رات کھانا ہمارے ہاں کھائیے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر حسن!" انہوں نے بڑی محبت سے مطررت کر لی۔

"کیوں اصرار کیا ہے؟ ناصر صاحب!"

"میں شہلا صاحبہ کا کام بہت ہے اور وقت بہت کم۔ امید ہے آپ خیال نہ کریں گی۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ لوگ کراچی آئیں تو غریب خانے پر تحریک ضرور لائے گا۔" ملک نواز نے سر کو اس کے سامنے ہلکا

سافیدہ کر کے کہا۔

"انشاء اللہ! حسن خاموش رہے تو اسے ہولنا پڑا۔

دونوں انہیں گیت تک چھوڑ لے آئے۔

حسن نے ناصر صاحب کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملا دیا اور ملک نواز سے صرف چھوٹے کے سے انداز

میں اسے ملک نواز کے ساتھ حسن کی بداعلاقیت بہت کھلی۔ کیا کرتی خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"بھلا گھر آئے کے ساتھ اتنی بداعلاقیت برتنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کیا بداعلاقیت کی میں نے؟ ناصر صاحب تو بہت خوش تھے۔"

"ملک نواز سے تو کوئی بات ہی نہیں کی۔ کیا سوچتا ہوگا۔ آخر مہمان تھا۔"

"میرا بانی کے لیے آپ کافی نہیں تھیں؟"

دیکھیں۔ مجھے ایسی باتیں پسند نہیں۔ میں الہامی اٹھ سکایاں کرنے والی لڑکی نہیں دو بچوں کی ماں ہوں۔

اسے ٹھہرا گیا۔

"بھئی اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"اگر آپ کو میری بد اخلاقی پر دکھ ہو ہے تو میں فون کر کے ان سے معذرت کروں گا۔"

"آپ میرے شو پر ہیں۔ وہ کیا سوچے گا؟"

"پھر وہی فطرت کہ شہرت پر آج آجائے گی۔ جیسی کہ میں نے بھی یہ خبر مشترک نہیں کرانی کہ میں بد اخلاقی ہوں۔ قدرت کی قسم تم پر علی کہ شو بد اخلاقی اور بیوی بد اخلاقی سچی سچی ہے۔"

"پلیز حسن! ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں آتیں۔ آپ نصیحت یافتہ انسان ہیں۔"

"جی ہاں! اہل ذمہ داری ہونے کا تم گارہوں۔ آپ کی طرح انسان کو بیڑ یا نہیں۔" وہ طنز پر انداز میں بولے۔

"یہ بعض اوقات آپ کو بھانپنے کا ہو جاتا ہے۔ لانے کے بھانپنے اصول ہے۔"

"سر پھر اہوں اس لیے۔"

"اللہ۔" وہ قائلین پر بیٹھ گئی۔ "آپ کو میرا ذرا خیال نہیں۔ ایک تو میری طبیعت درست نہیں۔ اس پر آپ دور دیکھتی ہیں۔"

"اچھا زیادہ فیل بچانے کی ضرورت نہیں۔ ایک بات غور سے سنو۔ مجھے اس شخص کی خط و کتابت یا سخت اعتراض ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ شخص کسی میرے گھر میں آئے۔"

"لیکن میں اس سے کیونکر یہ سب کہہ سکتی ہوں۔ کیا جواز ہے؟ اور بھی بہت سے لوگ خط لکھتے ہیں۔"

"ناصر صاحب کے ذریعہ سے کوئی بھی آ سکتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ تمام لکھنے والے مجھ سے ملنے نہیں آئیں گے۔ آپ کے حوالے سے اگر اس سے کہہ بھی دوں تو یہ سب آپ کی ذہنیت کی اعلیٰ شان کا مظہر ہوگا۔"

"نہی تو ہے اپنی قابلیت کا زعم۔ اتنا احساس بھی نہ رہا کہ تم شو پر سے بات کر رہی ہو۔"

"اور شو پر بھی کسی شخص سے بات نہیں کر رہا۔ آپ مجھ پر بے اعتمادی کا اظہار کر کے میری توہین کر رہے ہیں۔ جس شخص سے معاملہ سلام سے زیادہ بات نہ ہوئی۔ آپ نے اس کی طرف سے جانے کون کون سے خیالات اپنے دل میں سو لیے ہیں۔ نہ ہوگی۔" وہ روٹی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆

"بھابھی! بھائی جان کہاں ہیں؟" امان اندر آ گیا وہ فیڈر ریتا کر رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"پھر کیسے معلوم ہوگا۔"

"کہہ دو یا مجھے نہیں معلوم۔ وہ سردھری سے بولی۔"

"ارے معاملہ واقعی کڑی ہے۔" وہ سامنے آ گیا۔

"میں تو یہی دیکھنے آیا تھا۔" سردھری جان کا بھی موہ تخت خراب ہے۔ اسی لیے ادھر جا رہا ہے۔

"اچھا۔ راستے سے ہلو۔" وہ فیڈر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

وہ بھی ایک ہی تھا۔ پیچھے ہی چلا آیا۔

وہ راپوری میں رک گئی۔

"امان۔ اچھا مجھے شک نہ کرو۔" اس کا لہجہ اتنا دکھاتا تھا کہ امان ٹھٹھک گیا۔ اور پھر سر جھکا کر واپس چلا

گیا۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اپنی عقلی کا اظہار کرنے کے لیے وہ کوچ پر دراز ہو گئی۔ نیند اس کم بات کو آتی تھی۔ منہ سے کمرے میں داخل ہو کر ایک نظر اس پر ڈالی پھر لائٹ بجائی اور سو گئے۔ وہ کچھ دیر اپنی جان حال ہی میں پھر سوتی۔ خود بھی ایک خاموشی تھی جو نوٹے کا نام نہ لے رہی تھی۔

وہ نہایت عجیب کی سے تھا تھی۔ پہلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ بار بار کسی پر شک کرتا۔ شک تھی ہے۔

ملاؤنگہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی عوامی حیثیت کیا ہے۔ آخر وہ اس کے حلقہ کی ننگ بات کیوں کر سوچتا ہے۔ اس نے اس کی خدمت میں کیا کوئی سی کی ہے۔ کہ اپنے فرائض سے غفلت رہتی ہے۔ نیوی نہ ہوئی نہ خرچہ لگائی ہوئی۔

اس قدر چلنے کڑھنے کی ہونے لگی تھی کہ وہ ان لوگوں میں سے تھی۔ جو امن و امان سے رہنا چاہتے ہیں اور خوشی و آسوی حاصل کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے ہیں۔ اپنے سے حلقہ پر خرچہ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خود کو کوا کا لہجہ ڈالنا بھڑکا اوصالی بننا ہی ان کی ذات سے چلتا ہے۔ اس میں اتنا بھی بہت تھی۔ مگر وہ یہ

جانتی تھی کہ بیوی اور "اما" میں زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہوتا چاہئے۔ ایک خدمت کی صورت نہ بھی دیکھتی تھی کہ یہ نا اچھی

ماں نہ اچھی رشتہ دار۔ شو پر تو شو پر ہوتا ہے۔ جو صورت سے بہت کی چیزوں کا طالب ہوتا ہے۔ محبت۔ جان

داری۔ خدمت گزار۔ حتیٰ کہ ساتھی کی شفقتیں۔ جو صورت سے سب چیزیں اپنے مرد کو ملتی ہے۔ وہ اپنا

آپ اس کے حوالے اس طرح کرتا ہے کہ جیسے اب اس پر اس کا اپنا کوئی حق نہیں۔ اور پھر بھی تو ابتدا ہی تھی۔

وہ جانے نماز پر دھماکا لگنے کے بعد بیٹھی مسلسل من کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی نیند اس کا کوئی تو ڈھکڑا نہ ہا تھا۔

وہ بھی جانے نماز بغیر کہ یہ باتوں میں تھا اس کی طرف چلی آئی اور بیٹے کے کنارے سے لگ کر اس کے ہاتھوں میں انگلیاں الجھا دیں۔

"حسن۔"

حسن نے کمرہ کا کچھ توقف کے بعد آنکھیں کھولیں۔ سامنے گاڑی دوپٹے کے بالے میں گاڑی مسکراتا

چہرہ تھا۔ اس نے وہ بارہ آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کے چہرے پر جھک آئی۔

"سناڑھے چوہا چکے ہیں۔ اللہ چاہئے۔"

حسن نے کمرہ کی اور سیدھا ہو گیا۔ اور اسے بغور دیکھنے لگا جو سطح کن مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی

تھی۔ جب حسن نے اس کے ہاتھ قلم لیے۔

"تیرے سارے انداز فکر ادا ہیں۔ اگر تو ہر لمحہ کو اتنی دیکھتیاں دے گا تو ہر بات تجھ سے لڑ کر سوا کرے گی۔"

"بس بس۔ میرا سارا خون خشک ہو جاتا ہے۔ آپ کی ٹھہریں دیکھتیاں۔" وہ ہواؤں سے بولی۔

"زندگی۔ یہ سارے جھگڑے لڑائیاں۔ اس محبت کے ہی تو ہیں۔ میں تو سامنے کو بھی اپنا قریب سمجھتا

ہوں۔ تو کیا ہے۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ مگر۔"

یہ زبان۔ اس کی محبت کی زبان تھی۔ "آپ" مہذبوں کی زبان ہے۔ محبتوں کی نہیں۔ غیرت

کے بھی نہ ملے ہونے والے فاصلے۔ "تم" اس سے ڈراؤں۔ مگر "تو" جس میں بیواؤں کی باریک جھل جتنا فاصلہ بھی

نہیں۔ تو۔ بس۔ من۔ دو۔ اور کچھ بھی نہیں۔ کہیں بھی نہیں۔ کہیں میں تو ہوں اور میں۔ غاسلوں کی

تعلقات کی بات بھی نہیں۔ سامنے بھی نہیں۔

وہ ایسی ہی زبان بولتا تھا۔ عالمی کتب کی قاریہ کو اس نے ایسے ہی مٹھی میں نہیں لے لیا تھا۔



ایسے ہی تو اس کی دوجائی نہیں تھی۔ سب پر حاوی ہوا جاتی تھی اس کا کہنا اور کھینچتی تھی۔  
 وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ کوٹ پہنا رہی تھی۔ جب وہ شراست سے اس کی طرف بولا۔  
 "میں سوچتا ہوں کاش انکا بڑا زمین پر اتر جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ جتنا عرصہ "یہ" ہونے میں لگ گیا یہی  
 قہار سے ساتھ گزر رہا تھا۔"

"آپ نے یہ کیسے بھول لیا کہ میری بھی یہی خواہش ہے۔ میں تو عام انسانوں کی طرح ہی اپنی عمر کے  
 عادات طے کرنے کے حق میں ہوں۔" وہ مزید گویا ہوئی۔  
 "فکریں کرتے کہ اچھا ہوا جو ایسا نہ ہوا۔ بس اس قدر طویل انتظار ہو جاتا آپ کا۔ بہت عجیبہ ہو چکی تھی۔"  
 دونوں بے ساختہ ہلکے سا کرکٹس پڑے۔

وہ پورے تھکے تھے اب اس کی آری تھی اور ان کا بچ جانے کے لیے پورے تھکے تھے۔ اس کی کڑی اپنی موٹر بائیک کی سست آ رہی  
 تھا۔ اس نے کہا کہ سید کی سے بھابھی کو سلام کیا۔ اس سے اس کی فکلی میاں تھی۔  
 وہ مسکرا دی۔ امان کنائیں رکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔  
 "بارش ہو؟" وہ اس کے چہرے کی سمت جھک آئی۔  
 "نہیں تو۔"

"موت۔ اچھا۔ ورنہ پونے۔ اچھا پلو اپنی بھابھی کا قصہ صبر معاف کر دو۔"  
 "بھابھی۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

وہ اس کی پشت پر ایک دھبہ مارتی ہوئی، اب اس کی آئی۔  
 "جبر" انسان کے ہر زندہ احساس کی موت ہوتی ہے۔

وہ جس الجھرتے احساس پر جبر کرتا ہے۔ احساس مر جاتا ہے۔  
 احساسات کی موت انسان کے اعصاب و قوت کو مستحکم کر دیتی ہے۔

وہ جس عزت کی تھی۔ ایک خاص طبع کی مالک۔ مگر اس گھر میں آ کر اس نے وہ کام مقدم رکھے جنہیں  
 سب کی تائید حاصل تھی۔ جن سے سب خوش ہوتے تھے۔ وہ ایک دانشور و محقق اور لڑکی تھی۔ سب کی خوشیوں کو مقدم  
 جانے والی۔

"ثریا" اس کے لیے کھانا بیچتی تھی۔ جو اسے ہفتی بے چینی دینے کے علاوہ ہر سالی ایذا دینے سے بھی نہ  
 بچتی تھی۔ وہ پھر بھی اس کو اپنا عادی بنانے پر تکی ہوئی تھی۔ وہ یہ سننا نہیں چاہتی تھی کہ گھر والے اسے شہرت کے دم کا لہو  
 دیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایک لڑکی ہے۔ عورت ہے۔ جس کا صحیح مقام اس کا گھر ہے۔ اس کے بچے ہیں  
 اس کا شوہر ہے۔ اس پاس کے بیٹے لوگ ہیں۔ اسے بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ اس سے بہت سی توقعات  
 رکھتے ہیں۔ وہ ان آئیوں کی شبیہ بننا چاہتی تھی، خوبصورت قبول نظر شیبہ۔

اسی شبیہ کو کھانڈنے اور ستارنے کے لیے وہ کیا کیا جن نہ کرتی تھی۔ اپنی صورت ثریا سے ملنے لگی تھی۔  
 خاموش رہی کہ اس میں کسی دوسرے کا کیا روش۔ کسی کا کوئی قصور نہیں۔

میں۔ اگر کسی سے رقابت محسوس کرتا ہے تو فقط اس لیے کہ وہ اس کی موت کا ہونی ہے۔ کیا سا ہے  
 بڑے کو خلاف گلاس میں پانی دیا جائے اور بے دھیانی میں کوئی بھوری کہ کالی بیوی اس میں پڑ جائے تو بڑے کی ڈال

کوٹ کے کیا کہنے۔ بھوکے کے آگے کھانا نہیں دیا جاتا۔ اور کھانے میں لکھ آئے کوئی ہل تو کھانے والے کی  
 حالت کی کیا بات ہے۔ میں۔ وہ جانتی تھی۔ جتنی شدت مل میں ہوگی اتنی شدت مل میں بھی ہوگی۔ اس کی  
 کوشش یہ تھی۔ کوئی کوئی۔ کوئی ہال۔ درمیان میں نہ آئے۔ جو جتنی توقع کر کے جوتے مانگ رہا ہے۔ اسے  
 دے دو۔ اسے اس پر نہ کرو۔ اس نے کڑے پیرے اپنی ضدوں۔ اپنی انا پر اٹھائے۔ میرے جذبہ کے کڑے  
 پیرے۔ بات ہی کچھ نہیں ہوتی۔ بات ہی سب کچھ ہوتی ہے۔

حاکم طبیعت کھینچ نہیں تھی۔ اس لیے وہ پڑوس کی شاوی میں نہ پانچتی تھی۔ نہ اپنی زندگی کے سرور میں لگی  
 تھی۔ عمارت گھر میں وہ اور تناور و ملازم تھے۔ یا پھر ثریا۔

شب کے آٹھ بجے ہوں گے۔ وہ جانا کو جیتھتا ہے۔ وہ خود بھی قہو کی میں کھاتی تھی کہ میں نے اسے دکھایا۔  
 "شہلا۔"

"ہوں۔"

"ثریا۔ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہوگی۔" اس نے کوٹ بدل دی۔

"کمرے ہی میں تو نہیں ہے۔ اس لیے تو پوچھ رہا ہوں۔"

جب اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمبے کوسن کا عجیبہ و غریب دیکھا پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"قہوڑی دیر پہلے تو وہ کمرے میں ہی تھی۔ میں کھانا دے کر آئی تھی۔ وہ چنگ سے اترتے ہوئے ہوئی۔  
 دونوں آگے پیچھے پڑے ہوئے باہر آئے تو چچی جان بڑا آدھے میں بے قراری سے لپک رہی تھی۔ حسیں کی طرف دیکھتے  
 ہوئے بولیں۔

"امان اور قہار سے لپائی دیکھنے لگے ہیں۔ خدا معلوم کہاں لپک گئی۔" وہ بڑے بولیں۔

"بھئی۔" اصرار رکھا ہوا۔ حسیں تو معلوم تھا کہ۔ "بب سے اس نے سرال میں قدم رکھا تھا۔ پہلی  
 بار اس کا لہجہ نکلتا ہوا تھا۔ اور اتنی سی بات پر وہ گڑبڑ گئی تھی۔

"وہ۔" دراصل تارو نے لگی تھی۔ میں اسے سلاتے اس کے کمرے میں پہلی گئی تھی۔"

چچی جان خاموش رہیں۔ گاڑی امانی لے گئے تھے۔ موٹر بائیک امان حسیں پہلے تو چلتے رہے پھر  
 گیٹ سے باہر نکل گئے۔

"ایٹھ۔" امیری بچی کی حفاظت کرتا۔ زمانہ خراب ہے۔ خدا لیا اس کی حفاظت کرتا۔ "چچی جان  
 رو لے لگیں۔ تو وہ آگے بڑھا آئی۔ ساس کے شانے قدام کر پوی۔

"آدھ گھنٹہ پہلے تو میں تھی۔ میںیں ہوگی۔ آپ گھبرا نہیں مت۔"

موٹر بائیک کی آواز پر دونوں ساس بھانے سر اٹھایا۔ ثریا۔ امان کے پیچھے تھی۔ مابقی جس کے بے حال ہو  
 کر آگے بڑھیں۔ سبز آنکھوں والی خوبصورت ثریا نے ماب کا آنسوؤں سے تر چہرہ کہاں سے بے نیازی سے دیکھا۔ ماب  
 نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"کم بخت۔" کیا میری بڑیاں پھر کئے گی۔ کیا فلسفہ کسی کا زمانہ ہے۔ نامراد۔ کیوں میں روگ  
 لگائے گی۔ دیکھئے اگلے جاہم تو پاگل ہے یا ہوش مند ہے۔"

آج ماں کے احساسات پھر شدت سے جاگ اٹھے تھے۔ وہ آج کے بہانے سے ہائے کس اہل قدرہ روی تھیں۔ زار و قطار روی تھیں۔ امان۔ اور وہ انہیں سنبھالنے لگے تھے۔ ڈیڑھ اندر چلی گئی تھی۔

جب وہ اندر جانے لگیں تو امان نے کہایت پیچیدگی سے کہا۔

"امی۔ آپ ہائی کو کم بخت و غیرہ نہ کہا کریں۔ مجھے دکھ رہا ہے۔"

"امان۔ اکہاں تھی ڈیڑھ؟" اس نے پوچھا۔

"مخ کتاب والے کے پھیلے پر بیٹھی تھیں۔" انا کہہ کر وہ بیڑی سے اُتر پڑا گیا۔

تھوڑی دیر میں سب سی واپس آ گئے۔ جب لہائی اندر داخل ہوئے، انتہا سے زیادہ شکست خوردہ تھے مگر ہر کے من سے یہ سن کر کہ ڈیڑھ اندر ہے، انہوں نے ایک طویل اور گہرا سانس لینے سے غارج کر دیا تھا۔ حسن بھی لیکن کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ اس نے بھی سکون کا سانس بھرا تھا۔

اور۔

اور وہ طرے جتنا ہو گئی تھی۔

زندگی بہت مصروف ہو کر ہو گئی تھی۔

ساز سر کی خدمت۔

ژبا کی دیکھ بھال۔

حسن کے غرے۔

امان کی شراوتیں۔

بچوں کا روزانہ پینا۔

اور جو ایسے میں۔ عالیہ اور صعدا جانتے تو ان کے ہنگامے۔

نئی فرمیں لکھنا۔ بعض غریبوں کو خوشخط کرنا۔ بعض قریبی دوستوں کے خطوط کے جواب لکھنا۔ کام وہ سب کرتی تھی۔ کوئی نہ چھوڑتی تھی۔

یہ کام تھے۔ تو ایک کام اور بھی تھا۔ اور وہ تھا۔ اس دوا نے ملک نواز کی مہم نکاحی پر خون جھانا اظہارِ پھونکنا۔ پہلے وہ حسن کے سامنے ہر بات اٹھائی کہ کر دیا کرتی تھی کہ شوہر کا اعتبار حاصل رہے۔

مگر اب جتنا ہو گئی تھی۔ مگر اب سمجھ گئی تھی۔ کہ ہر بات اس کے سامنے کرنا گویا ناک پکڑنے کے مترادف ہے جو کہیں سے بھی پکڑ لو بات ایک ہی ہے۔ وہ بات کر دے تو وہ مزید بکڑے۔ حذف کر جائے تو بھڑکے۔ اس نے اب ان باتوں کو حذف کرنا ہی بہتر جانا کہ وہ اپنے باطن سے مطمئن تھی۔

کہ دیکھتے ہی اس بے مہر کو "امناف گفتگو" میں "منصف گفتگو" مرغوب و محبوب تھی کہ اس نکلے و نکلے کا بہانہ چاہیے۔ اور وہ بالکل ناشائش ہو چلی تھی۔ اپنے پرستاروں کے متعلق کوئی بات اس سے نہ کرتی تھی۔

پھر ایک روز اس نے شب روز کے معمولات سے اکٹا کر کراچی جانے کا پروگرام بنالیا۔

"میں نے سوچا ہے کہ ایک ماہ کے لیے کراچی ہواؤں؟" رات کو جب حسن سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں برش پھیرتے ہوئے کہا۔

جب حسن نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دیا الٹا اسٹول پر بیٹھی اپنی آنکھیں کھلی کر دیکھا۔

"مگر کیا ہوگا؟ اب چاہے بھی نہیں ہے۔ اسی کوڑا کا بھی کرنا پڑا ہے۔" وہ چلائی۔

"بچیاں میرے ساتھ جائیں گی۔ وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ میں انہیں گھبرا کر دھکے دے سکے گی نہیں جانتے ہوئے نکلتی ہوں تو کراچی کیسے جاسکتی ہوں۔"

"امی تو ہکا بکا اپنے پیش ۱۱۱ ہے۔ سرری میں۔"

"تو میں کوڑا نکلی رہا وہ اندر ہی ہوں۔ ایک ماہ وہ گیا ہے سربا کی پانچویں میں۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے۔ مگر پھر وہی مسئلہ مگر۔"

"تو کیا اب میں ساری زندگی اپنے والدین کی شکل کو زخنی رہوں گی۔" اس کا دل مٹھ مٹھ کی جڑ سے جھنجھٹانے لگا۔

"میں نے یہ کب کہا۔" اسی جگر پھونکنے والا لہجہ تھا۔

"تو پھر کیا مطلب؟" یہ مگر وہی کے کھیزنے تو سدا ہی رہتے ہیں۔ رہیں گے۔ جس طرح آپ کے

والدین ہیں وہ ایسے ہی چاہئے والے میرے بھی ماں باپ ہیں۔ کس طرح وہ ٹھیک کر جاتے ہیں۔ میں یہاں ہال چلی

ہوں۔ کہ مگر کیا ہوگا؟ کیا پوچھتے ہیں، میں انہیں میں بھی نہیں کہتی۔ انہوں نے مجھے نصیحت کیا تھا۔ حاکم تو نہیں چاہتی

تھی۔ شادی کے بعد بھی پانچ دن سے زیادہ نہیں رہی۔ سب گھر کرتے ہیں۔ سب بکھتے ہیں۔ میں ہل گئی ہوں۔"

"بند کر دے یہ بکواس۔ میری ایک مشغول بات کے جواب میں تم سو ابلیس دیتے گئی ہو۔" جانتے ہی تھے کہ یہ

ہو۔ جانتا ہوں کہ یہ مارا بخار دیتی ہو۔"

"تو پھر آپ خود ہی سوچیں۔ یہ علم نہیں کہ میرا می چاہتا ہے۔ سب بھی جانتے کو کہتی ہوں چچی کہتی ہیں بھی

نہ جانتے۔ ایک ماہ بعد چلی جانا۔ آپ سے کہوں تو کہتے ہیں۔ مگر۔؟ آخر سب میں نہیں کہتی۔ اس وقت بھی تو مگر

نظام چلتا تھا۔ عالیہ کا بچا جاتی تھی۔ سر دیوں میں ہالے لگوں تو کہتے ہیں کہ میں میں چلی جانا۔ کہ میں آئیں تو

کہتے ہیں وہاں گری ہوگی۔ بچیاں پریشان ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ چلی جاؤ۔ جب تک می چاہے رہو۔ جب دل بھر جائے چلی آنا۔ ایک بات اور

سنو تم اپنی دولت میں یہ سمجھتی ہو گی کہ تم عالمانہ لائل سے گفتگو کر رہی ہو۔ محترمہ اس سے زبان درازی کہتے ہوں

ہلہ بان دیوی، بھگوان اور جال مراد کو بھی بھاری گنتی ہے۔ جب کہ میں یہ کہہ چیت بھی رکھتا ہوں۔"

اور جیسے اسے کسی نے پھل کر دکھا دیا ہو۔ اتنی ریاستوں کا صلہ یہی ملتا تھا "جدا ہوا دیوی"۔ اسے نکالت

کے وہ گز کر رہ گئی۔ آج محسوس ہوا کہ انقلاب کی سنگ باری کیا ہوتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی تھوڑی سی بیکے مکان

میں جیسے ہوئے جال شخص نے حق کی لے سے منہ ہٹا کر لڑتی ٹھڑتی جال صورت کو بھلا دیا ہو۔

"پپ کر جاکتیا۔"

بالکل اسی کے مترادف اسے حسن کی بات محسوس ہوئی تھی۔ وہ ہاتھ روم میں تھیں کہ اس دولت پر دل بھر کر

روٹی۔ حساسیت تو اس کا اوزر نہ پھوٹا تھی۔ اسے یہ بات بہت محسوس ہوئی تھی۔ تو وہ اب شوہر سے ہر قسم کی بات نہیں

کریں گے تو کس سے کریں گے۔ میں کون سا اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ یہی تو چارہ رہی تھی ہاں کہ خوشی سے اجازت ملی

جائے کافی دیر رونے کے بعد وہ بچوں کے کمرے میں چلی آئی۔ چار سال کا اور دو سال کا سالہانا لہایت گہری نیند میں

تھیں۔ اس نے دونوں کو اپنے دائیں بائیں کیا اور دروازے میں لپٹ کر رہ گئی۔



اس نے اپنے معمولات میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ نماز پڑھ کر اس کا بھی شانہ بالا کر دیا گیا۔ اہم کو تیار کیا اور ہونٹ چلا  
بھتی کو تاشہ کر لیا۔ چچا بھتی کا تاشہ ان کے کمرے میں دے کر آئی۔ شریا کو اس کے نوٹس اور چائے تیار کر آئی پھر بیٹھ کر  
طرح اس کے لیے تاشہ لائی۔ دکھا ہوا دل پار پار آنسو بہانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک تو اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔  
دوسرے اس کی پھر بھلی بات پر۔  
"وہ بھی چپ خمی۔  
اور وہ بھی خاموش۔

بس یہ ہوا کہ آج وہ چورنگ تک نہ گئی تھی۔

وہ آفس سے مغرب کی اذان سے خوشتر ہی لوتا تھا مگر آج عشا کی اذان بھی ہو گئی تھی۔ وہ بچیوں کو ہانپ  
تبدیل کر اس کے انہیں کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔

اور بیڈ کی پشت سے نگی میگزین دیکھ رہی تھی کہ بیز شال اوڑھے شریا چلی آئی۔ دروازے میں ہی کھڑے ہو  
کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ خالی خالی۔ ہر تاثر سے عاری آنکھیں۔  
بھارت سے لگاؤ مٹنے ہی لگاؤ بنا کر بولی۔ "بھائی۔"

"بھائی تو ابھی نہیں آئے تہا رہے۔ آتے ہوں گے۔ آ جاؤ بیٹھ جاؤ۔"

وہ اندر چلی آئی۔ اور بھارت کو قلعی نظر انداز کرتے ہوئے ڈورینگ ٹیبل کی طرف بڑھتی چلی گئی۔  
کبھی فیس پاؤڈر منہ پر لگایا کبھی حسن کی برل کریم اٹھا کر منہ پر ملی۔ آئی لائٹرز ٹائمن پالش کچھ کر خوب  
تاشوں پر لگایا۔

بھارت خاموش تماشا بنی بیٹھی رہی۔ اسے روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ عین اسی وقت حسن  
اندروا مل ہوا۔ بیٹی کی بے نیازی اور بہن کی مصروفیت پر بیک وقت نظر پڑی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے شریا؟" حسن کا لہجہ کافی تلخ تھا۔

شریافور دھڑکی کھڑی ہو گئی۔ ڈورینگ ٹیبل کا ہرا شتر سامنے تھا۔

"جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ۔ اس طرف مت آیا کرو۔ کتنی بار کہا ہے۔" بھائی کی آواز کا کھردہ لہتا  
اس نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ جانے بگل کو کتنا احساس ہوا کہ بھائی کا اٹنا بھگ گئی۔ بھارت کی پشت سے لپٹ کر رو پڑی۔

"لیکن۔۔۔ بھائی۔۔۔ بھائی۔۔۔"

(جب وہ دلہن بنا کر اس گھر میں آئی تو چچی نے شریا کو دلہن دکھاتے ہوئے کہا تھا۔ یہ تیرے حسن بھائی کی  
دلہن ہے۔ بس اس روز اسے اگر اس نے کبھی خطاب کیا تھا تو دلہن ہی سے)

اسے شریا پر ترس آ گیا۔ اس نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے بیٹھ پر بٹھالیا۔ کس جاوے بھائی کو پوسنے آئی تھی۔  
"رو کیوں رہی ہو۔۔۔ بری بات شریا۔ اور تم نے کہا ہے کہ بعد پال نہیں جاتے۔ دیکھو تو کتنے دلہن  
ہیں۔ لاؤ تہا رہے پال سلھاؤ۔"

اس نے کوکوت آکل اس کے سر میں ڈال کر مساج کیا اور اس کے غور بصورت سبیری بالوں کی ایک چوٹی  
دنی۔ پھر برش سے بال نکال کر اس کی پشت چھو تھپاتے ہوئے بولی۔

"جاؤ۔ اب جا کر سو جاؤ۔"

جب وہ اچھی باخود رہے سے لپٹے ہوئے حسن کو بچوں کی سی انگلی سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔  
حسن نے جوا بھی دیکھا تھا۔ اس کے طرز عمل نے انہیں حیرت زدہ کیا۔ شریا وہ تو دراصل بی بی کو بچے کے  
جے۔ اس کی حیثیت کو رات ہی جانچ گئے تھے۔ وہ کھانا گرم کرنے لیکن میں چلی آئی ہوتی سب تو کھا چکے تھے۔  
وہ جب کھانے کے صبر نہ کر سکا تو اصل ہوئی تو حسن نے بیٹھ کر اس میں سر دے دیا تھا۔ اس نے لڑائی اس کے  
سامنے روک لی، جب اس نے کافی دیر رخ نہ مڑا تو اسے مجبوراً ہٹانا پڑا۔  
"کھانا کھا لیں۔"

"ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔" اس نے مصروفیت کے عالم میں کہا تھا۔

پھر اس کے مقابل کھڑے ہو کر ایک لٹاف سے چھایا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ کھانا کالاف تو ہو نہیں سکتا کہ آج سڑ جی۔

"کیا ہے اس میں؟"

"تمہارے اور بچیوں کے گفت ہیں۔ اگلے ماہ کی چھ تاریخ کے۔"

گزشتہ رات کی باتیں یاد آتے ہی اس نے لٹاف اس کی جانب واپس پھاڑ دیا۔ "میں نہیں جانتی۔"

"لیکن کل تو۔۔۔ وہ بھی کل کو یاد کر کے بھجوا۔"

"میں نے آپ سے اجازت مانگی تھی مگر نہیں۔ جس کے جواب میں جواب تک قدر افزائی ہوئی ہے۔"

اس کی شکر گزار ہوں۔ یہ گفت وغیرہ تو بہت بعد کی باتیں تھیں۔

"زیادہ آنر نے کی ضرورت نہیں۔" اس نے بی بی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔

جب وہ سسک کر اس کے ساتھ لگ گئی۔

"آپ ذرا ڈراما ہاتھوں پر وہ تیر کی سی باتیں کہہ دیتے ہیں لہذا جان کر دیتی ہیں۔ مجھے۔ آپ نے مجھے  
بڑبڑان کیوں کیا؟ شوہر نہ ہوا یا شاہ ہو گیا کہ جائز بات کہتے ہوئے بھی "جان کی امان پاؤں" ضرور کہنا جاتے۔ باپ  
کے برابر ہو گیا کہ ہر جائز ناجائز پر چپ سا دھلی جاتے۔ کب میں نے ایسا کیا کہ جائز بات پر آپ سے بحث کی ہو  
آخر میں بھی انسان ہوں۔ مجھے بھی اپنے ماں باپ۔"

"جب حسن۔۔۔ اس کی چٹکی ٹانگ کو کچھ کر سکر دیا۔ بات ایسی کوئی بھی نہیں تھی۔ میاں بی بی لڑائی میں  
جاتے کیا کیا کہہ جاتے ہیں۔۔۔ دراصل فکاڑھی ہر عام انسان کی یہ نسبت باوجود حواس ہوتا ہے۔"

"ذرا مائی۔" اس نے اپنے ہونٹوں سے شریک حیات کی ہانکوں پر سے ٹکے چھین لیے۔

"بس میں نہیں جانتی۔" نہ اتنی کڑی کہی تھی نہ اٹھائی نہ جھیلنے کی قدرت تھی۔ دکھا منہ بس کے ہی نہ  
اسے ہاتھ اور۔۔۔ اور پھر آخر غصہ ہی لیا اسے۔

وہ گرائی کیا آئی میسک کی روٹی بن چکی۔ مٹے پٹنے والے آنے لگے۔ اسے دعوت دے گئے تھے۔ شریا  
تو پہلے ہی اچھے ہی تھے مگر یہ فطری ہی بات ہے۔ کسی شہرت یافتہ اور مقبول شخصیت سے لوگ اپنا تعلق بتاتے ہوئے فخر  
محسوس کرتے ہیں۔ چنگ بات تو یہ تھی کہ سسرال میں تو اس کی حیثیت گھری مرقی والی نہ رہی تھی۔ ایک عالی قدر وہان تھی  
سو وہ چاہتی تھی۔ چنگی بے چاری بھول ان کے کہہ مارے زمانے میں تو قرآن پڑھی لڑکی کو بہت پڑھا بھجایا جاتا تھا۔ چچا  
جان کا مطالعہ صرف اسلامی و تاریخی کتب تک محدود تھا۔





"ایسا حسن بھائی کا فون ہے۔" وہ تیزی سے فون کی طرف آئی۔  
 "خیریت تو ہے۔ دوسری مرتبہ فون کیا ہے ان آٹھ ٹھکنوں میں۔" نگو شرارت سے مسکرائی۔ مگر فون پر سوجھ بوجھ نہ تھی۔

"اسلام سلیم" اس نے بہت پیار سے کہا۔

"وہیکم اسلام۔" بھئی کیسی ہو؟

"بہت اچھی۔" بچیوں کا بھی بہت دل لگ رہا ہے۔

"مزید کب تک دل لگنے کا ارادہ ہے؟"

"جی۔۔۔"

"بھئی وہ ابھی کب ہوگی؟"

"ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے ابھی۔" وہ چند دن مزید لگ جائیں گے۔ 23 تاریخ کو "انعام بھائی" صاحب کی کتاب کی یعنی شہری نمبر سے کی رونما ہے۔ وہاں مضمون بھی پڑھتا ہے۔ بہت اصرار داتا کیلئے سے مدعو ہوں۔ 23 کے بعد ہی وہ ابھی ممکن ہے۔"

"مگر یہ بہت مصروف ہو۔"

"جی۔۔۔ مگر اتنی بھی نہیں کہ آپ بلاؤں آئیں۔" اس کے سر درو پیے پر اس نے اپنی جانب سے خوش کن لہذا پیدا کرنا چاہی۔

"تم زیادہ بہتر جانتی ہو۔"

"کیوں کیا آپ کو یقین نہیں آیا۔"

"یقین۔۔۔؟" آگیا بھئی۔ آج شام چار بجے میں نے جیسے فون کیا تھا۔

"تو کیا تھا تو گئے۔" وہ میں ایک جگہ چائے پر مدعو تھی۔ ان کا گھر یہاں سے بہت قریب ہے۔ اسی لیے جلدی لکھ گئے تھے۔ ہمارا دوسرا بھائی امراتے۔

"کس کے ہاں مدعو تھیں؟"

"ملک نواز کے ہاں۔ آپ کو بہت پوچھ رہا تھا۔ پیچھے ہی پڑ گئے تھے محترم۔ لہذا ابھی بھائی نے اس کی دعوت قبول کر لی تھی۔"

"صبر بھائی نے؟" اچھا۔۔۔ وہ ہنسا۔

"جب نواز سے ملاقات ہوئی تو بھائی جان میرے ساتھ تھے۔ گونیس پر اہم بھائی جان سے ہی قریب ہوئی ہے۔ اس نے صبر بھائی کو بھی دعوت دی تھی۔"

"اچھا۔۔۔ ایسے بہت دستانہ تھیں گری ہو۔" حالانکہ ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں۔

"آپ ملک نواز کا خاص فون لیتے ہیں ناں۔" اس نے ہلکی سے ہنسی سے کہا۔

"کیوں بھئی۔" میں کیوں فون لینے لگا۔ ہمارا گھر ہے۔ میرا فون نہیں۔

"ہمارا فون نہیں شاید قدر دان۔" وہ دھجھے سے بولی۔

"شہلا۔۔۔"

"جی۔۔۔"

"تم جانتی ہو میں اس شخص کے جائزہ اور نیم مانتا۔ غلطی بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ سب سہارا ہے۔" درمیان اگرچہ کڑی ہوئی ہے تو صرف اس شخص کی وجہ سے۔

"جیسے اس کی کوئی دعوت قبول کرتے ہوئے۔" مجھے اور میرے اس کے بارے میں خیالات کو مد نظر رکھنا چاہئے تھا۔ مجھے اپنی باتیں ہرانا پسند نہیں۔

"مجھے پتا ہے سن۔" انہوں نے ضرور سنا سیدھا سا وہ شخص ہے۔ اور پھر میری مائی حیثیت کے سبب کوئی بھی مجھے غلط سے مل سکتا ہے، میں شادی شدہ ہال بچی والی عورت ہوں۔ مجھے آپ کے اس طرز عمل سے تکلیف ہوتی ہے۔"

"بہر حال میں نے اس معمولی سی بات کے لیے فون کیا تھا۔" اس نے فون رکھ دیا۔

اور وہ ریسرہ ہاتھ میں تھا سے تم سمجھ کر لڑی ہوگی۔

☆ ☆ ☆

اس کے دل نے سکر کر سست کر ایک حد تک ظاہر کیا تھا۔ ہولے ہولے اندر عجیب سا مہم جا کا تھا وہ خواب جاتا ہی چاہتی تھی۔ مگر اور گھر والا بہت شدت سے یاد آ رہا تھا۔

اسے معلوم تھا وہ بے مہر نہیں ہے سارا جھگڑا ان شدتوں ہی کا تو ہے۔

سینے آ کر بچوں کو تھپک کر سلاتے ہوئے اسے اپنے اس جڑو بدن کا پار باخیال آتا تھا۔

اس نے فوراً ہی صبر بھائی کو شیش ریز رو کرانے کا کہہ دیا اور گھر اپنی والہی کا فون کر دیا اور تیار ہوں میں مصروف ہو گئی مگر والوں نے بی بی اسیوں اور چاہتوں کے سہرا درست کیا تھا۔

اسے معلوم تھا وہ ایڑ پڑت ہے بے تاب کھڑا ہوگا۔ وہ بھی بھول جائے گی کہ وہ پرانی شادی شدہ ہے۔ شوہر شہنشاہ آٹھوں میں لے کر کھڑا ہو تو وہی جواب سن جاتی ہے۔ اسے معلوم تھا میٹوں کا عرصہ اس میں پھر سے نیا عجب نہ پڑا کر دے گا وہ پھر سے شرم محسوس کرے گی ماضی ہو گا تو مٹا لے گی۔

ایڑ پڑت سے باہر تو سارے ہڈے ہیں فون ہو گئے۔ وہاں اکیلا مائی کھڑا تھا وہ مر جاتی تھی مائی نے اسے سلام کر کے ہٹا کر گود میں اٹھالیا۔

"اے میری چڑیا۔ کیسی ہے تو۔" اور بھائی۔ کیا حال ہے۔"

"تھیک ہوں۔ وہ کہاں ہیں۔"

"وہ۔۔۔ جہاں ہیں خیریت سے ہیں ان ہی کے کہنے پر حاضر ہوا ہوں وہ میٹنگ میں مصروف تھے۔" مائی نے ہٹا کر گود سے اتار کر سامان ڈکی میں رکھنا شروع کیا۔

اس نے بچیوں کو گھسیٹ سیٹ پر اٹھا کر فرنیٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی۔

مائی بھی ڈرامائی رنگ سیٹ پر آ گیا۔ تمام راستے اپنی مخصوص شرارتوں سے اسے محفوظ کرتے رہا مگر اس کا ذہن نہیں اور ہی ہلکا رہا تھا۔

گڑی گھر کے چورنگ میں رہی تو آلو سے تو ذکر کھاتی تھی اندر بھاگ گئی۔

"آپا کہن آگئی۔" وہاں آ گئی۔"

بچی جان پشتم پشتم باہر آئیں جھٹ پتوں کو پکار گیا۔ اس کے سلام کا جواب دے کر عادی۔ خیر خیر جھٹ پتوں کو معلوم ہوا عالیہ آئی ہوئی ہے کسی کھلی سے شے لگی ہوئی ہے وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ کروڑوں کا توں تھا وہ نگاہا کر بیٹہ پر دراز ہو گئی۔

ایک عجب سے سکون کا احساس ہو رہا تھا۔

ساتنے حسن کا پورٹ تھا۔ وہ چند لمبے دیکھتی رہی۔ ایسی بھی کیا ضرورت۔

"ایسا عجب ہو رہا ہے حسن تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔

وہ اپنی جذبہ باتیت سے عاجز تھی۔ وہ آج تک اس حسن کو اپنے ذہن سے نکال نہ پائی تھی جو اس کا کزن تھا مگر تھوڑے عرصے میں چلتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انہی اور کہا دھڑکتا ہوا بچوں کو تیار کیا۔ گھر کی روشنیاں جل گئیں۔ اس کے دل میں چرچاؤں کرنے والا نہ آیا۔ الیت عالیہ آگئی۔ آتے ہی والہا نہ اس سے پرت گئی۔

"ارے میری بھابی۔ کب سے انتظار ہو رہا ہے آپ کا۔"

"ہوں کسی بھول کر خط تو لکھا نہیں۔ سب مند دیکھے کی باتیں ہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔ "اور ماشاء اللہ صحت تو

خوب بتا رہی ہے۔ خوب آپ اب دھوا کا اثر ہے۔"

دونوں باتیں کرتی اندر آ گئیں۔

رات آٹھ بجے نوکر نے کھانے کتنے کی اطلاع دی۔ اس کا دل بھج چکا تھا مگر سب کے اصرار پر چلی آئی۔

کھانے کی میز پر بیٹھی تھی وہ دشمن جان بریگ کیس ہاتھ میں تھا ہے چلا آیا۔ اس کے دل کی دھڑکیں بے ترتیب ہو گئیں اس نے آہستگی سے سلام کیا۔ برادون سوٹ میں اس کی محبت ہمیشہ کی طرح قابل رشک تھی۔

اسے آہستگی سے سلام کا جواب ملا تھا۔ سیاہ پولو اروسٹ میں اس نے اپنی سرجمائی ہوئی محبوب بیوی کو یوں پوری سے دیکھا تھا گویا کسی جرم کا مرتکب ہو رہا ہو۔

جھک کر بے بی سیٹ پر بیٹھی دھا کو پکارا۔

"کیسی ہو میری جان؟" وہ بیٹی سے والہا نہ پوچھ رہا تھا۔

"فائن پاپا۔" دھا کی باریک آواز ابھری۔ سب مسکرا اٹھے اس نے جھک کر دو بارہ دھا کا رخسار چومنا اور اندر

بڑھ گیا۔

"ارے بھابی کھانا کھائیں بھائی جان لباس بدل کر آتے ہیں۔" اسے گم سم دیکھ کر عالیہ نے شوٹی سے کہا

تو وہ سانس سرسری ہو کر بیٹھی گھوم کر بیٹھ گئی۔ اس کے برابر کی کرسی خالی پڑی تھی وہ وہیں آ کر بیٹھ گیا اس کے وجود سے انہی مخصوص خوشبوداروں کے فاصلے کم کرنے لگی۔

اس نے خالی پیٹ اس کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی سالن کا ڈنک بھی۔

ڈنک جھٹکتے ہوئے ہاتھ گر گئے۔ اس کے پورے وجود میں جھلی شب والہ نشوونما نے دکا۔

بچوں کو سوسا کر وہ بریگ بیٹھی چلی جان اور عالیہ سے کراچی کی باتیں کرتی رہی تھی۔ اسے ایسا کراہتا ہوا تھا۔

تو اپنی خواب گاہ میں جانے کی تیاری تھی کہ دل کو بھی سنبھالنا تھا فون پر کسی حسن کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ بچی جان کہیں برانہ مان جائیں کہ ان سے رشتہ داروں سے متعلق تفصیلی باتیں نہیں

کیں ان کی تضحیک نہیں کی کہ۔

فلاں کی بڑی بڑی کی شادی کب کی ضروری؟

دھکا کی خالہ کے کمرے سے بیٹے کی دوسری شادی ہوئی پوچھا۔

اور وہ جو فلاں پوچھنے کے پاس پڑا ہوا تھا اس کا نام کیا رکھا۔

"تم نے اسے دن کیوں لگا دیے۔ عالیہ کی دلوں سے آئی ہوئی ہے خیر سے دوسرے ہی سے ہے تم بھائی ہو خیال کرو۔ ارے میں تو تمہیں اٹھتے بیٹھے یاد کرتی تھی۔ لوگوں کا کیا ہے کہتے ہی رہے ہیں کہ کوئی پتا نہیں ہوا۔ اسے میں کہتی ہوں کہ کوئی میری بہو بڑی ہو گئی ہے۔ خدا بڑی سلامت رکھے ہوتے بھی ہو جائیں گے۔ اسے سن کر اپنے قرار تھا میں بھی تم دوسرے ہی سے لگی ہو۔"

"خیر خیر یہ تو ہے نا کہیں۔"

"جی۔ جی۔!" وہ بھابی لیتے لیتے بیٹھ کر بولی۔ (تو بچی جان آپ کے ہاں تو تین تین میاں کا وفد ہے مجھے سال بھر بھی سانس نہ لینے دیں گی۔) انہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

عالیہ اس دوران سویرہ تھی ری پانچ میں کھانے کا کافی رہی۔

"ای جان۔ بھابی تمہاری ہوں گی باقی باتیں سچ کر لیں گے۔" عالیہ نے اس کی مدد تو تھک کے لیے اس کے دل میں ہنر پر تشکر جاگ اٹھا۔ سب سے پہلے عالیہ خود ہی اٹھ گئی تھی۔

وہ آہستگی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

نیکل یپ آن کیے حسن سب عادت کسی کتاب میں گم تھا۔ اس نے آہستگی سے شب نواہی کا لباس نکالی۔ چند منٹوں میں تبدیل کیا اور ڈریسنگ نیکل کے سامنے بیٹھ کر کانوں سے بڑے بڑے ہالے جا رہے تھے۔

"کہاں کہاں کی سیریں ہوئیں مگر کار۔" حسن کا نوگفتہ سا دھچکا اس کی دھڑکیں بے ترتیب کر گیا۔ میاں بیوی کے درمیان میں بدلتی کسی خوش فہمی لے آتی ہے۔

"بہت اچھا۔ وقت گزرا۔ گرمی خاصی تھی سیریں وغیرہ تو نہیں ہوئیں بس گھر میں زیادہ وقت گزرا۔" وہ آہستگی سے کہتی ہوئی بیٹھ کے نزدیک آگئی۔

جانے کس نے کہا یا تھا شادی محبت کی موت ہوئی ہے۔

ہو سکتا ہے سچ ہی کہا ہو۔ مگر ان چند سالوں میں روٹھے منانے کے ایسے سرے آئے تھے کہ شدت کی شکلیوں نے بھی انہیں ایک دہائی کی بناؤ کو کسی سطح نے کچلی کی منزل پر لا کر بیٹی آ سو گئی وہی ہر جگہ پر وہ اسے سٹاک دشمن لگا رہ

صل پر دھماکے والا ردائی ہیرد۔ اس نے شادی کے بعد نکلیاں نکھن اٹھائی تھیں اور باور بائی مشورہ بن کر زندگی کا ایک نیا لطف لیا تھا۔ وہ بیٹہ پر بیٹھ گئی۔ اس نے حسن کی دست دیکھا وہ بچوں کا باپ بھر سے تر دھا تھا۔ وہ اس کے دل میں اور رات

مک کے دامن آہستہ آہستہ ترے لگی۔

"تمہاری نند کے ہاں جب پہلوئی کا لڑکا ہوا تو ہم نے مل کر نند کو پانی نہیں پینے دیا۔ ذہنی نند کے ہاں ہوئی تھی مال ہمارا تھا۔ بھئی میں کوئی کتا تھوڑا ہی تھا اپنی خوشی سے کہتے تھے آج تک نند یاد کرتی ہیں۔"

وہ دھا کا ہوم ورک چیک کر رہی تھی عالیہ لیکن میں روٹی ڈال رہی تھی۔ وہ سانس کی بات پر چوگی بھر کھو گئی۔ "میں نے تو بہت کہا عالیہ سے وہ کہنے لگی تھوڑی سی روٹیاں ۶ تو ڈالنا ہیں۔ میں تو خود اس سے کہتی ہوں کہ



اب تو تم ہمارے ہیں مہمان ہوتی ہو۔“

سالی کے جانے پر اسے برا تو بہت محسوس ہوا تھا جبکہ دوسرے صوفی تہمتی۔ خدا معلوم ساسوں کو یہاں کے کیے ہوئے کام کیوں نظر نہیں آتے۔ وہ اٹھ کر مکان میں حالیہ کے پاس چلی آئی۔

اسی دہتر یا مائے کا ایک سال کا بیٹا ہے جسے اپنے ہنسی والی کچھ میں کھس آئی۔

”عالیہ! اسے پہلے کے بچے چھو چالو۔ وہ دیکھ لے گا تو لے جائے گا میں اس سے کہیں کی۔“

”ہیں۔ ہیں۔“ عالی نے ہر کھٹا کر اسے روکا اور نہ تو شاید بچہ چاہے پر کھڑی تھی۔

”ایکھو۔ اسے پھپھو لودہ لے جائے گا میں اس سے کہیوں گی۔“ اس نے جھپٹ کر سامنے پلیٹ سے ایک

لڑنے کے مزے میں گھولتا جا رہا۔

ابو دؤد سے۔ بھئی اس کے دانت نہیں ہیں۔

میں نے کہا۔ "مجھے پتا ہے اس کے وائٹ ہیں۔"

بھئی، یہ ثابت آڑ نہیں کھا سکتا۔ شہزاد آیا۔ ”عالیہ نے سمجھا۔

کیوں کیا اس کا منہ نہیں ہے؟ میں اسے یہ امر

یوں لایا اس کا منہ نہیں ہے؟ میں اسے یہ امر دہنرو رکھاؤں گی۔"

یہ امر وہ نہیں ہے۔" اشیاء نے مسکرا کر احتجاج کی۔

قی کہیں مجھے پتا ہے یہ امر وہ ہے۔ امر وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ "او خدا سے ہر

$\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

میں اس کی اسی کیسے جہاں ہے۔ ۳۳۳ ٹریٹے کے لیے

... کے لیے جہاں ہیں۔ اگرچہ اسے پہلے ہی دیکھنے سے قبل میں سمجھا

۔۔۔ ہے۔ ”شہزادے آگے بڑھ کر بیٹے کو اٹھا لیا۔ بیٹے گھبرا کر روئے گا تھا۔

اے بچہ! اے بڑھ کر بننے والو! اٹھا لیا۔ بچہ طبرار روئے لگا تھا۔

اے بچہ! اے بڑھ کر بننے والو! اٹھا لیا۔ بچہ طبرار روئے لگا تھا۔

اے اپنے بچے کو دینی نہیں ہو اسے بھی اٹھا لیا۔ "تو یہاں بچے کو تیزی سے جھپٹ لیا۔

میں اسے پہلاؤں کی۔ میں اسے پہلاؤں کی۔ "وہ ہری طرح چیخنے لگی۔

نے لہر دھکی بیچے کو اپنی گود میں لیا اور تجڑی سے باہر نکلی۔ اس کے پیچھے ژبا اور ژبا کے پیچھے شہزاد۔

سے بھائی کیا کلام پکڑائی کھیل رہے ہیں آپ لوگ؟" مانی یہ منظر دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رو سکا وہ مولر

حق۔ بڑا پسلی پسلی آنکھوں سے کبھی ماں کو کبھی شہداء کو دیکھ رہی تھی۔

”ہوں غور مجھے کبھی نہیں لہاؤ۔ لہاؤ۔ اب میں کسی کو لہاؤتی ہوں تو مارتی ہوں۔“

”بھل تو آئے، رہا گ۔“

”ارے دنیا صبر آ رہا ہے کوکڑی ہے ارے میری کوکھ جی ۷۷ کر رہے ہیں۔ آگے ہی دکھڑے گام

پھر ارے کسے استحقاق میں (۱۱) ہے مولا۔ ارے اس جوان بچی کی کہاں تک فخر گیری کی کرتی رہوں۔ ارے میرے حال کی

ہیں۔ ارے کیسے امتحان میں والا ہے مولا۔ ارے اس جوان بی بی کی ہاں تک جڑی کی سب سے زیادہ

رحم کر مالک۔  
وہ ہے کراچی سے آئی تھی دیکھو وہی تھی کراچی بہت کم گھر میں نظر آ رہا تھا جیپ سی حالت وہ ہے جیپ میں

و جب سے کہ اپنا سے آئی گی و بعد ازیں کہی کہ مائی بہت کم عمر میں بھرا ہوا دھڑکیا کی حالت میں آئی تھی۔

پرسوار راجتی تھی وہ مگن سے غارت ہو کر باہر آئی تو پارٹی فٹو اور سوت میں

$\frac{1}{\sqrt{2}} \left( \begin{matrix} 1 & -i \\ i & 1 \end{matrix} \right) = \frac{1}{\sqrt{2}} \begin{pmatrix} 1 & -i \\ i & 1 \end{pmatrix}$

”اے بھئی بیٹو کہاں رہے آج کل۔“ اس نے جھجے سے ہاتھ لیا۔

دیکھ کر مسکرائے۔

”بس یہاں ہی آج کل

یہ کہ  $R \subseteq N$  ہے۔

”بھئی یہ تو کچھ زیادہ سی مصروفیت ہے۔ مجھے شاہجگ کے لیے ہانا تھا۔ حسن تو شام کے

گرفت میں نہیں آتے۔"

”بھئی اب تو شام ہو چلی ہے کل سہ پہر لے چلتا۔“

"خیر! ہو رہا ہوں۔" لانی نے بے ساختہ کہا۔ تو اس نے بے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"خوش رہو بھابھی۔" مائی نے بے ساختہ کہا۔ تو اس نے بڑے عورتوں کی سی سرک اٹھایا۔

"کیا بات ہے بہت خوش رہنے لگے ہو۔" اومنی خیر انداز میں مسکرائی۔

"خوش تو میر"

"مائی بھائی آگئے۔" "بھرنے سوال دہرایا۔

"جی۔" اس نے آگے سے رخ موڑ کر جواب دیا۔

"ہائے اللہ۔ راحت۔ سعد یہ۔ اے۔ آج۔" وہ شور مچاتی ڈرائنگ روم میں گئی۔ "دیکھیں جی فرار اٹھ جائیں اور نہ بے امانت دی جائے گی۔"

"ڈاکٹر خیر۔ مائی بھائی۔ مجب ہیں آپ بھی آصف بھائی کو لے کر بیٹھ گئے۔ آصف بھائی کو تو بھانہ چاہیے دیکھیے ہماری کزن پشاور سے آئی ہیں اور کہیں بھی نہیں گئیں آصف بھائی کے پاؤں پڑتے پڑتے کمرم زدہ ہو گئی جب کہیں ہائی بھری وہ بھی اس شرط پر کہ ان کو ساتھ لیں گے زیادہ لطف آئے گا۔ بس اب آصف بھی چپکے۔"

دونوں نے یہ سنی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور ساتھ کھڑے ہوئے۔

مائی اور انجنگ سیٹ پر تھا ساتھ میں آصف پیچھے چاروں فطیسی ہوئی تھیں۔ ساحر دور والے کے ہاتھ ساتھ تھی۔ مائی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کی ایک طرح کا زاویہ بنا لیا۔ اس کا چہرہ مکمل مائی کی نظروں کے حصار میں تھا۔ ساحر کی چیٹائی پر پیسے کی بوندی ابھرتی تھی۔ وہ اسی طرح سر جھکانے بیٹھی رہی۔

ایک اسٹیک ہار کے سامنے گاڑی روکائی گئی۔ سب کی پسند کے ساتھ آصف نے مائی کی پسند پر بھی۔

"یار اچھیں کیا پسند ہے۔"

"مجھے۔" مائی کی نظریں دھار پر تھیں۔ ساحر کی پگلیں اس کے رخساروں پر قہر قہر رہی تھیں۔ گواہی

لہر مارتے پھرے رخسار۔

"مجھے پشاور کے سب پسند ہیں۔ جب کہ لوگ خواہ وہ کٹھیری سب کو ترجیح دیتے ہیں۔" گاڑی میں قہقہے اٹھ پڑے۔

"سعد ہے مائی بھائی۔ بھی اسٹیکس میں پسند پچھو ہے تھے یہ سب کہاں سے آچکے یہ اپنے کو کون کے سب کیا سمجھتے ہیں۔" "بھرنے ٹھکڑا کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی سب تو کو کون کے بھی اٹلی ہوتے ہیں لیکن پشاور کے سب کی بات ہی اور ہے۔" اس نے شرارت سے نیچا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔

"آپ نے کھائے ہیں کیا۔"

"ہوں۔ اکثر سالم لگے ہیں۔" اس نے اپنی پرکشش نظریں اٹھا کر دھار پر ایک لمبے کو کر کوڑ کر دی۔

"اس سے تو آپ بہت بے مروتیت ہوئے۔" بھرنے نے رائے دی۔

اس اٹا میں آصف کی دنگائی جزییر آگئیں اور تقسیم شروع ہو گئی۔

"کیا بات ہے مائی بھائی بہت چمک رہے ہیں؟ شہلا بھائی کراچی میں لڑکی وڑی پسند کر کے تو نہیں آ گئیں۔" سعد یہ نے بھی حصار دیا۔

"اے نہیں بھائی خدا خواستہ وہ پاگل نہیں ہیں انہوں نے پانچ سال قبل لاہور آئے تھے ابھی تک بھگت رہی ہیں۔" مائی نے کون پر منہ مارا۔

"پتا نہیں بات کو کہاں لے جاتے ہیں میرا مطلب ہے آپ کی شادی دوا کی کا پتھر۔"

"پہلے تو نوٹ کرو۔ شادی بندھن ہوتا ہے پتھر نہیں۔ دوسری بات وہ پتھر نہیں چلاتیں بس کام کرتی ہیں۔"

پتھر چلانے کو نہیں ہی کافی ہوں۔"

ساحر کو احساس تھا کہ وہ مسلسل اس کی نظروں میں ہے اس سے کچھ کھانا بھی نہیں ہار اٹھا مائی نے یہ بات نوٹ کر لی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر کافین پر چلا گیا۔

گاڑی میں بیٹھی چاروں لڑکیوں نے اس کی شخصیت کے ہار کو محسوس کیا۔

اس کا پھر اسٹائل ہاتھ تھا اس کی چال شان تھی اس کی باتوں میں شوخی تھی۔ اس کی نظروں کھینچنے کے لیے جاتی تھی۔ راحت نے اس کی شخصیت کو ال سے سراہا۔

ساحر اپنی اہلیہ پائل مساف کر رہی تھی جو پیسے سے ترنہ ہو رہی تھیں۔

ساحر اور سعد یہ سوچتی نہیں تھیں ساحر وہ بی بی جی یعنی اپنے والد کی پہلی مرحوم بی بی سے تھی سعد یہ اور ایک بی بی اور بی بی سے تھا۔ راحت سعد یہ کی مثال زانو تھی آصف اور بھرنے سعد یہ کے بچے پھو پھوڑا تھے۔ سعد یہ

ساحر اور راحت اپنی اپنی ماؤں کے ہر او کو سنبھالنے کی غرض سے آئی ہوئی تھیں۔

مائی اور آصف تو بچپن کے دوست تھے۔ ملازمت کی وجہ سے چند سالوں کی دوری ہو گئی تھی۔ محراب اس کی ہنسنگ دہارہ کو کون ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں اب اس کا زیادہ وقت آصف کے پاس گزرتا تھا اور اب تو کچھ زیادہ ہی گزرنے لگا تھا۔ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہوا تھا چار پانچ روز قبل جب وہ آصف کو ساتھ لے جانے کی غرض سے

گیٹ میں داخل ہوا تھا تو ایک لڑکی کی چیخ تھی اس کے ساتھ ہی وہ گیٹ کی سمت بھاگتی نظر آتی تھی۔ آصف کا "مائیہ نا" سن کر "نونی" اس کے پیچھے تھا۔ لڑکی اس سے ٹکراتے ٹکراتے جاتی تھی۔

"دیکھیے مٹھڑا۔" مائی نے اسے سنبھالا تھا۔ "یہ کانٹے کا نہیں ہے گھر رہی۔ آپ نے سنا نہیں جو بھوکتے ہیں

وہ کانٹے نہیں۔"

"اے۔ لیکن اس نے تو میرا دوش پکڑ لیا تھا۔" وہ ہنوز غور زور تھی۔

"مجب ہے یہ جانور۔ کیا انسانوں جیسے کام کر سکتا تھا۔" اس نے گردن موڑ کر اپنے تھوڑے انداز میں مسکرا کر کہا۔

لڑکی نے شیشہ کرا سے دیکھا تھا۔

"مراد خان۔" اس نے مائی کو دوسرے گیٹ سے اندر داخل ہوتے مائی کو آواز دی۔

"یہ مائی کو ہاندو۔ بھئی۔ جلدی ہے۔"

"بھئی، آپ سنے جوش و خروش سے چی رہی تھیں اور گھر میں سے کوئی باہر نہیں نکلا۔" وہ عجیب ہوا۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے۔ کام کرنے والی ہے وہ بھی اونچا سستی ہے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

"مگر آپ بھی تو کچھ کم اونچا نہیں چی رہی تھیں۔" مہندی رنگ کے سادے سوٹ میں لمبیں گھبرائی۔

پوچھائی لڑکی اس کی باتوں سے مزید گڑبڑا رہی تھی۔ میں تو لان سے پھول توڑ رہی تھی۔ کہ "وہ اتنے شوق سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا کہ اس کی جان پر بی بی تھی۔"

"آپ کون ہیں۔ کس سے ملنے آئے ہیں؟" اس نے خود پر جلد ہوا پا کر زور دھکیلی سے پوچھا۔

"دیکھیے۔ جن سے ملنے آئے تھے وہ تو ہیں نہیں۔ زیادہ دور کی بات نہیں ہے۔ پھر آجائیں گے۔" وہ دھچکے سے مسکرایا۔

بھرا سے معلوم ہو گیا کہ وہ ساحر ہے آصف کی کزن۔ جب سے وہ اس کے گھر میں تھا وہ اس کی گاڑی تک آ





اسے شام ہی کو فرصت ملی تھی۔

گلابی سوٹ زیب تن کر کے کھائی پر ریٹ واقعہ ہاتھ سے ہونے اس نے سانس سے کہا تھا۔  
 "چچی جان۔ ذرا ہم ساتھ والوں کے ہاں چارہ ہیں۔"

"اوسے لیکن آج جیسے ساتھ والوں کا خیال کیسے کیا۔ تم تو سبوں گھر سے باہر نہیں نکلتیں۔" انہیں اچانک ہوا  
 "نہیں۔ ایسے ہی میں نے سوچا۔ عالیہ بھی آئی ہوئی ہے پھر مجھ کی اسی بھی شکوہ کرتی رہتی ہیں۔" اس نے  
 وضاحت کی۔

"لو۔ غریب کبھی شکوہ کرتی رہتی ہیں خود تو جیسے روز عاضری لگاتی ہیں۔"

ویسے ان کا وہ بیان تھا مجھ کے لیے۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ مگر بھی میں نے بھی جہاں تھا کہ  
 ہمارے تو خاندان میں ہی لڑکیاں بہت ہیں۔  
 وہ سب کچھ جانتے جانتے رک کر کھنگھرنے لگی تھیں۔

"بس ذرا جلدی آ جانا۔ اور ہو سکتا ہے وہ جیسے اپنی پڑھانے کی کوشش کریں مجھ کے لیے۔ تم ان کی باتوں  
 میں مت آ جانا۔"

انہیں یہی گمان تھا کہ مجھ کی ماں نے اسی نیت سے شہلا کو زور دے کر بلایا ہے۔ تب کہ حقیقت یہ تھی کہ  
 ہاؤس سے نہیں جاری تھی۔ اسے چچی جان کا یوں بیٹے کی ماں کی حیثیت سے ڈر کر ہکا بھکا نہیں لگا تھا۔

"پتا نہیں لائق بیٹوں کی ماؤں کو یہ خوش گمانی کیوں ہوتی ہے کہ لوگ ان سے مطلب سے ہی ملتے ہیں۔  
 اسے میں چھو لدا چارواڑ سے عالیہ بھی باہر آ گئی تھی۔

مائی کے بے قرار دل نے انہیں جانتے دیکھ کر سکون کا سانس بھرا۔  
 وہ گیت میں داخل ہو گئیں تو سب لڑکیاں لان میں ہی بیٹھیں جیسے مجھ انہیں دیکھ کر پڑے ہوئی کو آگے بڑھی۔

"اوسے۔ آج ہمارے ہاں کون آیا ہے۔ ائی۔ ائی۔"  
 "آئیے شہلا بھابی۔ عالیہ بانی۔" وہ انہیں لے کر ڈانٹک روہ کی طرف بڑھی۔

شہلا نے پر اشتیاق نظروں سے سب لڑکیوں کو دیکھا۔ براؤن سوٹ میں بیٹوں ایک ساوئی اور کلاں لائی  
 سب میں متاثر نظر آ رہی تھی۔ یہ جان کر یہ مائی کی بھابی اور بہن ہیں اس نے بطور خاص انہیں دیکھا تھا۔ مگر شہلا کو کالی سوٹ

دیکھنا پانگراں نے نظریں جھکا لی تھیں اس پر شہلا کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آج بیکٹ (Object) یہی ہے (اسے بالکل  
 سچے کہاں پہنچا ہے تو اس نے دل ہی دل میں مائی کے انتخاب کو سراہا۔ مجھ کی ائی نے خوش ہو کر ان کا استقبال کیا۔

"اوسے لیکن تم تو بہت ہی نرمی ہو۔ وہ قدم کا قاصد ہے بیٹوں نظر نہیں آتیں۔" انہوں نے قہر لیا۔  
 "نہیں خالہ جان انکی تو کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی میں ائی کے ہاں گئی ہوئی تھی کراچی۔"

"ہاں بتاؤ تمہاری ساس نے۔" انہوں نے صوفے سے پشت لگا کر بات مختصر کی۔  
 "لو۔ عالیہ بچپن میں سارا سارا دل ان یہاں کھینچی رہتی تھی۔ سسرال جا کر تو سب بھول گئی ہے۔ بہت سے بھائی

ہو گئی ہے۔"

عالیہ خلیف ہو کر مسکرا دی۔

"اوسے لڑکیو کہاں ہو بھی یہاں آ کر بیٹھو۔"

لڑکیاں یکے بعد دیگرے اٹھ آ گئیں۔ راحت لباس بدل کر تھوڑے سے انتہائی تھی۔ سحر  
 اور سب سائیں تھیں۔ سحر وہ آخر میں اندرائی تھی۔ آکر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

راحت نے بتایا کہ پندرہواہم اسے کوری ہے مگر اسے حے حے کے کھانے پلانے اور اس کے پیش  
 کے بیوسات تیار کرنے کا بے حد شوق ہے۔ مزید یہ کہ اسی اس کی سحر وہ مقابل پسند عادت سے لڑاں جیتا۔

سحر یہ کو کرکٹ کا بہت شوق تھا اس کا موضوع کرکٹ لڑتے تھے۔  
 مجھ اور سحر نے بہت کم گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"میں کی مائیں تو ڈرنا سننے لگی ہوئی ہیں جین شان سے بھی ملاقات ہو جاتی۔" مجھ نے تب سے تعریف کر رہا تھا۔  
 "اوسے بڑا پیرا نام ہے آپ کا۔" عالیہ بے ساختہ کہا تھا۔

سحر نے مسکراتے ہوئے اٹھنا کیا تھا۔  
 "نہیں بھئی۔ صرف نام ہی یاد نہیں خود بھی تو یاد داری ہیں۔" شہلا نے کھیل سے توجہ لے لی۔

"چچتی ہیں۔" عالیہ نے پوچھا اسے سارے اٹھنے کا طریقہ تھا وہ اپنے طور پر اسے مائی کے لیے پتہ کر رہی تھی۔  
 "میں۔ نی۔ ایل۔ تولی۔ اسے کا ایگزامو دیا ہے۔" وہ ٹانگی سے بولی۔

"اب کیا اوسے ہیں۔" عالیہ نے حے بول چھا۔  
 "بھئی ان کی زندگی کا کوئی 'ایم' (آؤرش) نہیں ہے۔ انہیں تو پڑھنے کا بھی خاص شوق نہیں تھا۔ مگر بیویوں

کے کہنے پر پڑھنا پڑا۔ اب تو بس انہیں گھر واری ہی سے دلچسپی ہے۔ دلچسپی بھی کیا کہنے آخر فراغت کا کوئی نہ صرف بھی  
 ہو۔" راحت نے عجیب کشیدہ انداز میں اس کی ذات کو برت پر ت اور حیرا۔

اور وہ خاموشی سے سر جھکا کر ٹھنسی رہی۔  
 خالہ جان چائے کا انتظام کر کے واپس آ گئی تھیں۔

"ان میں سے کسی کی کھنٹی وچھی بھی ہو گئی ہے۔" شہلا نے رنگ بڑھی لڑکیوں کو شوق سے دیکھا۔  
 "اوسے نیلی۔ کہاں۔" یہی تو آج کل سب کا مسئلہ ہے۔ اچھے رشتے ہی نہیں ملتے ہمارے خاندان میں اللہ کی

رحمت تو کچھ زیادہ ہی ہے۔  
 "خیر۔ جس نے پیدا کی ہیں۔ جوڑے بھی اتارے ہی ہوں گے۔"

"اب یہ سحر ہی ہے۔ جو آتا ہے ہاؤس کو پسند ہی نہیں آتا۔ اب مگر مرگ جائے گی اس سے چھوٹی سحر یہ  
 ہے۔ مگر ان کے بچے تو بات ہی پڑتی جب تک اس کی نہیں کرتے تو چھوٹیوں کی کیسے ہو جائے گی۔ ابھی چھپتے لوں ہی

سحر کا اٹھا چھارشتہ پاڑے کا اپنا روکشاپ تھا۔ مگر یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تعلیم کم ہے۔  
 اب ایک ایک چیز دیکھتے بیٹھیں تو ہو لیں لڑکیوں کی شارپاں۔"

شہلا کو عموں اور تمام حاضرین میں کوئی سحر کا خیر خواہ نہیں ہے۔ ایسی عظیم الشان لڑکی جسے دیکھیں تو  
 گھونٹنے کا مانی نہ چاہے۔ اس کے لیے موزن ٹیک کتنا مناسب ترین خیال کیا جا رہا تھا۔ اسے احساس ہوا مائی کی یہ قسنا آسانی

سے ہادی نہ ہو سکے گی۔ پہلے تو اپنے ہی گھر میں۔ چچی جان۔ اس کے بعد شاید مجھ کی والدہ۔ وہ کیسے سہ سب کی کہ ان  
 کے منتخب کرواؤ گے سے مجھ کے بجائے سحر دیا ہی جائے۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے شکایت کا اندازہ کر لیا۔

"سحر۔ ہمارے طرف بھی آتا تم۔" اس نے محبت سے کہا۔ پھر اپنے مخصوص الفاظ پر چونک کر سب کو



مسکرا کر دیکھا۔ "ان سب کے ساتھ آنا۔ بھی نہیں تو آپ سب بہت اچھی لگیں۔" اس نے دل رکھا۔ اس کا دماغ اس کی  
کیسے لڑی طرز سب کو پڑھا تھا۔

جائے سے فراغت پا کر نرکی قہیدہ خوانی سے محفوظ ہو کر وہ گھر چلی آئی تھیں۔

ماریہ آج کل اپنی طبیعت کی "خرابی" کی وجہ سے ذرا کم کوئی ہو گئی تھی۔

مگر باہر نکلنے ہی اتنا ضرور کہا تھا۔

"بھابی۔ یہ سارا آپ کو کیسی لگی۔ کیا خیال ہے اسے چھوٹی بھابی بھالیا جائے۔"

"دیکھیں گے۔ اسی کو تو دکھا دیں پہلے۔"

"بھئی۔ اتنی پیاری تو ہے اسی کیوں پسند کریں گی۔ یہ تو ان لوگوں میں سے ہے جسے ہی اللہ بھالے گا۔"

جی چاہے۔ "وہ جس پڑی خود ہی اپنی بات پر۔"

"تم مانی کے سامنے یہ جملہ قدر لانا۔ کیسے عملی طور پر۔" اس نے جان کر بات احمدی چھوڑی دلی۔

چچی جان نے دونوں کو ہنسنے دیکھا تو بولیں۔

"اے کون سے لیلے پرنس رہی ہو۔ کیا کہہ رہی تھیں تمہاری ماں۔ میرا تو چچا چوری ہوں گی۔"

"لیلہ تو کوئی نہیں امی۔ جب انسان خوش ہو تو جس ہی پڑتا ہے۔"

اس نے پیچھے سے پا کر ماں کو ہاتھوں میں سینے کی کوشش کرتے ہوئے ۱۱ سے کہا۔

"سچ امی۔ اتنی اچھی لڑکیاں آئی ہوئی ہیں مجھ کے پاس کہ بس کیا بتاؤں۔"

"ہوتی رہیں اچھی۔ بھی نہیں۔ کیا۔" چچی جان کو تو بھلا لعلی بغض تھا مسرتی سے۔ "آج تو حسن بھی جلدی"

کیا۔ پھر ہاتھ کا دونوں کہاں گئی ہوئی ہیں۔ اتنی دیر لگا دی آخر چچائیاں بھی ڈالنا ہیں۔"

وہ اندر کمرے میں آئی تو حسن غسل کے بعد کہیں جانے کو تیار ہو رہا تھا۔

"اچھا تو کہیں جاتا تھا۔ میں حیران ہو رہی تھی کہ آخر آج آپ جلدی آ کیسے گئے۔" حسن نے ہاتھ

مصراف سے انداز میں اسے دیکھا۔

"یار۔ تم بھی عجیب ہو مگر آؤ تو غائب۔ بھی میرا جلدی سے کوئی انزوت نکال دو۔"

"اف خدا لیا۔ کیسی جلت ہے کیا گاڑی چھوٹ رہی ہے۔" وہ دروازہ پر کھول کر سر دیا۔ یہ بولی۔ جواب

میں حسن خاموش رہا۔

کپڑے تبدیل کر کے بالوں کو اس پر سے کر کے دریا دھوا ہوا ہاتھ دھو کر شہانے سفید رومال غامض انداز

سے ٹکڑے کوٹ کی بالائی بیب میں لٹایا۔ اور ایک بہتر خوشبو اٹھا کر اس پر اسپرے کیا۔ پس اٹھا کر تھوپا۔ جہاں نے

کوٹ کی اندرونی بیب میں رکھ لیا۔

"کب تک انتظار کروں۔" اس نے درجائی سے مسکرا کر بے سنورے حسن کو دیکھا۔

"کب تک کر سکتی ہو؟" وہ شرارت سے اسے آگے میں دیکھ کر بولا۔

"ہاں بیگ تک۔" اس نے یقین سے کہا۔

"اگر بارہ بیگ نہ آؤ۔ تو کیا ہو سکتی ہو۔؟"

"جب تک اسے تو تک کرنے کا مطلب۔" اس نے جھٹک کر اس پر سے پڑھکن چلایا۔

"ہاں یہ ہے کہ میں اس سے آئے ہوئے دوستوں کو اجازت دے رہا ہوں۔ ایک۔ دو پہلے وعدہ کیا تھا۔"

انصراف رہا کہ باری نہیں رہا۔ بچے کیا کر رہے ہیں۔؟

"کیا کر رہے ہیں۔؟" وہ اس خوشبو اور مرد سے بہت کر بولی جسے پائی سال شادی ہونے کے

بارہواں گھر تھے کا شہ تھا۔

"بھئی۔ اتنا کوٹاں تو پڑا کر۔ ویسے بھی وہاں شادمانہ بہت اچین ہے۔"

"جی۔ میں تو خیر توجہ دوں گی۔ آپ بھی تو ہمیں اسے چمکے کیا کیجئے۔"

"تم تو جانتی ہو۔ اچھا بھی بھر جائیں ہوں گی۔ اگر جانتی ہو کہیں تو رات کو۔ اوکے۔ اور تک۔" وہ چامچاں

اٹھا کر باہر نکل گیا۔

اس کے نکلنے ہی مانی تیزی سے اندر آ گیا۔

"افو۔ ایک تو بچی جان کے "دونوں بیٹوں" نے مجھے تک کر دیا ہے۔" وہ بے قرار سے مانی کو دیکھ کر

شرارت سے مسکرائی۔

"تم نے کہا تھا بھابی جو لڑکی سب سے اچھی ہو۔ بھی مجھے تو سب سے اچھی مانی بیروں۔ تو کہانی کی لڑکی

بہل گئی۔ چاہے اس کا تھرا تو کوئی جوڑ نہیں۔ البتہ ان لڑکیوں میں جو میرے دل کی پچھے ہوئے ہے کہ رات سب سے

مرد ہے وہی بھی کیا لڑکی ہے۔"

"جی۔ راحت۔ بھابی۔ وہ۔" مانی نے ہاتھ کے اشارے سے راحت کا کلمہ سننا لگا کر تھپا۔ وہ بھابی۔

"بھئی مجھے تو بہت پسند آئی۔ میں بھابی چچی جان سے اس کے بارے میں ہی بات کر رہی تھی انہوں نے بھی

اسے دیکھ رکھا ہے۔ کہنے لگیں مانی کو پسند ہے تو۔ ہم اللہ۔"

"آپ نے۔ امی سے بات بھی کر لی۔ کم از کم مجھ سے تو معلوم کر لیا ہوتا۔ راحت سے شادی سے بہت

ہے میں تاحیات غیر شادی شدہ رہوں۔"

"افو۔ بھابی۔ قسم سے مجھے آپ کے حسن نظر کا عالم پتا ہوتا تو میں نام بتا کر بھیجتا۔ راست۔" اس کا دل

تو تو۔ آپ کو اتنی جلدی کیا تھی کہ امی سے بھی کہہ دیا۔"

"لو خود کو اتنی جلدی تھی کہ ہر سوں دیکھا آج مجھے بھیج دیا۔ ویسے ان کے پاس ایک عجیب سی لڑکی سا حرو

بھی تھی۔ میں نے سوچا اب تم اتنے بھی کھٹکے نہیں ہو جو اس کا انتخاب کرو گے۔ کہاں راحت۔ کہاں سا حرو۔"

"گو کیا آپ کو سا حرو پسند نہیں آئی۔؟" اس کی آواز وحشی اور پیچیدہ تھی۔

"تو کیا تم سا حرو کے لیے کہہ رہے تھے۔ مگر بھئی اس کا تو کھاج ہو چکا ہے۔"

"جی۔" مانی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"مگر بھابی۔ میں تو واقعی اس کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔"

"تو کیا اسے طلاق دلو کر اپنے ساتھ زبردستی کھاج پڑھاؤ گے۔؟" وہ تلخ دیکھ کر بولی۔

مانی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر وہ اسے کی سمت بڑھا۔ تو شہانہ کو ترس آ گیا۔

"اسے مانی کے بیچے۔" اس نے مانی کا بازو تھام۔ کراچی سے موڑا۔

"جی مانی۔ واقعی لڑکی اچھا ہے۔ بہت سیر نکلتے۔ بھی میں نے تو عالیہ سے تو کہہ نہیں کیا تو بھلا امی سے

ابھی سے کیسے کہوں۔ میں تو لائق کر رہی تھی کوئی کلام وغیرہ نہیں ہوا۔ عالیہ کو بھی بہت پسند آئی اس لئے تو اپنے طرز پر اسے تیار کر کے لیے پتہ کیا ہے۔ اب اگر کچھ بات آگے چلے۔ "۲"

"دیکھیں بھابی۔ آج تو آپ نے میرے تمام مذاقوں کا بدلہ کھڑے کھڑے سے لے لیا۔ بہت بھلا کھڑا مذاق تھا۔" اس کے چہرے پر خوشی لہریں مارنے لگی تھی۔

"بھابی۔ آپ کو میرا ساتھ دینا ہے۔ مجھے تو اسی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ تو ہر کام ادا کرنے کی عادی ہیں۔"

"بھئی مائی۔ مجھے یہ بات اتنی آسان نہیں لگ رہی اس لیے کہ بچی جان تو ان کو کوئی گولہ نہیں پسند کرتیں۔"

"آپ یہ کیوں کہہ رہی ہیں۔" وہ پریشان ہوا تھا۔

"تو ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ غالباً وہ اپنی بہن یا بھائی کی لڑائی تیار کر کے لیے پسند کر رہی ہیں۔"

بیٹکڑوں ہاتھ مجھ سے کہہ چکی ہیں کہ مائی کی شادی فیروں میں نہیں کروں گی۔

"تو آپ کچھ کیجئے گا ناں۔" ۳

"ہاں بھئی کریں گے۔ دیکھیں گے۔ حسن اور چچا جان مان گئے تو پھر ہوسکتا ہے بچی جان نرم نہ جائیں۔ ہاں نہیں میری بچیاں کیا کر رہی ہیں۔ پتا نہیں۔ دتتا نے وہ بھی بیٹا یا نہیں۔" اسے ایک دم بچپن کا خیال آ گیا۔ وہ باہر چلی گئی۔ بچی جان دتا کو گود میں لیے ٹہل رہی تھیں۔

"وہ وہ پئی لیا اس نے۔" شہلا نے آگے بڑھ کر دتا کو گود میں لیا۔

"ہاں پئی لیا۔ تمہارے ہانے کے بعد تو بہت روٹی۔ لیکن۔ اتنے چھوٹے بچوں کو تو ساتھ ہی رکھا کرنے ہیں۔ اچھے فیشن ہیں آج کل کے۔ بچے ماؤں سے دور ہونے جا رہے ہیں۔ ابھی ماں میں ہیں آج کل کی شاہانہ دتتا جاتی ہیں نہ گودوں میں کھاتی ہیں۔" وہ حسب عادت تقریر کرتے لگیں۔

"سو رہی تھی ناں یہ۔ اس لیے کہ نہیں لگی تھی۔" اسے بچی جان کا یوں خواہنا ہوتا تھا کہ ناکی ناگوار گزارا تھا۔ صبح سے اس کے پاؤں میں پکڑا جاتا تھا۔ حسن اور دتتا کی تیاری۔ دتا کو تو خیر مائی اسکول چھوڑ آتا تھا۔ ہانڈ لے کر وہ خود آتی تھی کبھی سرگھر ہوتے تو وہ لے آتے۔ آج بھی وہ ضروری کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی کہ فصل کر کے تازہ دم ہوئے کہ چھپے ملازم لڑکا آج کی ڈاک لیے چلا آیا۔ خط۔ سندیس۔ خوبصورت بندھائے۔ اپنے درمیان کبھی کشش دیکھتے ہیں کہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو۔ کتنی ہی جلدی کیوں نہ ہو۔ اتفاقاً کھولے ہمارا ہاتھ جاتا۔ اس نے جلدی جلدی تمام لٹائے پاک کیسے سب پر تیز نظر میں دوڑائیں۔ کوئی پرستار تو تھا کوئی ایجنٹر۔ ایک لٹکھڑے آیا تھا۔ دو ایک سیٹیوں کے تھے۔ آسانی اتفاق پاک کرتے ہیں اس کا ذہن لمبے پھر کو منتظر ہو گیا۔ لٹکھا تھا۔

مختار شہلا حسن صاحب!

السلام علیکم!

جب سے آپ کراچی سے لگی ہیں آپ کی کوئی چیز اشاعت کے لیے موصول نہیں ہوئی۔ میں سبے بھئی سے آپ کے کلام کا منتظر ہوں۔ کوئی کہ میں ایک مشاعرے کا انعقاد ہو رہا ہے۔ نامور شعراء حضرات کو بھیجیں گے۔

آپ سے ملاقات دے گی۔

اب میری آپ کی چیز موصول نہیں ہوتی کبھی دوسرے میگزین یا اخبار میں آپ کو کوئی نیا ہوں تو احساس ہوتا ہے آپ کیسے افسوس کر رہی ہیں۔ کوئی کہ میں تو سرد یاں شروع ہو گئی تھیں۔

باقی باتیں کوئی آئے ہے ہوں گی اجازت چاہوں گا۔ خدا حافظ

خیر احمد بھٹی

ملک نواز

سب ایجنٹر

اس نے خاموشی سے تمام خطوط دراز میں ڈال دیے۔ بات کچھ بھی نہیں تھی۔ مگر اس کی زندگی میں یہی ہم چری طرح اس کے اعصاب پر پڑتا تھا۔

"حسن تم نے اس معصومہ کو ضرور افسانہ کو تو اٹھواؤ اٹھا اٹھنا ہوا دیا ہے۔" اس نے سر ہٹ کر خود سے کہا۔ جب اسے مشاعرے کا دم تھا تو اس نے بہت سوچا چاہئے یا نہ چاہئے۔ اس کی ایک دو تازہ وغیرہ مطلوبہ نہیں رہی ہوئی تھیں جنہیں کچھ کر جیب کا سرور حاصل ہوا تھا۔ بعض شعر تو بہت ہی اچھے ہوتے تھے۔ ایک فکاہ کی حیثیت سے وہ اس کی طلب سے افسانہ نہ بچا سکی۔ اور مشاعرے میں پہلی آئی اس کے سرور مائی آیا تھا۔

سفید شلوار کھن میں لمبوں ملک نواز کو اس نے دور سے پہچان لیا تھا مگر انجان بن گئی تھی۔ وہ خود اس کے پاس چلا آیا تھا۔ اس نے بس ری ملک ملک کے بعد اپنا رخ سا جھکی شاعر کی جانب پھیر لیا تھا۔ مشاعرہ نہایت کامیاب ہوا تھا۔ اسے بھی بے پروا دلی تھی۔ سرخی ساڑھی اور آف دایب شال میں اس کا چہرہ خوشی سے تھکا گیا۔ وہ ملک نواز سے افسانہ چاکرات گئے گھر آئی تھی۔ مائی بھی اپنی بھابی کی تحریروں پر خوش ہو رہا تھا۔ بہت تازہ ہوا۔

بارش تو شام سے ہو رہی تھی۔ مگر اب زور بڑھ گیا تھا۔ مائی کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ باقی سب لٹائوں میں ایک کر شاہ سوچتے تھے۔

خلاف معمول حسن بھی جلدی سونے چلا گیا تھا۔

اس نے گھر کو چیک کیا دروازے وغیرہ بند کیے۔

عشا کی نماز سے فارغ ہو کر لٹائوں میں اچکے کے خیال سے ہی اسے راحت محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ دروازے کے دروازے لاک کر کے بٹنی ہی تھی کہ اعلیٰ مٹنی بج گئی۔

"یا اللہ خیر یہ اتنی رات گئے اس طوفانی بارش میں کون چلا آیا۔ مائی کو کہوں۔ کہیں سو نہ گیا ہو۔ یا حسن کو دکھائیں۔"

اسی وقت باول زور سے گرنے لگے کھڑکیوں کے شیشے روشن ہو گئے۔

خود ہی کیوں نہ ہو چھوٹوں کو کون ہے۔ کتنی دو بارہ بچی پہلے سے زیادہ شدت سے۔ وہ خود ہی چھتری سر پٹے باہر آ گئی۔ باہر کی لٹائیں آن گئیں۔

اس نے سامنے گیت پر دیکھا کوئی بلند قامت آدمی کھڑا تھا۔ وہ حیرت زدہ ایک آئی۔ او۔ وہ گھبرا گئی۔ سامنے ملک نواز کھڑا تھا۔

"السلام علیکم!" جتنی چھوڑیں بھی اخلاقیات نہ بھلا سکیں۔



وہ ارے گھبراہٹ کے سلام کا جواب بھی نہ دے پائی اور بے شکل اٹھ ہی کر گئی۔

"اندھ ترخیف لے آئے۔"

وہ جیسے اس بیٹے کا فطری تھا فوراً ہی اس کے پیچھے ہولیا۔

برآمدے تک آ کر وہ روک گئی۔

"نانا آپ کبیں جا رہے تھے۔ درمیان میں یہ ہوا تو بارش آ گئی۔" اب اس کے لہجے میں اندازہ پانچواں اس کے تمام شعوری احساسات تو اٹا ہو گئے تھے اسے احساسات تھا کہ ایک شہساز مجبوری کی حالت میں اس کی اولیٰ عزت ہے۔ اور اس غصہ کی سروری میں ہر گاہ کھڑا ہے۔

"جی آپ درست سمجھیں میں بھاری صاحب کا اندر دے لینے آیا تھا۔"

اس کے بائیں ہاتھ میں ایک چری بیگ بھی تھا۔ جو شہلا نے نہیں دیکھا تھا۔

"بارش تو کبھی بھی کسی مقررہ وقت پر نہیں ہوتی خیال تھا ابھی تو بادل جمع ہو رہے ہیں بارش میں دیر بہانے میں ہی تھا کہ۔"

"آپ تو بری طرح ہلک گئے ہیں۔ میری بد اخلاقی دیکھیے ابھی تک نہ آپ کے ہونٹوں کا احساس کیا نہ پیچھا کیا۔ آپ ترخیف رکھیے میں پہلے لباس کا بندہ بست کرتی ہوں پھر بارش کا۔ گھر والے سروری کی وجہ سے جلد ہی اپنے آپ کمروں میں بیٹے جاتے ہیں میرے شہر تو ویسے بھی جلد سونے کے عادی ہیں۔"

وہ اتنی وضاحت کے بعد برآمدے کے آخر میں بنے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

سیدھی اپنے بیڈ روم کی طرف آئی تھی۔ حسن کو جگانے۔ بیڈرل تھا مگر گھمائے بغیر چھوڑ دیا۔ نہ ہی وہ جانے ہوئے مانی کی طرف مڑی تھی بلکہ چچا کے بیڈ روم کا دروازہ آہستگی سے کھلیا تھا۔

دروازہ کھلنے ہی کھولا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر کسی انہونی پران کا دل دھڑکا تھا۔ شاید بچا۔

"چچا جان۔ وہ کراچی سے ایک میگزین کے ایڈیٹر کوڑے سے آئے ہوئے ہیں جن۔ وہ ادھر کسی انڈرووٹ لے آئے تھے۔ وہ اپنی پر بارش کا سامنا ہو گیا۔ ہمارا گھر راستے میں پڑتا ہے تو یہیں چلے آئے۔ اس غصہ کی سروری میں بے چارے بری طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں کافی رنجائی ہوں اسلئے میں آپ انہیں دیکھ لیں۔"

"اچھا۔ لاہو۔ بھئی۔ کبیں وہ بیمار نہ ہو جائیں۔ بھئی کراچی والے کہاں برداشت کر سکتے ہیں یہ موسم۔" وہ تیزی سے برآمدے کی سمت گئے تھے۔

وہ کافی کا سامان ٹرے میں لگا رہی تھی کہ چچا جان کچن ہی میں چلے آئے۔

"بیٹے اوہ میں نے نیچے والا بیڈ روم کھول دیا ہے اور لباس وغیرہ ملک صاحب کو دے دیا ہے۔ کافی تیار کرنا ہو تو لے آؤ۔ میں نے کے پاس ہوں۔ اور ہاں ابھی انہیں سخت چھینکیں آ رہی ہیں۔ کوئی ٹیلیفٹ بھی لے آنا۔"

"جی اچھا۔"

"اور بیٹے اکیسا حسن اور امان سوچتے ہیں۔"

"وہ" تو سوچتے ہیں مانی کا کیا نہیں۔" یہی کا جواب سن کر وہ وہاں چلے گئے وہ چھوٹی سی ٹرے میں تمام لوازمات کے ہمراہ نیچے چلی آئی تھی۔

چچا جان کے سیاہ شلوار سوٹ میں ہاتھیں دوسرے کھیل لپٹے ہوئے تھا۔

بانک اور ہولٹ لہا انداز دوسرے ہے۔

"جی ملک صاحب کو فوراً گرم گرم کافی دو۔ تم نے مالک صاحب کو سروری میں مدد دی۔ جلی فرسٹ میں انہیں لباس پہننا چاہیے گا۔"

"ملک صاحب اب بہت زیادتی ہو گئی۔ آپ کے ساتھ۔"

"چچا جان۔ آپ کے لیے کافی ملاؤں۔"

"مقررہ پمپی۔ ابھی مہمان کے پاس بیٹھنا ہے ناں۔"

"آپ میری خاطر اتنی تکلیف نہ کیجئے۔" ملک نواز کو اس حدود پر غصوں پر جیسے شرمندگی ہو رہی تھی۔

آتش گاہ کی گرم شلوار سوٹ پر خلائی شال اور سب کے طبقے میں تھی۔ چرواہے داغ اور بال سے طبقہ تھے۔ کپڑے جلن آ رہے۔ آنکھوں میں نیند بے چین تھی۔ مگر مارے اخلاق کے بیٹھنا پڑ رہا تھا۔

اس کا مانتا اس سے تھی تھا۔ تھی تاتے یہ سے مستر اور دھول اور اندازوں پر استوار ہوتے ہیں۔ یہ توقع کی بنیاد اپنا ذاتی طرز پر ہوتا ہے۔

ان میں مسلسل ملاقاتوں کا دخل کم ہوتا ہے۔ اس لیے ان باتوں میں اتنی شیرینی اور گداز ہوتا ہے۔

اس نے کسی کی کتاب کو موقوف نہیں بنایا۔ اس نے اپنی نزلوں کی بابت کوئی بات نہیں کی۔ اس نے کسی بولی گروپ اقلیے پر تبصرہ نہیں کیا۔ کسی ایب کے دیان کو موقوف نہ تھا جس کا بیٹا جبک اس سے سارے شے الٹی حوالوں سے تھے۔

وہ اس کا کلاس فیلو۔ شے وار۔ ہمسایہ۔ کچھ بھی نہیں تھا اور شاید محض شہساز بھی نہیں تھا۔ وہ اس کا چھوٹی نہیں تھا اور وہ اسے نظر انداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شاید اس کا شوہر اسے دغا کا اعتبار دیتا تو اس ملاقات کا چہرہ اور ہوتا وہ اپنی فطری خوش اخلاقی سے پیش آتی اس طرح کہ وہ اس نامور شاعر کے ہاں قیام کو زندگی کا یادگار واقعہ سمجھ کر رہتا۔

وہ انسانی شعور و اخلاق کو اختیار پینا کر صرف عروت برت رہی تھی۔

"آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں تو آپ لوگوں سے از حد شرمندہ ہوں کہ وقت آپ کو تکلیف دیتی۔"

وہ پشیمان سا تھا۔

"نہیں بھئی تکلیف کسی۔ ملک صاحب ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ اچھا آپ آرام کیجئے کچھ ملاقات رہے گی۔"

انہوں نے کافی کا گلاسے میں رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے وہ بھی سر کے ساتھ کھڑی ہو گئی جبکہ گڑبڑے اٹھائی۔ پھر جاتے جاتے پلٹ کر گویا ہوئی۔

"شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

بستر پر لیٹ کر بھی دیر تک اس کی آنکھوں میں نیند نہیں اتری۔

شاید کل کا سورج صوبان نہیں ہو گا۔ مگر نیا کو تو اپنی اور ضرورت دے گی اور اس کے اندر دھول اور چاند کر وہ گناہوں کا سورج دیکھے گا۔

وہ گھر نہیں ہے۔

مگر وہ اس طرح دیکھے گا کہ ساری عمر کا طرز پر اس کی ایک نظر میں متاع ہو جائے گا۔ جو از گناہ گار کے پاس ہوتے ہیں۔ وہ گناہ گار نہیں تھی۔ پڑناں کے جواب میں خاموشی ہو تو وہ بھی جرم بن جاتی ہے۔ وہ بہت دیکھ گئے۔

اور وہ چپ رہے گی۔

اس کا جرم اس قدر کڑا ہے کہ سزا مل کر ہے گی۔ اس کا سب سے عظیم جرم فطری مروت ہے۔ اس سے مٹی بڑی فطاریہ ہے کہ وہ اس جہاں کی انتہائی وقار ہے وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ اتنی محبت کہ ہر نظر سلامی دیتی ہے۔ ہر دھڑکن دعا دیتی ہے۔ ہمارا کتنا عظیم جرم ہے اس کا۔  
وہ گناہ نہیں ہے۔ وہ کم نام بھی نہیں ہے۔ اس کی معمولی اشتہار ناست کی خبر بھی لگ جاتی ہے۔ اس کی آمد و رفت کو بھی خبر دیا کر لگا جاتا ہے۔

وہ اس مہذب انسان اور بے ضرر شخص سے کس طور کہے کہ میرا شوہر قہاری قدر وائی پاند نہیں کرتا۔ اس کا خیال ہے میں انتہائی شگاف ہوں پرستار کی نظر سے آلودہ ہو جاتی ہوں۔ برائے میرانی مجھے دعوت دے تاں نہ بھگا کرو۔ مجھ سے علائکہ گرفتار ناش نہ کیا کرو۔ مشاعرے اور ادبی تقریبات میں اپنے کمرے کا رخ میری سمت نہ کیا کرو۔  
میں تم سے سب کیسے کہہ دوں۔ تم بیٹیا حیران پریشان ہو جاؤ گے اور میرے شوہر کے بارے میں جو سارے قلم کرو گے۔ وہ میری محبت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔  
میں کیسے بتاؤں۔

اس نے گردن موڑ کر پہلو میں خواب حسن کو دیکھا۔

میں کیسے بتاؤں۔

یہ جو میرا سہمی ہے۔ بہت اعلیٰ ہے۔ بہت آگاہ ہے۔ اس کا علم میری مصاحبت کا زیور بنا ہے۔ اس نے مجھے کھل کیا ہے۔ میں اسے چاہتی ہوں۔  
میں اسے جانتی ہوں۔

میں نے استغناء سے پایا ہے۔

میں اسے برا بھی نہیں کہہ سکتی۔

میں اس سے لڑ بھی نہیں سکتی۔

میں اسے سارے جہان سے بڑھ کر چاہتی ہوں۔

جب ہی تو اتار دیتی ہوں کہ

محبت کا مقدراً نسو ہیں

محبت کا زیور عروسی ہے۔

یہ شادی ہو رہا ہے۔

اور میں اس سے محروم ہو رہی ہوں۔

یہ میرا محبوب بھی ہے۔

ہمارے درمیان۔ جبر و قرا کے اضطراب نہیں ہیں۔

مگر خوف و شک کا اضطراب ہمیں ایک ساتھ ڈنچہ کر رہا ہے۔

محبت جب حد سے بڑھ جائے تو دل بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ کسی روز پر چھڑنے کا خوف زندگی لذت تک تاراج ہے۔  
صبح۔ اسے کاوش صبح نہ ہو۔

اور نہ بھڑکی کی ہنگ ہو جائے گی۔

دونوں طرف پچائی ہوگی۔

الفاظ و جملے جنگی قیدی بنیں گے۔

دل کے قید خانوں میں بند ہو کر لذت کا سامان کریں گے۔

وہ اپنی شدتوں پر جنگی کے خاردار تار لگا دے گا۔ جس دنوں اسے کاٹوں گی۔ میرے ہاتھ لہان ہو جائیں گے۔

بے بنیاد ہے۔ مجھے کتنی اذیت دے گی۔ یہ ہے محبت کا اہام؟

وہ شاید زیادہ دیر نہ سو سکتی تھی۔

بہت جلد ہی اٹھ گئی تھی۔

حاصل کر کے نماز پڑھی قرآن کی تلاوت کی۔

باہر لان سے گلاب کے پھول اور نیلے کی گلیوں کا گہرا کرم اور خوبصورت ہاتھوں میں لگا ہوا۔ آنکھوں کو کاہل

سے کھایا۔ اسے ہمیشہ سے صبح ہی صبح خود کو سونا بہت پسند تھا۔ وہ اسے اٹھاتی اور وہ خوابیدہ آنکھوں سے اس کا اہلا اور

معتاد لپاؤ کچھ کر ساری دنیا کی انہیں بھول جاتا۔

وہ آہستگی سے بند پر آ کر ٹپک گئی۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے ایک مٹی اور آسودہ نیند لے رہا تھا۔

کتنی سوچیں تھے خمیر یوں پیسے صحت چھلکاتے سرخ ہونٹ جانے کون سے تصور میں مسکرا رہے تھے۔ وہ

اس کے بے خبر سراپے کو کبھی تو وصل کے کتنے یادگار لمحے اسے حیا سے نظریں جھکا دینے پر مجبور کر دیتے تھے۔

اس نے حیا سے نظریں جھکا لی تھیں۔

"حسن۔ اٹھ جائیے۔ ساڑھے سات ہو رہے ہیں۔"

"اوہوں۔" اس نے گروٹ بدل لی۔

"پلیز حسن۔ ہمارے بچے کا کمرے سے اٹھایا ہے۔" وہ حسن پر جھک آئی۔

حسن نے کوئی جنس نہیں کی۔

"دیکھیے۔ بس آخری بار اٹھاری ہوں۔ ہمارے بچے نہ کیے گا۔" وہ اٹھنے لگی۔

سولے کے ٹکٹن ٹکٹنا کر رہ گئے۔ اس کے نرم ہاتھ حسن کے مضبوط ہاتھوں میں تھے۔

"مجھے خوشبو میں آئی ہیں۔ مجھے معلوم ہے۔ آج پھر تو پہلی شب کی دھن بن کر آئی ہے۔" اس کی دھیمی اور

ہماری آواز ابھری۔

"جی حسن۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ چچی جان صبح سے لیکن میں ہیں میں نے تو ہمارے کمرے میں نہیں دیکھا۔ کیا

سوچتی ہوں گے۔"

"بہت تو ان کے سامنے جانے کی توہ بہت کچھ جائیں گی۔"

"پلیز حسن میرا ہاتھ چھوڑیں۔ گھر میں مہمان بھی ہیں۔ بس جلدی سے اٹھ کر غسل کر لیں۔ میں ناشتہ لگاتی

ہوں۔ پچاس الگ پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

حسن نے گروٹ بدل لی اور میدان صاف ہو گیا۔





تیری لڑکی کی کیا بھروسہ ہو جاتا ہے انسان بہت میں۔  
 "سب ضروری چیزیں گھری میں ہیں۔" وہ گاڑی ایک کر گیا۔  
 وہ انکار سے اچھال گیا تھا۔ جن پر اسے اس کی واپسی تک چلنا تھا۔  
 ☆ ☆ ☆

"سنو تم کون ہو۔؟"  
 اس نے اخبار سے نظر اٹھا کر اس خوبصورت ادا کو دیکھا۔  
 "مجھے ملک نواز کہتے ہیں۔" اس کے انداز میں پر تکلف مہمان کی جھلک تھی۔  
 "کیوں کہتے ہیں۔؟" اس نے حیرانی سے آنکھیں پھیلانیں۔  
 "تی۔؟" وہ متعجب ہوا۔  
 "تمہیں بھائی جان کیوں نہیں کہتے۔؟ ملک نواز کیوں کہتے ہیں۔؟"  
 "یہ میرا نام ہے۔" اس نے حیرانی پر قابو پا کر وضاحت کی۔  
 "ہونہ۔ بڑا اچھا نام ہے۔" اس نے ناک چڑھائی۔  
 "سنو تم اس کمرے میں کیوں آئے۔؟ آپ ماریں کی۔ جلدی سے بھاگ جاؤ۔"  
 "تی۔؟" اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔

"جنا ہے کیا ایک دفعہ میں نے مائی کی بکری اس کمرے میں باغداد دی تھی آپ نے مجھے بہت مارا تھا۔ بہت مارتی ہیں مجھے۔" اس کی آنکھوں میں سونے سونے آنسو آ گئے۔  
 اس نے سوا پانچ فٹ اونچی بھاری جھوٹی شاخ کو دیکھا۔ نیلے کپڑوں اور سرخ سویٹر میں بغیر روپے کے وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔  
 "بی بی۔ تم کون ہو۔؟"  
 "خود ہوں گے" بی بی نے تھوڑا سا ہنس کر کہا۔ وہ جو سعید چائے والا ہے وہاں۔ وہ مجھے پگنی کہتا ہے۔ ہو گا خود ہی۔"

اس نے پھر معصوم بچوں کی طرح ناک چڑھائی۔  
 اس نے لپک کر اینٹل سے اٹھائی اور آلتی پالتی مار کر تالین پر بیٹھ گئی۔  
 "سنو۔ تم سگریٹ پیٹے ہو۔؟"  
 "ہوں۔؟"  
 "اچھا مجھے ناک سے دھواں نکال کر بتاؤ۔" وہ چٹکی۔  
 "ہائیں۔!" ایک لمبے کو تودہ ہونٹ ہو گیا۔  
 "بتاؤ ناں۔" وہ آگے کھٹک آئی۔ ہمارے مائی کو تو اتنا اچھا دھواں نکالنا آتا ہے۔ میں بتاؤں۔؟ اس نے آگے بڑھ کر سگریٹ کی لپیٹ اٹھائی اور ایک سگریٹ نکال کر بغیر سگائے منہ میں آدھا بھرا لیا اور سانس اندر کھینچا۔ پھر وہ نکالا۔ جب دھواں نکلا تو سگریٹ توڑ موڑ کر پھینک دیا۔  
 "ہونہ۔ بڑا اچھا سگریٹ ہے۔"

پھر قدموں کی آواز سنائی دی تو وہ صبر رکھی۔  
 "شاید آپ آ رہی ہیں۔ ہائے اللہ جلدی سے بھاگ جاؤ۔ بہت زور سے مارتی ہیں۔ بھلا۔ میں تو کسب مارتی ہوں۔" وہ جھٹ دوڑنے کی اوت میں ہو گئی۔  
 چچا جان کمرے میں داخل ہوئے۔

"اسے یہاں تو شریا کی آواز آرہی تھی۔" وہ حیران ہوئے۔  
 شریا کی شخصیت فکری دور از اس کے پاس سے ابھری تو وہ چونک کر پٹے۔  
 "اے جانا۔ یہی بہت تک کرتی ہو۔ تمہاری آپا تمہیں بڑا صوفی رہی ہیں۔ جانا نہ کٹا کر نہ۔ شاہاں۔"  
 "یہ۔۔۔؟"  
 "جینی ہے میری۔" ان کا سر جھک گیا۔  
 "جانا۔؟" وہ آگے نہ بول پایا۔  
 "بہت چھوٹی تھی یہ ہماری لاپرواہی کی ذمہ داری اس کی زندگی۔" اس کے کچھ میں آسمان کی جی ٹی شامل ہو گئی۔  
 "او۔۔۔!" اسے واقعی ہنس ہوا۔  
 "کیا ہو گا اس کا ہمارے بعد۔؟"  
 "طالع نہیں کرایا۔"

"کون سا طالع ہے جو نہیں کیا۔ یہ اس کی تھوڑی بہت بہتر پریشانی ہے پہلے تو بول بھی نہیں سکتی تھی۔ اب ہاتھ اللہ ہارے کر چاؤں گا۔ آخر اس کوئی تو نہیں ہے۔ یہاں تو سب نے ویسے مایوسی کا ہار ہی ہے۔" ان کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔  
 ملک نواز نے موضوع بدل دیا۔  
 "خان صاحب! آپ کھانے وغیرہ کا بلا وہ تکلف کر رہے ہیں۔ بس مجھے اجازت دیجئے۔"  
 "نہیں جینی۔ کوئی تکلف نہیں ہے۔ یہ سب ہم اپنی بیٹی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ آخر آپ اس کے مہمان ہیں تو ہمیں بھی عزت دیں اور پھر کافی دور سے آئے ہیں۔" چچا جان کے مہذب و مشفق لہجے سے وہ بھروسہ ہو گیا تھا۔  
 "آپ خیال نہ کیجئے گا۔ شہلا آپ کو زیادہ وقت نہ دے سکی۔ بہت ذمہ دار جینی ہے۔ چارے گھر کو سنبھالا ہوا ہے۔ ہر کام میں ماسٹر۔ مجھے تو بہت نظر ہے۔ میں اس سے کب سے کہہ رہا تھا کہ جینی شاعری کا مجموعہ بچپن اتوب اس نے مجموعہ چھپایا۔ آپ نے تو بڑھا ہوا۔" "سندیسے۔؟"

"تی۔؟ میں نے ان کی شاید ہی کوئی چیز چھوڑی ہوگی۔ منیر نیازی۔ مجید امجد کے بعد میں نے سب سے زیادہ آج کے شعراء میں ان کو بڑھا ہے۔ تمام دنیا کے معاملات پر ان کی گرفت۔ ان کی وسیع معلومات۔ خوبصورت انتخاب الفاظ اور غم و اس کی بھرپور عکاس ہے ان کی شاعری۔ جو انہیں بڑھاتا ہے۔ ان کا وہ جاتا ہے۔ آج کی بے مثال شاعر۔"  
 چچا جان بھوکے اتنی دھیروں دھیر تعریف پر پھولے نہ رہا ہے تھے۔  
 وہ دو پہر کے کھانے پر نہیں آیا تھا۔ اور اس کے طبقے سے بھی دو چار نوالے ہی اترے تھے۔ چچی جان کے ہمارے اس نے کھانے کا خاصا اہتمام کیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھی کہ عالیہ کا فون آ گیا۔ وہ انہیں سسرال جانے کے بعد اس کا فون پہلی بار آیا تھا۔ وہ کافی دیر بات کرتی رہی فون چچی جان کو تھا کہ باہر آئی تو ملک نواز باہر جڑا دے میں کھڑا ہوا تھا۔



"میں حسن۔ اب اجازت دیجئے۔ بہت زحمت دی آپ کو۔"

"نہ سہے نہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے مہمان ہوئے۔" اس نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔  
"اسکی جلدی بھی کیا ہے۔؟"

"نہیں جی۔ اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ آپ کے گھر میں قیام تا مہیات یاد رہے گا۔ سب گھر والے بہت اچھے ہیں۔ یقین کیجئے میں آپ سب کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

"نہیں ملک صاحب۔ کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔"

وہ اپنا سوت پینے لگا تھا۔ مضبوط سراپا اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ اس پر اس کا نرم اور صبرانہ لہجہ کسی قدر معصوم آدمی ہے۔ یہ حسن۔ کاشی ختم اسے پڑھتے اور اس قدر بد اخلاقی کا مظاہرہ نہ کرتے۔

وہ چلا گیا۔ تالاب میں کنگر پھینک کر۔

وہ سرشام بھی نہ آیا تھا۔

شہزادے پتا ہوا ساں تھی۔

سب کھانا کھا چکے تھے اور وہ بے قرار پھر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ معرکہ ہو جائے تاکہ سکون ہو جائے اور نیند اپنی ہو جائے۔

رات دس بجے کے قریب ٹھنکی جی تھی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی گیٹ تک آئی تھی۔ گیٹ کھول دیا۔

وہ گاڑی اندر لے آیا۔

وہ گیٹ بند کر کے ٹیلی تو وہ گاڑی بند کر کے اندر جا چکا تھا۔

حب وہ آہستہ دلی سے بندروم میں آئی تھی۔

حسن ڈرائیگ ٹیبل کے سامنے کھڑا۔ ٹائی ویشل کر کے ریٹ واقع کف لکس وغیرہ اتار کر رکھ رہا تھا۔ اس نے سر جھکایا ہوا تھا وہ آگے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔

"بہت دیر ہو گئی آج۔؟" اس نے ہمت کر کے پہل کی۔

وہ خاموش رہا۔

"کھانا لگاؤں۔؟"

خاموشی۔

وہی بات سوچنے لگی۔ اور حسن لباس تبدیل کرنے ڈرائیگ روم میں چلا گیا اسے معلوم تھا وہ نہ ہاتھ دھوئے ہاتھ روم جائے گا۔ وہ ہاتھ روم کے دروازے پر آکھڑی ہو گئی۔ اس کا تو اسے اطمینان تھا کہ صبح چائے ملک نواز کی آمد کی وجہ سے اسے سامنے دیراوی تھی باتوں باتوں میں۔

حسن سیدھا ہاتھ روم کی سمت گیا تھا۔ مگر وہاں اسے ایسا وہ دیکھ کر چند لمحے فطرت کا اس کو نظر انداز کرتے ہوئے پینڈل تھماتے لگا۔

"میں کیا چھوڑی ہوں۔ کھانا لگاؤں۔؟"

اس کی اجنبی نظریں پتلی کی سمت تھیں۔

"میں آجی رات کو کھانا نہیں کھاتا۔"

"کھا کر آئے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ اگر تم مجھے چھوڑ کر میلی جاؤ اب بھی کھانا کھاؤں گا سہی"

"میں کیوں جانے لگی کہیں۔ اپنے گھر میں رہتی ہوں۔"

وہ خاموش رہا۔ جب وہ ہٹ گئی۔

دروازے وغیرہ بند کر کے وہ اندر واپس آئی تو وہ کھیل ٹان کر لیت چکا تھا۔ ایک لمحے کو تو وہ چپ کر رہ گئی تا

بات کے وہ آخر اتھوڑاں کیوں چھوٹتا ہے۔

"کیا جرم کیا ہے میں نے۔ شعر کہا چھوڑ دوں۔؟ تو کوں سے ملنا چھوڑ دوں پلو یہ سب بھی کروں کیا ہوگ

میرا ماضی کا آئینہ صاف دیں گے۔ وہ تو پرانی یادگار کی طرح تجھے پھر بھی کھون لیں گے۔"

وہ بیٹے کے کنارے پر ٹپک گئی۔

"حسن۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" اس کے لیے میں آنسوؤں کی ٹی مڑائی تھی آخر وہ اس کی

بے وفائی کیوں کر برداشت کر سکتی تھی۔؟

"حسن۔"

"حسن۔ ایسے مت کیجئے۔ مجھے ڈانٹ لیجئے، مجھے بہت کچھ کہہ لیجئے۔ میں نے کیا کیا ہے یہ آئے دن مجھے

کس بات کی سزا ملتی ہے۔"

خاموشی۔

"حسن میں نے آپ سے کہا تھا میں کرسیاں بیوی کو سارے پرانے بھگڑے ٹھکانا کر سونا چاہئے۔ تاکہ کئی صبح

کا سو اگت خوش دلی سے ہو۔ پھر آپ مجھے یہ اذیت کیوں دے رہے ہیں۔؟"

"یہ تم کیا بے وقت کی راگنی لے کر بیٹھ گئی ہو۔"

"مت میرے سامنے یہ اداکاری کیا کرو۔" اس نے چہرے سے کھیل ہٹا کر اسے بی طرح جھٹھا دیا۔

وہ اس کی تیز آواز پر ایک دم ڈر کر پیچھے ہو گئی۔

"آپ مجھے ناحق تنگ کرتے ہیں۔ میرے سحر سے ذہن کو پرانہ دکر کرتے ہیں۔ باوجود بے قسم رہیہ میرا ہی

حوصلہ ہے جو میں برداشت کرتی ہوں۔ آپ سے کچھ نہیں کہتی۔ حسن آپ نے مجھ سے میری ذات کا اتنا وہجھین لیا ہے۔

اکتاؤ دایا ہے کہ میری سانپ لگنے لگی ہے۔" آنسو اس کے رخساروں پر ٹپک آئے۔

"تھاپئے۔ میرا قصور کیا ہے۔ آخر سارے گھر میں صرف آپ ہی کو کیوں شکایت ہوتی ہے۔ چلی جان، عالیہ

مافی اب سب سے میرا کتنا بڑا دشمن ہے۔ مگر انہیں آج تک مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ پھر صرف آپ کو۔"

"دماغ خراب ہے میرا۔ فحشی ہوں۔ جاؤ مجھے پریشان نہ کرو۔"

"پہلے یہ بتائیے۔ موڈ کیوں خراب ہے۔؟" تسلی طر ہو گئی تھی۔ اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم۔ کہیں اور جا کر سو جاؤں۔؟" اس نے کھل پھینک دیا اور جھک کر سلینڈر دھوئے لگا۔ وہ

ایک دم اڑ کر کھڑی ہو گئی۔ بے بسی پر آنسوؤں کے پھندے سے خلق میں اکتنے لگے وہ پیچھے چلا جائے گا۔ سب سے آخر میں

حسن ہی الٹا ہے۔

سچی سچی کہانی یاد آئے گی۔

"میں حسن۔ اب اجازت دیجئے۔ بہت زحمت دی آپ کو۔"

"نہ سہے نہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے مہمان ہوئے۔" اس نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔  
"اسکی جلدی بھی کیا ہے۔؟"

"نہیں جی۔ اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ آپ کے گھر میں قیام تا صیات یاد رہے گا۔ سب گھر والے بہت اچھے ہیں۔ یقین کیجئے میں آپ سب کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

"نہیں ملک صاحب۔ کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔"

وہ اپنا سوت پینے لگا تھا۔ مضبوط سراپا اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ اس پر اس کا نرم اور مہذب لہجہ کسی قدر معصوم آوی ہے۔ حسن۔ کاش تم اسے پڑھتے اور اس قدر بد اخلاقی کا مظاہرہ نہ کرتے۔

وہ چلا گیا۔ تالاب میں کنگر پھینک کر۔

وہ سرشام بھی نہ آیا تھا۔

شہزادے پتا ہوا ساں تھی۔

سب کھانا کھا چکے تھے اور وہ بے قرار پھر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ معرکہ ہو جائے تاکہ سکون ہو جائے اور نیند اپنی ہو جائے۔

رات دس بجے کے قریب ٹھنکی جی تھی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی گیٹ تک آئی تھی۔ گیٹ کھول دیا۔

وہ گاڑی اندر لے آیا۔

وہ گیٹ بند کر کے ٹیلی فون گاڑی بند کر کے اندر جا چکا تھا۔

حب وہ آہستہ دلی سے بندروم میں آئی تھی۔

حسن ڈرائیگ ٹیبل کے سامنے کھڑا۔ ٹائی ویشل کر کے ریٹ واقع کف لکس وغیرہ اتار کر رکھ رہا تھا۔ اس نے سر جھکایا ہوا تھا وہ آگے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔

"بہت دیر ہو گئی آج۔؟" اس نے ہمت کر کے پہل کی۔

وہ خاموش رہا۔

"کھانا لگاؤں۔؟"

خاموشی۔

دونوں بات سوچنے لگی۔ اور حسن لباس تبدیل کرنے ڈرائیگ روم میں چلا گیا اسے معلوم تھا وہ نہ ہاتھ دھوئے ہاتھ روم جائے گا۔ وہ ہاتھ روم کے دروازے پر آکھڑی ہو گئی۔ اس کا تو اسے اطمینان تھا کہ صبح چائے ملک نواز کی آمد کی وجہ سے اسے سامنے دیراوی تھی باتوں باتوں میں۔

حسن سیدھا ہاتھ روم کی سمت گیا تھا۔ مگر وہاں اسے ایسا وہ دیکھ کر چند لمحے فطرت کا اس کو نظر انداز کرتے ہوئے پینڈل تھماتے لگا۔

"میں کیا چھوڑی ہوں۔ کھانا لگاؤں۔؟"

اس کی اجنبی نظریں پتلی کی سمت تھیں۔

"میں آجی رات کو کھانا نہیں کھاتا۔"

"کھا کر آئے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ اگر تم مجھے چھوڑ کر میلی جاؤ اب بھی کھانا کھاؤں گا سہی"

"میں کیوں جانے لگی کہیں۔ اپنے گھر میں رہتی ہوں۔"

وہ خاموش رہا۔ جب وہ ہٹ گئی۔

دروازے وغیرہ بند کر کے وہ اندر واپس آئی تو وہ کھیل ٹیبل پر کھڑا تھا۔ ایک لمبے کوتاہی سے کہہ گئی تھا

ات کے دو آخراتخوایں کیوں چھوٹتا ہے۔

"کیا جرم کیا ہے میں نے۔ شعر کہا چھوڑ دوں۔؟ تو کون سے مٹا چھوڑاؤں پلو یہ سب بھی کروں کیا ہوگا

میرا ماضی کا آئینہ صاف دیکھ گئے۔ وہ تو پرانی یادگار کی طرح تجھے پھر بھی کھون لیں گے۔"

وہ پینے کے کنارے پر ٹپک گئی۔

"حسن۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" اس کے لیے میں آنسوؤں کی ٹیڑھی آئی تھی آخر وہ اس کی

پتلی کیوں کر یہ داشت کر سکتی تھی۔؟

"حسن۔"

"حسن۔ ایسے مت کیجئے۔ مجھے ڈانٹ لیجئے، مجھے بہت کچھ کہہ لیجئے۔ میں نے کیا کیا ہے یہ آئے دن مجھے

کس بات کی سزا ملتی ہے۔"

خاموشی۔

"حسن میں نے آپ سے کہا تھا میں کسمیاں ہوئی کو سارے پرانے جھگڑے فراموش کرنا چاہتے۔ تاکہ نئی صبح

کا سورگ خوش دلی سے ہو۔ پھر آپ مجھے یہ اذیت کیوں دے رہے ہیں۔؟"

"یہ تم کیا بے وقت کی راگنی لے کر بیٹھ گئی ہو۔"

"مت میرے سامنے یہ اداکاری کیا کرو۔" اس نے چہرے سے کھیل ہٹا کر اسے بی طرح جھٹک دیا۔

وہ اس کی تیز آواز پر ایک دم ڈر کر پیچھے ہو گئی۔

"آپ مجھے ناحق تک کرتے ہیں۔ میرے سحر سے ذہن کو پرانہ دکر کرتے ہیں۔ باوجود، بے قسم، یہ میرا ہی

حوصلہ ہے جو میں برداشت کرتی ہوں۔ آپ سے کچھ نہیں کہتی۔ حسن آپ نے مجھ سے میری ذات کا اتنا بوجھن لیا ہے۔

اکتاؤ دایا ہے کہ میری سانپ لگنے لگی ہے۔" آنسو اس کے رخساروں پر ٹپک آئے۔

"تھاپے۔ میرا قصور کیا ہے۔ آخر سارے گھر میں صرف آپ ہی کو کیوں شکایت ہوتی ہے۔ چلی جان، عالیہ

مافی اب سب سے میرا کتنا بڑا دشمن ہے۔ مگر انہیں آج تک مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ پھر صرف آپ کو۔"

"دماغ خراب ہے میرا۔ فطری ہوں۔ جاؤ مجھے پریشان نہ کرو۔"

"پہلے یہ بتائیے۔ موڈ کیوں خراب ہے۔؟" فطری طور ہو گئی تھی۔ اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم۔ کہیں اور جا کر سو جاؤں۔؟" اس نے کھل پھینک دیا اور جھک کر سلینڈر دھوئے لگا۔ وہ

ایک دم اڑ کر کھڑی ہو گئی۔ بے بسی پر آنسوؤں کے پھندے سے فطرت میں اگلنے لگے وہ پیچھے چلا جائے گا۔ سب سے آخر میں

حسن ہی الٹا ہے۔

سچی سچی کہانی یاد آئے گی۔



جب یہ بچے گیسٹ دم سے لٹکا گا۔ سب ہر اجہرہ دیکھیں گے۔ میں ہر چٹکتا ہوا نورانی ہوں کیونکر چھپاؤں گی۔  
بات اس کمرے سے نکل کر خوشبو کی طرح پھیلے گی۔ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اس بامعنا ان کہانی کا ماحول  
ہر کوئی اپنی ذاتی استعداد کے مطابق رکھے گا۔

اسے یہ بھی احساس نہیں کہ میری چادر پر چھینٹے لگا کر یہ مجھے ساری زندگی کے لیے سرنگوں کر دے گا۔

میں اس کی بے مثال چاہت کے تلخہ چڑھتی ہوں۔

یہ مجھے کس جہنم میں ڈالنے لگا ہے۔

اسے خدا اگر یہ اس کی محبت ہے تو مجھے اس سے محروم کر دے۔ مجھے محبت کی وہ صورت دکھا جس نے لوگوں کی

راہوں میں دیے اچالے۔

اگر یہ میری تقدیر کی آزمائش موڑ ہے تو میرا ظرف بڑھا۔

وہ اس سے پہلے کمرے سے نکل گئی اور روزانہ بند کر دیا۔

پھر اس نے برآمدے کے ستون سے تنک کر کس قدر آسودہ ہائے تھے۔ محبوب جس دامن کی تمنا کرتا ہے۔ وہ

اسے میرا تھا۔ مگر کس قدر تنگ تھا۔

اس کی فٹکی سے زیادہ اس بات کا ذکر تھا کہ یہ افسانہ لکھی کہانی نہ سمجھ لیا جائے۔ کہانی کمر گھڑ بھیل جائے۔ وہ

شاہ ساری زندگی اس قدر نہ روئی ہوگی۔ اس کے دل کی کیفیت بھنور شناس ملاحتی غولہ بکھ سکتا تھا۔ پھر وہ جانے کون

سے پہرا اپنے کمرے میں آئی تھی اور کیل افکار آہستگی سے سونے پر لیٹ گئی تھی۔

وہ حاکم آفوش میں لیے ٹھیک رہی تھی۔ کہ امان چلا آیا۔

"ارے بھابی۔ کج غضب ہو گیا۔ بھئی۔ وہ لوگ شام کو پشاور جا رہے ہیں۔ بھابی۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

کچھ اسٹیپ تو اور لیں ہاں۔" وہ سخت گھبرایا ہوا تھا۔

"ارے بھئی تم تو بچہ نہیں پریشان ہو رہے ہو۔ چچی جان راضی ہو گئیں تو ہم رشہ لگتے پشاور چلے جائیں گے۔"

"اور جوامی کے راضی ہونے تک معاملہ تھا۔"

اس نے نظریں اٹھا کر مانی کو دیکھا اور پھلا پھلا۔ بہت حد تک حسن سے مشابہ۔

آخر بے قراری کے بعد یہ کیسا قرار آتا ہے کہ طوفانوں کے دائرے سے پھیلنے لگتے ہیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ سارا حرح کے لیے تمہاری چاہت سدا لکھی رہے گی۔"

"بھابی ہم کو کوئی دل بھینک قسم کے ایسے دیے۔"

جج اگر ایسی نہیں مانیں تو کمر چھوڑ دوں گا۔" اس نے بناوٹی انداز میں ڈانٹا لگا بولے۔

"ارے۔ اے۔ تم تو بالکل ہاتھ سے گئے۔"

"پانچ سال پہلے ایک صاحب بھی ہاتھ سے جا چکے ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ وہ جینپ کر مسکرا دی۔

"بھابی۔ پلیز فی الوقت تو آپ ہی ملی جائیے۔ انہیں یاد کرو دیجئے ہم لوگ بھی پشاور کا قصد کر رہے ہیں۔"

"لو۔ خود بخود انہیں آس دلاؤں جا ہے چچی جان سقا چٹ افکار کر رہی۔"

"بھابی۔ کچھ خوف کیجئے۔ کوئی مگڑی قویلت کی بھی ہوتی ہے؟"

"مانی۔ تم واقعی چاروں شانے چٹ ہو۔"

"بھابی۔ پلیز ہائیے ہاں۔ وہ لوگ سامان ہاتھ سے لیں۔"

"طیہ کچھ ہے ہو میرا۔"

"سب ٹھیک ہے۔"

"مانی بعض اوقات تو بالکل بچوں والی حرکتیں کرتے ہو میری بیٹی سونے لگی تھی لے کر اس طرح کر دیا۔"

"یہ کیسے کتنا فرق ہے بیٹی اور بچہ میں۔ میری ڈسٹرکشن کا کوئی احساس ہی نہیں۔ پلیز چلیے۔"

"مگر بھئی کیوں۔ کیا کروں گی میں وہاں جا کر۔ خدا حافظ ہی کہتا ہے ہاں جا کر کہہ آؤ۔ جب وہ ہوا ہوا

جائے گی تو ہم اس سے براہ راست پشاور میں جا کر مل لیں گے۔ اتنی جلدی جلدی پڑی ہے کہ ہاں چلوں گی تو بیٹھی جائیے

میں پڑ جائیں گی اور جب بات مکمل جائے تو مورد الزام میں ہی غمراہی چاؤں گی۔"

"بہت ہی ڈر ہو گیا آپ تو۔ کس قدر یاد کرتی ہیں امی آپ سے۔"

"ٹھیک ہے۔ ان کی عزت ہے۔ لیکن اس میں کچھ ہاتھ میرا بھی ہے۔ محترم۔ ایسے نہیں ہوتا مانی۔ اگر

تمہاری قسمت ہے تو وہاں تمہاری ہی ہے۔ جو چیز تقدیر ہوتی ہے۔ اس کے سبب تو خود بخود دیتے ہیں۔ تمہارا تو اس نہیں

ہل رہا کہ کھڑے کھڑے دیوال پھاڑ آؤ۔"

"یہ بات نہیں ہے بھابی۔ دراصل۔ میں نے اس جیسی لڑکی ابھی تک دیکھی ہی نہیں۔ میں سوچ بھی نہیں

سکتا تھا کہ کوئی لڑکی مجھے اس حد تک متاثر کرے گی۔"

"امان۔ اگر عالیہ صدی حالات کی وجہ سے فوراً پنڈی نہ جاتی تو میں آج ہی چچا جان سے بات کر لیتی۔

مال آگئی تو ہم پہلی فرصت میں تمہارا ہی کام کریں گے۔"

"لیکن فی الحال تو آپ چلیے ہاں۔ کیا کہیں گے وہ لوگ کہ آپ لوگوں نے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔"

"بھئی خدا حافظ کہنے تو نہیں آتا چاہئے۔ چلو خیر چلی ہوں۔ پھر کہو گے کہ بھابی نے اتنی سی بات بھی نہیں

مانی۔" اس نے حاکم کو آہستہ میں اپنے منہ پر نظر ڈالی۔ اور مثال ابھی طرح لپیٹ لی۔

حاکم کو گود میں بھر کر وہ چچی جان کے پاس آئی۔

"چچی جان اذرا میں اور مانی نچر کے ہاں جا رہے ہیں وہ جوان کے مہمان ہیں آج واپس جا رہے ہیں۔

بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ ذرا دل ہی آئیں۔"

"جلدی آ جانا لوگن۔ اور یہ مانی بھلا جا کر کیا پتھہ ہلا کر ہوا دے گا۔ اس کا کیا کام مری لڑکیوں میں۔ ارے

بیٹے میری دوائیاں ختم ہو رہی ہیں۔ کب سے کہہ رہی ہوں۔"

مانی نے بے بسی سے بھابی کو دیکھا تھا اور وہ حاکم کو سنبھالتی ہوئی گیسٹ پارکر گئی تھی۔

☆☆☆

اور وہاں مہمان بزرگ خواتین سے دیر تک باتیں کر کے سن گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کبھی دیکھتی رہی

جو بیٹنگ میں مصروف تھی۔ کبھی کبھی مسکرا کر اس کی سمت دیکھ لیتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ اور حاکم کے چمچے چمچے پھولے پھولے رشادوں کو ہاتھ سے چھو کر بیان

کرنے لگی۔

"میں تو مجھ سے کہہ رہی تھی کہ کھانے کے بعد بھابی سے مل کر آئیں گے۔ سچی اچھی ہیں آپ خود ہی آئیں۔"

"ہاں مجھے مانی نے بتایا تھا کہ تم لوگ وہاں جا رہے ہو۔ سو چال آؤ۔"  
 "بہت فکر یہ آپ کا۔" مانی کے ذکر پر اس کی ہلکی سا دھڑکن ہو گئی۔  
 "باتیں کرتی ہے یہ۔" وہ سنا کی بات باتیں کرتے لگی۔

"ہاں تو سوزی بہت تو کرتی ہے۔ امی۔ چچا۔ دادی۔ انکل وغیرہ۔"  
 اس نے محبت سے بیٹی کو دیکھا جو بڑی ٹیکہ سماعت خاموش بیٹھی اپنے ہاتھوں میں چڑی تو بھروسہ پڑیوں سے کھیل رہی تھی۔

"آپ کی بڑی بیٹی تو بالکل بڑیا پاتی کی ہمشکل ہے۔ حسن بھائی کو تو میں نے دیکھا نہیں۔ تجربہ بہت تو لڑھکتی ہے ان کی۔"

"اچھا؟" امان میں ہی ملتے ہیں۔ بس معمولی سے خیریتیں ٹپ کا فرق ہے۔" وہ مسکرائی۔  
 "کوئی پسند آیا؟" اس نے ساحرہ کے دلکش چہرے پر نظریں ڈھاکر پوچھا۔  
 "بہت۔"

"اور کوئی نہ والے۔"

"وہ بھی۔ بہت پسند آئے۔"

"یعنی اگر تمہیں یہاں مستقل رہنا پڑ جائے تو پورے نہیں ہوگی۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔  
 "جی۔ جی نہیں۔" وہ اس کے مسکرائے پر گڑبڑا گئی تھی۔

"یہاں کی کہیں سب سے اچھی چیز کون سی لگی۔"

"خوبصورت پھول اور سادگی۔" وہ صداقت سے بولی۔

"اور۔"

"بس۔ آپ آئیے ہاں کبھی سرحد۔"

"دعا کرو۔ میرا مطلب ہے فرصت ہوئی تو ضرور آئیں گے تمہارے ہاں۔" اسے ہر اسامہ دیکھ کر اس نے بات بدلی۔

"آپ کا دل لگ گیا یہاں۔" ساحرہ نے مخصوص دھیمے پن سے پوچھا۔

"جہاں دل لگانے والا موجود ہو تو۔" وہ ہنس پڑی۔

"میرا مطلب ہے کراچی سے آئی ہیں نا آپ تو۔ وہ بڑا بنگلہ۔ پرورش ہے جبکہ یہاں تو بے حد سکون فضا

ہے۔ وہ صحیح کر وضاحت کرتے ہوئے بولی۔"

"اب نئی نئی شادی ہوئی تو اس طرف دھیان ہی نہیں کیا جب دھیان کیا تو عات۔" وہ ہنس

پڑی تو ساحرہ بھی مسکرا دی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ گھر واپس آئی تھی۔ مانی کو چچی جان نے کہیں بھیجا ہوا تھا۔

"دعا کو تھپک کر سدا کر ساس کے پاس آ گئی۔"

"کیا کر رہی تھیں تجھ کی ماں؟" انہوں نے دھڑوہ سے نظریں ہٹا کر میکے کے شیشوں کے پیچھے سے بھالاکہ۔

"کچھ نہیں مہمانوں میں مصروف تھیں۔"

"کچھ تو بولی ہوں گی۔"

"آپ کی غیرت پر چور ہی نہیں۔ بس۔"

"اب تو بہت دنوں سے آئیں نہیں۔ بیٹی کی تقریباتوں کے لیے ہمارے۔"

فیصلہ کر ساس کا بیٹے پر ہمارا قدر کا گورنر راکر مسب سابق خاموش رہی۔ کوئی بچی جان کے سامنے کہے کر

تبدیل نہ ہو چکا ہوتا ہے یا معلوم؟" کاش بچی جان سے نہ بولے اسے پہلے گھر میں ہی ایک کھڑا لیا کر لے۔

"شام کو کیا کئے گا۔" وہ جنت پر پڑا بیٹی جان کا ماں بھالنے لگی۔

"اچھا کھانا پکا تا ہوا۔ روز کی دوسری۔ چلو ان کے لیے تو پھر کسی کوئی مسک نہیں جن کے ہاں سب کو کھانا کھڑا

ہو رہے تھیں؟" سہانہ کی تو یہ مصیبت ہے جن کے ہاں ہر آدمی اپنی جگہ پر بند ہو سکے۔ اس کے دل میں

میرے لیے تمہارے بچاؤ کیا کم تھے اس پر حسن امان اور غالیہ۔ اور تو اور وہ زمانے سے بے نیاز نہ رہا۔ کسی کھال پاند ہے

کسی کو تو دیکھنا تک گوارا نہیں۔ سردیوں میں مجھے پائے پکالے کا تو جنون رہا ہے اب بھی ہے۔ وہ غریبی حالہ۔" اسے

پائے۔" نکتے ہی نے کر دے گی ہمارا۔ اب بھلا چھوٹے پاپوں میں کیا طاقت ہوتی ہے۔"

انہوں نے رک کر بھوکے تانے چاہی۔

"جی۔ اس نے بیٹی جان کے طاقت اور اسے نظر اہل کر لیں سانس کھینی۔" کسی کو کھلی پاند ہے کسی کو دم

سے بھی فکرت۔ بڑی پکا کو تو وہ مانی۔ فوراً چ جائے گا کراچی روز بھری۔ اب تو ہم سب جھٹانے اور سناٹے لگیں گے۔ وہ

اسے جانوروں کا کھانا پوتا ہے۔

اب قریب کھوروز کا کام ہے آخر روز کیا کیا جائے دوسرا اس گھر میں صدا سے جتنے ہیں وہ بھی آدھوں کو پاند

آتے ہیں۔"

اف غدا یا۔

بیٹھ گئی کرا بھی تو کافی "بیٹا رام" باقی تھی۔

اس نے تو تجربہ کے گھر سے متعلق موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی۔

"ارے دلہن۔ یہ رات حسن کتنے بچے آیا تھا۔" بیٹی جان کو اچانک یاد آ گیا۔

"کافی رات ہو گئی تھی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ارے خدا معلوم! بس اوقات اتنی دیر کیوں کر دیتا ہے۔ گھر کی بیاں ملیں تو مرد کو گھر میں ہونا چاہیے۔

نسیب والے مرد ہی مغرب کا وقت بیوی بچوں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ دونوں وقت ملتے ہیں گھر بھر ہونا چاہیے۔ مغرب

کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھا لیا جائے تو صحت بہت اچھی رہتی ہے۔"

"اب آدھی آدھی رات کو کھانا کھا لیا جائے گا تو ہضم کس وقت ہوگا۔"

"جی۔"

"اسے۔ فجر کے بعد آج دماغے کج العرش پڑھنا یا نہیں رہی تھی سو چا آج ظہر کے بعد سکی۔ تم بھی تو سوزی

دیکھ کر سیدھی کر لو۔" شاید وہ کچھ گئی تھیں کہ سو فی فی طور پر اس وقت غیر حاضر ہے۔

سردی کی ابتدائی لہر نے تاکا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس پر غالیہ کا فون آ گیا کہ صمد کی طبیعت نہیں سنبھلی

وہ (برق) ان پر آفت کی طرح ٹوٹا ہے۔

اس کی ایلوری کے دن بھی نزدیک ہیں۔ حالہ جان کہہ رہی ہیں پہلا پہلا سلسلہ ہے ماں کو بلالو۔ آپ امی کو



ساری بات بتا دیں۔

فون اسی نے رینگا دیا تھا۔ چچی جان کسی کے ہاں ملنے لگی ہوئی تھی مانی نے آفس سے پھل کی ہوئی تھی کیا  
زیمنوں کا پھل کھانے لگا۔ پھر آسموں کا حساب رکھنا اس کی ذمہ داری بن چکی تھی۔ "کچھ" چڑھوں کی وجہ سے مانی  
آفس پر تال ہوئی تھی اور وہاں قاعدہ ان کے سر پر زحمت کرنے "اسٹیشن" گئے ہوئے تھے۔

وہ سن سے بات کرتا نہیں چاہو رہی تھی جو ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا۔ دن کو اکثر کے پاس لے کر چلا تھا  
وہ پہر کے بعد ہی سے اس کی حالت بگڑنا شروع ہو گئی تھی۔ چچی جان اسے سوتا کچھ کر کر کو کھانا لے کر کھانے کے لیے  
کھڑی ہوئی تھی۔ اسے ڈپاکابھی دھپان رکھنا تھا۔ اس وقت خود ترسی کی کیفیت میں جتا تھی۔ یا اٹھ۔ وہ بھی کن ٹورنٹ  
لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ اگر لوگ خود غرض نہیں تھے تو اس نے ان کی عادتیں غریب کر دی تھیں۔ سب کے سب اس سے  
بہت زیادہ توقعات وابستہ کر بیٹھے تھے۔ شاید۔

"خدا ایسا جن کے ساتھ چلتا ہوتا ہے جن کی خاطر ہاتھوں سے راہوں کی رکاوٹیں سینٹے ہیں، راستہ صاف پاتے  
ی لوگ چھوڑ کر آگے کیوں نکل جاتے ہیں۔"

اس نے آرزو ہو کر سوچا۔ واقعی آج کل ستارہ دیکھ زیادہ ہی گردش میں تھا۔ ہر وقت کی اسرور وہیں میں  
اصحاب شل رہتے تھے۔

حاجی جی کر رہی تھی اور چوہا دھیرا کرتے ہوئے اس کا حواس زیادہ جی جی کر رہے کوئی چاہا تھا۔  
لیکن کاروراز وہ نہ کر کے وہ ماسٹر بیٹے مردم میں آئی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اور اس کے قدم جہان جذبوں کا ساتھ  
نہ دے سکے تھے۔

صحت مند تاجر ہاتھ پاؤں باغیچہ کر رہی تھی۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے مزید صحت مند لگ رہی تھی۔ شاید  
بھاری حدت سے پریشان ہو گئی تھی۔

حسن نے مینی بازوؤں میں بھر لیا تھا اور اس کی جلدی پیشانی پر بوسہ دیا تھا وہ پٹا ایک لمبے کو اسے دیکھ کر  
ٹھٹھک پھر باہر نکل گیا۔ وہ تجربہ کر رہی تھی۔

گاڑی اشارت ہونے پر وہ بری طرح چوکی۔ بھاگ کر گیلری میں آئی۔ جہاں گاڑی گیٹ سے باہر تھی۔  
چچی جان تو بنی کا پیغام کن کر رہے تھے۔

"اے میں نے کہاں رہے ہیں چندی کے لیے سیٹ بک کر ادیں میری بیٹی بہت پریشان ہے وہاں۔"

چچی جان سے مخاطب ہوئیں۔ "ہاں۔ ہاں۔" چچی مانی سے کہہ کر آئے گا بھگت۔ اس میں انکی فکر کی کیا بات ہے۔  
"آپ کے لیے فکر کی بات نہیں۔ لڑکی وہ بری پریشانی میں جتا ہے اور آپ کے نزدیک کوئی فکر کی بات ہی  
نہیں۔" وہ شہر کی بے یارزی پر چپ سی گئیں۔

"بھئی جا چمٹے ہر حال میں ہے۔ اب میں اس سلسلے میں کیا پریشانی ظاہر کروں۔ خدا اپنا کام کرے گا۔"

"اے یہ صوفی تو دھبی ہی بہت ہے۔ اتنی تو وہائیاں کھاتا ہے یہ مونی انگریزی وہائیاں تو ٹیکر میں گرتی ہیں  
کرتی ہیں۔ یہ بیٹیا تو سوا بہت ہی نامر امراض ہے۔ وہ اسے زیادہ لوگے کا اثر ہوتا ہے اس مرض میں۔ مگر یہ اتنی کل کے  
بچے ان باتوں پر یقین ہی نہیں کرتے۔ انہیں "چھوڑا" سے لگے گی لکھمی ہوا کر لے جاؤں گی۔ برقان کے مرض کے لگے  
میں ادا دینے سے مرض سے بہت جلدی چھوٹ جاتا ہے۔"

"آپ بازار جائیں گے صبح تو اس چھوڑا کو کہتے جاتے گا کہ میں نے دیا ہے۔"

"اچھا بھئی کہتا جاؤں گا۔" چچی جان نے جان بھرانے کے انداز میں کہا۔ جانتے تھے کہ وہ انہیں بہت

میل پتی ہے۔

"اور وہ ڈاکٹر اکثر کے ہاں لے جاتے تو کہہ رہے تھے آپ۔" دھما آئیں ہوا آ۔

"ہاں کی تو تھا ڈاکٹر کراچی گیا ہوا ہے۔ آجائے تو لے جاؤں گا۔"

حسن ابھی تک ابھی نہیں ہوا تھا۔ وہ کھانا میر لگا کر بھی کو اطلاع دینے آئی تھی۔

"کھانا کھائیں گے آپ لوگ۔"

"بچے کہاں ہیں رہیں۔" حسن دکھائی دے رہا ہے۔ مانی۔ حسن آ گیا کیا۔

"ہی۔ آسو آگئے ہیں۔ وہ کھانا ڈاکٹر کے ہاں لے گئے ہیں۔"

"شاید۔ تو کیا کہہ کر نہیں گیا۔" انہیں شاید پچھتاوا ہو۔

"نہیں۔ میں دراصل مکن میں تھی۔ دکان کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی وہ پہر کے بعد۔ پانچواں ابھی تک

کیوں نہیں آتے۔"

وہ گھر مندی سے بولی۔

"خدا معلوم کیا موسم ہو رہا ہے۔ ہر گھر میں دو چار چرے ہیں۔ ڈاکٹر کے ہاں بھی رش لگا ہو گا۔"

"ارے آج تو بڑا خیر کا دن ہے۔ حسن کو بھی خیال آ گیا۔ بچوں کی دیکھ بھال کرنے کا۔ بالکل اپنے آپ پر گیا

ہے۔ دن۔ اسے تو گھر کی باتوں سے جیسے کوئی سر دکا رہی نہیں۔ خیر اچھا شکون ہے۔" وہ مثال لپٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

چچی جان نے بھی صبح کا اخبار تہہ کرنا شروع کر دیا۔

دکان کے کمرے میں چلی آئی۔ جو ابھی ابھی وہاں آ چھا تھا اس نے کچن میں ہی کی موز سائیکل کی آواز سنائی تھی۔

"ارے بھئی ابھی سے بستر میں رکھانے کی پھٹی ہے کیا۔"

"ارے بھائی۔ کیا کھانا اپنی تو بھوک پیاس از بھلی ہے۔ مگر آپ کو کیا۔" وہ سرد آدھ بھر کر ہلا۔

"اچھا اچھا۔ زیادہ اداکاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ کرائے اپنے مہمانوں کو رخصت۔"

"ابھی کہاں۔ وہ قصور میں مشغول تنہم ہیں۔" وہ پیشانی سے ہال میٹ کر بڑی ادا سے مسکرایا۔

"بڑے منجھے ہوئے فنکار لگ رہے ہو۔ کہاں سے نیکی ہیں یہ ادا نہیں۔" وہ صوفے پر سے اس کے کپڑے

اٹھا کر اوڑھوپ میں لگاتے لگی۔

"بھائی جان سے۔ بڑے غور سے دیکھا کرتا تھا نہیں۔"

"بہتریز۔" اسے فنی آ گئی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ کھانا کھانا ہو رہا ہے۔" وہ اسے کہتی ہوئی واپس کھانے کے کمرے میں آئی۔

"اکی۔ یہ ادا نہیں ہیں۔ تین نام ڈور دیتی ہیں۔"

اس کے قدم دروازے پر ہی جم کر رہ گئے۔

"ارے تو ان کو کتاؤ۔ مجھے کیا کہہ رہے ہو۔"

"اچھا تو میرے بچے آپ کے کہہ نہیں گئے۔" وہ مارا مٹی سے ہولا۔

"خدا معلوم کیوں اپنی بات کرنے کی عادت ہے۔ بھئی بچوں کی دیکھ بھال ان کی ماں ہی کرتی ہے۔ شہر یہ ہے کہ وہ توں کو چپ کرادوں۔ لیکن کام میں لگی ہوں تو فیڈر بنادوں۔ داد دیاں تو عموماً بچوں کے بھی چھوٹے موسم کام کرتی ہیں۔ باقی تو بھی ماں ہی کو کرنے ہوتے ہیں۔"

"اے لو۔ وہ آئیں لیکن۔"

"لیکن۔ لوسٹالو یہ دائیں۔ ستا کی۔ تین نام دینا ہیں۔" چچی جان اسے دیکھ کر فرار ہو گئیں۔

اس نے نا کچھ کہے آگے بڑھ کر دو انیاں اٹھائیں اور اپنے بیڑہم میں چلی آئی ستا کو شاید انگلیوں پر لپکا تو جس کے اثر کے تحت وہ سوری تھی۔

اس نے ستا کی بیٹائی چھو کر دیکھی پھر جھک کر اس کا ریشار چوم لیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے دایں کھانے کے کمرے میں چلی آئی۔

اور حسن کے برابر والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

مائی باپ کو زمینوں کی آمدنی سے متعلق معلومات دے رہا تھا۔

"ارے بیٹے۔ کبھی گھر میں مھانک کر دیا لیا کر۔ گھر صرف کھانے اور سونے کے لیے تو نہیں ہوتا۔" چچی جان۔ باپ بیٹے کی لمبی چوڑی گفتگو سے بےزار ہو کر بولیں۔

"کیا کروں مھانک کر۔ کیا پالینڈ کی کانٹیں خرید لی ہیں آپ نے۔"

"اے کیا بدقت کانٹیں۔ بھینٹیں سوار رہتی ہیں تیرے سر پر ایک کھٹے کے لیے گاؤں جاتا ہے۔ پھر گاؤں کو سر پر ہی سوار کر لاتا ہے۔" وہ بھلا نہیں۔

"بھگتلا بھی نہیں کہہ رہی ہیں چچی جان۔" شہلانے مسکرا کر مائی کو دیکھا۔

"چچی جان۔ مائی کو پٹا اور کی کانٹیں بہت پسند ہیں۔"

"ہائیں۔ یہ کون سے جنم میں کیا تھا پٹا اور۔" وہ مضطرب ہوئیں۔

"اس جنم میں جانے کا یہ پروگرام بنائے بیٹا ہے۔ شاید پٹا اور کی گائے اس نے کوسہ میں کہیں دیکھ لی ہے۔"

"اے کیا اب دو دھڑی کی دکان بھی کھولے گا۔ اور تو اس کے مشغلے بہت کم ہیں۔" مائی پیٹ پر جھک کر مسکرا رہا تھا۔

"اے یہ نامزد کانٹیں بھینٹیں کہاں سے آئیں گی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ پنڈی کے لیے میری سیٹ بک کر دو۔ کل ہی۔"

"خیریت۔" وہ چونکا۔

"بے فکر ہو۔ تمہاری اسی کوئی گائے دیکھنے نہیں جا رہی۔" چچی جان نے قہقہے سے کہا۔ وہ بھی گائے بھینٹوں کی بھراؤ سے تھوڑا ہور ہے تھے۔

"ارے دن بھی کریں اس قصبے کو۔ بچے تو گھر میں تک کر بیٹھے تو کیا پتا چلے۔ ایسی افراتفری میں مالہ لگی۔ مو کی بیماری کا سن کر۔ مگر تو نے ایک دن جو بہوئی کی خیریت پوچھی ہو۔ ابھی تک طبیعت خراب ہے۔ شام ہی کو فون آیا تھا۔ مجھے بلوایا ہے۔ بہت پریشان ہے پٹی۔"

"مل جائے گا آپ کو کھٹ۔ فکر نہ کریں۔"

"آپ سب کیلنی جانیں گی امی۔" حسن نے بیٹ میں سامان لٹائے ہوئے پر چڑھا۔

"کیلنی ہی جاؤں گی۔ بیماری کی عیادت کو ہماری ہوں۔ تمہارے باپ کو فرصت نہیں رہتی اور میں اسی حالت میں

انہیں مری نہیں آئیں۔"

"ارے بھئی۔ شام سے تم اپنے جانے کا ہی ذکر کر رہی ہو۔ مجھے بھی چنا چاہیے۔ انہیں اس مسئلے میں تو تم نے

یکو نہیں کیا۔"

"اے ہاں۔ لوسٹو۔ کتنے کہے میں ہیں میرے۔ اللہ کی شان۔ ان باتوں کا خیال تو آپ کو خود ہوتا چاہیے۔"

وہ اپنے مخصوص ختے انداز میں گویا ہو گئیں۔

"ساری زندگی شریا کی وجہ سے ایسی بدمذہبی رہی ہوں کہ کبھی دور دربار جانا بھی نہ ہوا تو یہاں جیسے کسی کی وجہ ہو

چھوٹے گئے تھے۔"

"ارے اگر آپ کہیں تو میں آپ کی سیٹ بھی بک کر ادھاروں۔" مائی نے باپ کی سیٹ دیکھا۔

"آپ بھی ہو آئیں۔ بہتر ہے۔"

"لیکن۔ شریا۔"

"اے تو کیا آپ شریا کا ہڈو لاواتے ہیں۔ لیکن میں گھر میں۔ ماشا اللہ مددگار ہیں۔ سنبھال نہیں گی۔"

"چچی بات تو یہ ہے ارے۔ جب سے مہا بھی آئیں ہیں۔ شریا مائی کو ہی سنبھال رہی ہیں۔" مائی نے

اعتراض کیا۔

"خیر اس میں تو کوئی شک نہیں۔ شریا کیا سارا گھر ہی سنبھالا ہوا ہے۔" چچی جان نے بھی صبر آمیز لہجے میں

اعتراض کیا۔

حسن اٹھ کر واش بکسن پر ہاتھ دھوئے چلا گیا۔

سرکاریوں کے اعتراضات نے کم از کم اس کی ٹھکن اتار دی تھی۔

سب کھانا کھا چکے تو وہ ہا کے پاس چلی آئی۔

وہ اندھ بنی چلی ہو مگر کر رہی تھی۔ وہ اسے جلدی کھانا کھلا دیتی تھی۔ تاکہ وہ جلد اپنا کام کر کے سو جائے۔

"کتنی کام ہو گیا ہے۔ امی۔ آپ ہمیں قہری کا ٹیبل یاد کروائیں۔"

اس نے اپنی چار سالہ مسین و معصوم بیٹی کی بیٹھائی سے ہال سینے۔ "میری اتنی سی بیٹی۔ اتنا بہت سا بچہ سنے گی ہے۔ ماشا اللہ۔ چلو شروع کرو۔" وہ اسے ٹیبل یاد کرائے گی۔

ابھی دن کا کھانا کھا رہی تھی حسن کے لیے وہ بھی لے جاتا تھا پھر اس کے خیر جانے کے لیے سوٹ بھی تیار کر دیتا تھا۔

اسے سخت نیند آ رہی تھی۔ محروم اپنی ذہنی بھنگاؤں سے بغیر سو نہیں سکتی تھی۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ ہو کر کیسے سو جاتا ہے۔ کنوارے بچے میں اس لیے نہیں سو پاتی کہ ایک مختصر طالبہ تھی۔

اکثر وقت بڑے ہی گزرا تھا بچے کچھ نام میں گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ باندھا کرتی تھی۔

سرال میں ابتدائی راتیں خوبصورت رت جھکوں میں نکلیں۔ جب سے انداز پرانے ہوئے تو وہ دروازوں

کے کھٹے کے تاب کوڑی جیسا۔

اسے سرت تھی کہ وہ بھی کبھی نیند نہ کر سوتے۔



تمام دن اس قدر مصروف گزارتا تھا کہ بچے پر سر رکھنے ہی غافل ہو جاتی تھی۔ بچے بھی چھوٹے تھے اور بہت نلکے کرتے تھے۔

اب تو خیر وہ ان سب باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔

وہ صاف گال میں لانا کر خود لٹ گئی اور صاف آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔

"ای۔ میں قمری کا ٹیبل بھول تو نہیں جاؤں گی؟" ہمارے اعصاب پر قمری کا نیکل سوار تھا۔

"ابھی تو آپ نے قمری اسی یاد کیا ہے۔ جتنا یاد کیا ہے وہ یاد ہے گا۔ بے فکر ہو بیٹے۔" بچوں کے ساتھ خود بھی غینہ کے ماورائی جہاں میں حیر کرنے لگی تھی۔

"قور۔ اسے قور۔ دیکھ تو کسی۔ دور سے تو بالکل نوانج بھائی دکھ رہا ہے۔"

قور کے تیز حرکت کرتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ اس نے کمزری فضل کے بڑے سے پار بھاٹکا۔ اس کے دل کی جب کیفیت ہو گئی۔

"وہی تو ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

وہ اب قریب آچکا تھا۔

"کسے" (قسم سے اس نے ہاتھوں کا پتھر بنا کر سامنے دیکھا۔) "ہاں وہی ہے۔" آف والیٹ سوٹ اور ہاتھ میں چھوٹا سا سیاہ سوٹ کس اٹھانے لواز نے دھوپ کی تیزی کی وجہ سے سیاہ لگا سبز بھی آنکھوں پر چڑھا رکھے تھے۔ لالہ۔ چوڑا۔ بے حد نکش۔ اس پر سے بالکل شریوں جیسا۔ صاف ستھرا۔ خوشبودار اس نے خود کو کمزری فضل میں چھپالیا۔ کھٹوم کھی کھی کرنے لگی۔

لیکن وہ مہاراجہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ کٹوم کو خواہ مخواہ فی آرٹی تھی۔ "اب تو گھر جا۔ نہادھو۔ تصویرت (خوبصورت) لے لے۔ کمن۔ سر میں دھننے کا تیل ڈال۔ کان لٹا کر دھکا جائے ہی گھر میں تجھے ڈھونڈے گا۔"

اس نے نیکی پر ایک نظر ڈالی اور سر پر چادر بٹانے لگی۔

گاؤں کی اس لڑکی کو بہت بھرم رکھنا آتے تھے۔

"قور۔ وہی الال جوڑا کمن لے آج جوڑنے بیاہ کے دن پہنا تھا۔"

"ہاں پھر کمن لوں وہی ٹیٹوس جوڑا۔" وہ بنگر بننے کا کام چھوڑ کر۔ آہستہ آہستہ گھر کی طرف ہولی۔ ایک نلکھ اور دھرو دیکھا۔ کہ شاید کمن اس کی تند بھی کمزری ہو کر وہ کمنیں نظر نہیں آئی۔

ڈیوڑھی میں داخل ہونے سے پہلے اس نے دھڑکتے دل کو سنبھالا چہرے کو چادر کے پلے سے صاف کیا۔

وہ بڑے سے محسن میں ایک چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سیاہ لگا سبز اس کے ہاتھ میں تھے اس نے سامنے سے آتی چو کو کھٹکھٹ کے لیے دیکھا۔ چادر وہ بارہ اپنی ماں کی سمت توجہ ہو گیا۔

چو کا دل بچھ گیا۔ گواں کا انداز دیکھتا تھا۔ لیکن ایک خوش امید کی پھول اس کے اندر کھلا رہتا تھا۔ جب تک وہ جوان تھی یہ خوش امید کی پھول اس کے اندر کھلا رہتا تھا وہ جا کر ساس کے پاس بیٹھ کر رانا پھٹنے لگی۔ سارے گاؤں کے لڑکوں سے زیادہ گھبرو۔ سارے گاؤں کے لڑکوں سے زیادہ چڑھا لکھا۔ اور بہت ہی خوبصورت نو جوان اس کا تھا۔ پھر بھی اس کا نہیں تھا۔

یہ دور جہالت اور قدامت کی لٹیر کی ایک کڑی تھی۔ وہ کم ذات نہیں تھے مگر جاہل تھے اور وہ بچے کی فراوانی سے آگے کے دروازے بھی بتل زاہد ہو گئے تھے۔

وہی نانا نوے بعد گھروں کی داستان۔

دیرپا دل میں آنکھ بے جوشاویاں ہوتی ہیں۔ مگر یہ بہت ہی بے جوش تھی۔ کہاں وہ اس قدر آگاہ رہا۔ لٹ لٹ کر جوان کہاں پہنچ سکی کی روٹ۔ وہ اپنے باپ سے شکست کھا گیا۔ انھار میں جس میں لگا تھا جب سے شہر سے لٹا کر شادی کر دی گئی تھی۔ اس وقت وہ ایک تصور پرست اور محض ہڈی ہڈی نو جوان تھا۔ اس وقت سے اس عادت کی لٹیر کا شدت سے احساس نہیں ہوا تھا جتنا بعد میں ہوا۔

اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔ "ٹھیک ہے ابائی۔ آخر آپ لوگوں نے کرنی ہی اپنی مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن جب تک میں چڑھ لوں تو ہی کو ساتھ نہیں رکھوں گا۔"

"اے۔ تو اس کی لٹیر کر جتنا چڑھتا ہے چڑھ لے۔ کون منع کر رہا ہے۔ جو تیری جگہ ہے۔ کل بھی آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔"

وہ وقتی طور پر سب سے مختلف ضرور تھا لیکن شاید کم عمر ہونے کے سب اختلافات کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ ان کے ہاں صدیوں سے یہی ہو رہا تھا۔ رشتے ماں باپ ہی طے کرتے تھے۔ اپنی شادی سے متعلق بات کرنا نہایت بے لیرتی کی بات تھی۔

ان دنوں اسے روایت فطری کے خواب بھی نہیں آتے تھے۔

لیکن چو کو اس کے ذہن نے قطعی قبول نہیں کیا تھا۔ گزرتے وقت نے فاصلے بڑھا دیے تھے کم نہیں کیے تھے۔ اس کا آئینہ۔ ایک طرح دار۔ ڈچن عورت تھی۔ جو خوبصورت بھی تھی اور تعلیم یافتہ بھی۔ وہ ایک منظر و گھر کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ ایک گھر۔ گاؤں سے بہت دور جنگل کے شہر میں۔ اور اس گھر میں ایک طرح دار غیر معمولی لڑکی۔ مشرقی و مغرب کا احراج جو خدا کی عبادت گزار بھی ہو اور خوبصورت انگریزی بھی بولتی ہو۔ جو اس کی عظمت و جلوت میں اس کے دل کی راحت ہو۔

وہ تیل چڑے ہالوں والی چو سے جبری تعلق بھانے سے معذور رہا۔ سرمدی تو ہوتا ہے لیکن اپنی خواہشات کے معاملے میں غیر معمولی ضد پر اتر آئے تو پھر خدا پتا دے رکھے۔

وہ اپنی روایات سے باقی تھا۔ وہ انہوں کے ہر معاملے کو کھانا سوچ سے ناپا تھا اسے انہوں کی محبت و خلوص بھی روایات کا ایک حصہ دکھائی دیتی تھیں۔ جن سے وہ غیر شعوری اور شعوری نفرت میں مبتلا تھا۔

وہ باپ کی معالمت کے "چوتھے یاد رہانی خط" پر گاؤں آیا تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر وہ سامنے کمرے کی سمت بڑھ گیا جہاں ٹیلیزمینڈار ملک شہباز بیٹے کو سامنے دیکھ کر خود میں زندگی کی ہر دوڑتی محسوس کر رہے تھے۔

"اسلام منیکر ابائی۔"

"قور۔ ٹھیک ہے ناں؟" کمنی موٹھوں سے ہونٹ مسکرائے۔

"ٹھیک ہوں ابائی۔ بہت اچھا ہوں۔"

"بہت کمزور ہو رہا ہے۔ کتنا کہا کہ بہو کو جالے روٹی کا آرام ہو جائے گا۔ ہونٹوں کے کھانے جان کو بٹاتے

نہیں گھلاتے ہیں۔"

"میں اوٹل میں نہیں کھاتا ابھی۔ نوکر ہے میرے پاس۔" وہ تلخ سے لہجے میں بولا۔

"پر۔ پتر۔ یہو اس گھر سے تو نہیں بیاہی۔ اس کا بیوا تیرے ساتھ ہوا تھا۔"

"ابھی۔ آپ بیمار ہیں۔ زیادہ بات کریں۔ آپ کو میں آج ہی شہر لے چلوں گا۔"

اس نے باپ کو بیزاری سے منہ بنا کر حریفانہ گفتگو سے باز رکھا۔

اور موڑ مارا کھینچ کر پاس بیٹھ گیا۔

"شہر تو یہاں بھی ہے۔ دو میل موٹر میں کیا جاتا کھتے ہیں۔ اس علاقہ ہو رہا ہے۔ یہیں اچھا بھلا ہو جاؤں گا۔ میں اسی بہانے تو نے صورت تو دکھائی۔ کیا بات ہے۔ ناراض ہے ہم سے۔ پر کوئی بات تو ہو۔"

باپ اس کے غم پر رے کرنے لگا تو وہ اٹھ کر جانے لگا۔

"جا کہاں رہا ہے۔؟" بیٹھتے تھے تو ابھی باتیں کرتا تھا۔

"رضیہ کی شادی کی بھی فکر ہے۔ تیرا اچھا چارن مانگ رہا ہے۔"

"تو کرویں۔ مشکل کیا ہے۔ دس دین تاریخ۔"

"نہ تو اپنی سہولت بتا۔"

"میرا کیا ہے کوئی تاریخ ہو چھٹی لے کر آ جاؤں گا۔"

"ابھی۔ آپ تو بھائی کو گھبر کر ہی بیٹھ گئے۔ ہم سے بھی باتیں کرنے دیں ابھی۔" رضیہ اسے لے کر واپس صحن میں آ گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ کتنے دن غم ہو گئے۔؟" رضیہ اس کے ساتھ ہی لگ کر چنگ پر بیٹھ گئی۔

"پرسوں۔ پرسوں کی سیٹ ہے میری۔"

"ہاں ہں۔ آپ کو شہری اچھا لگتا ہے۔ ہم سے زیادہ۔ خون سفید ہو گیا ہے آپ کا۔ آج آپ کو میں بہت یاد کرتی ہوں۔"

بھائی رب نواز بھی بولتا ہے کہ آپ اب بھی گاؤں نہیں آؤ گے۔ پچھلے مہینے کیا تھا ہاں۔ بھائی۔ بھابی بھی۔ وہ کہہ رہے تھے آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ آگے پیچھے باغ بنا ہوا ہے۔" وہ بچوں کے سے اعزاز میں بولی۔

"ارے۔ وہ میرا گھر کہاں ہے کرائے کا ہے۔"

"پر رہتے تو آپ ہی ہیں ہاں۔"

"چھوٹی بھابی تو آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔" رضیہ نے اپنی داشت میں گواہ پھیرا تھا۔

کروشیہ چلاتی چو کا دل دھڑک گیا۔ کہ جانے اب کیا جواب آئے۔ ملک نواز نے ایک اچھٹی سی نظر اس پر ڈالی۔ لیکن خاموش رہا۔

سادوی لڑکی ریشہ طبعی اور عیسیٰ۔ اس کا محبوب۔ سارے گاؤں میں سب سے اعلیٰ۔ آج آیا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھا ہے۔

اس کی کیم فیم ہاں اندر سے برآمد ہوئی اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ چنگ چرچا۔ چر۔ چر۔ چر۔

"پتر۔ اس اداری بچوں کو اپنے ہاتھ لے لے جا۔ بہت آرام ہوا ہے عورت سے۔"

"میں آرام سے ہوں اماں جی۔ جب سیٹ ہو جاؤں گا تو لے جاؤں گا۔"

"خیر۔ کدوں سیٹ ہوئے گا۔ جہاں تو رہتا ہے وہیں اسے بھی رکھ لے۔ اس کے پاس باپ بہت

"مکروں" چدے ہیں۔ اس کا باپ تو تیرا چاہتا مانگ رہا تھا۔"

"تو دے دیتا تھا۔"

"آئے گا آج وہ۔ پتر۔ تیرے پاس۔ اور ٹھیک بھی ہے۔ جب سے بیوا ہو یا ہے توں۔ حرکت نہیں دیکھتا۔"

"میرے سچے بہت مستے ہیں میں اسے نہیں دلا سکتا ابھی۔ آپ کو میں نے مجھے اس لیے دیا تھا۔"

"ہائے۔ ہائے۔ گرم کیوں بن رہا ہے۔ اور پریشان کیاں ہیں۔ تیرا پیہ پیہ۔ چاہتے۔ تو لے لے۔ تجھے مع کیا

ہے۔ کسی نے۔ جو کچھ ہے تم دونوں بھائیوں کا ہے۔ زمینیں۔ جہادوں (جہانیاں)۔ جہاد۔ (جہادور)۔ ہائیے۔ کیا

پریشان ہے۔ بول تو سہی۔"

"بتاؤ کوئی الال تو آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ آٹھت کے اندر میں بولا۔ اور تھکا ہوا چنگ پر لیٹ گیا۔

رنگین پائیوں والے چنگ پر بیٹھی اور اس دیکھ کر لڑکی کے دل میں زور کا چھٹکا ہوا تھا۔ اس کو اس کے پاس سہرا

مجھے تھان سے مشکل چھپا چھڑایا۔ ملنے ملانے کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا تھا۔

رات کو وہ بڑے کمرے میں آیا کہ حسب عادت سونے سے پہلے قہوڑا سا مطالعہ کر لے تو۔ چپٹے چلاتے

برقی رنگ کے کپڑوں میں لمبوں زبیر پہنے آنکھوں میں کابل کی ڈوریاں بھیجے پروین عرف و تحریف فرما رہی۔ اسے

دیکھ کر گھبراہٹ ہو گئی۔ بہت پہلے بھی انکی رات آتی تھی۔ بہت پہلے بھی اسی طرح گئی تھی۔ اور بہت۔ پہلے۔ بھی۔ دل بڑی

طرح ٹوٹا تھا۔ آدھی بھتا زیادہ بے وقوف ہو گا۔ اتنا ہی خوش امید۔ اسے پھر بھی بہت امید تھی کہ آج اس کی دعاؤں کا ثمر

ماٹنے تھا۔

ملک نواز نے ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی۔

سارے کمرے میں دھننے کے تیل کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ اس کا دم اٹھنے لگا۔

"کیا چیز گری ہے اس کمرے میں کس قدر بڑا رہی ہے۔" وہ بھلا گیا۔

"گرا تو کچھ نہیں ہے۔ ہم۔ میں نے سر میں تیل ڈالا ہے۔" وہ خود زور سے اعزاز میں بولی۔

"یادداشت۔ میرا دم گھٹتا ہے اس بومیں۔" وہ ہونٹ کاٹ کر بولا۔

وہ غور چنگ سے اتر کر باہر چلی گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور بیک سے ایک کتاب نکال کر لیٹ گیا۔

یہ کتاب "سندیسے" تھی جسے اس نے بار بار پڑھا تھا۔ اس کتاب میں اس کا قصہ بولتا تھا۔ اس کے

اشعار۔ اس کی لکھنوں میں جو لکس سانس لیتا تھا یہی لکس اس کا باطن۔ اس کا "انداز" تھا۔ اس کتاب میں شہلاسن کا نکات

یہ کر بولتی تھی۔ وہ اسے پڑھتا تو وہ اس کی روح میں ملول ہو جاتی۔ اس نے درق گردانی کے انداز میں کتاب دیکھنا شروع

کی۔ "چاند گرہن" اس لکھ پر وہ ایک بار پھر غمیر گیا۔

کل رات

کھل جانے لگی تھی

کلی۔ زمین کا سایہ

چاند پر "پورا" پڑا تھا



گل ہی میرے اور اس کے درمیان  
سیرت کا پہلا پتھر مائل ہوا تھا  
یا پھر مٹی کا پہلا ٹکڑا  
ایک اندھیرا سایہ بن کر  
میرے دل پر ڈال دیا تھا  
میرا دل۔ کہ ایک ماہ کا دل  
ایک بھر وہ محبت  
اک شہر محبت  
اس پر تیرے الفاظ کا اندھیرا سایہ  
پورا پڑا تھا  
گل رات ۱  
کھل چاند گرہن تھا۔

اس نے کتاب کا دوسرا صفحہ اٹھا۔ تیسرا اٹھا۔ پھر چوتھا۔ معا کتاب بند کر دی۔ سردی کو غور سے دیکھنے لگا۔  
سنبھلے حروف سے "منہ بے" لکھا تھا پھر سنبھری روشنائی ہی سے دستخط کے انداز میں شہلا حسن لکھا تھا۔ نام کے پیچھے  
اس کا اپنا ہی ایک شعر تھا۔

اس نے کتاب سینے پر رکھی اس کا ذہن کہیں بہت دور بھٹک رہا تھا۔  
وہ مکمل طور پر کمرے سے غیر حاضر تھا۔

چوڑیاں بڑی زور سے بجی تھیں۔ چمن۔ چمن  
تصورات۔ ٹوٹ کر چمن چمن میں تقسیم ہو گئے۔

اس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے پروین کیلے بال جھٹک رہی تھی۔

"کیا تمنا ہے بھئی۔" "آدمی رات کو اس کے پیچھے بال دیکھ کر حجب ہوا۔

"خود ہی تو کہہ رہے تھے۔ تیل کی بو آ رہی ہے میں سرد ہو آئی۔"

"حجب امتحان لڑی ہو۔ سردی میں پانی میں بیٹھتے چل دیں۔ کہیں اور جا کر سو جائیں۔" اسے اتنی سردی میں  
اس کے پیچھے بال دیکھ کر سخت کوفت محسوس ہوئی تھی۔

"بتائی جی بولا تھا جب تک آپ یہاں ہو میں نہیں۔" اپنی دانست میں وہ ہنسنے لگے شہر سے نہایت  
تہذیب سے بول رہی تھی۔ "آپ" شاید دیہاتوں میں "تہذیب" کی "معراج" ہوتا ہے۔

"ہونہ۔" ہر تصور کا بیز افروق ہو گیا تھا۔ وہ تو لیے سے بال شک کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کدھر جائے۔  
اس نے پیچھے موڑ پر سونے میں عافیت لگئی۔

ابھی وہ عالم فتورگی میں تھا کہ نزدیک ہی تیز سسکیاں ابھریں۔ اس نے کمرہ بدل کر دیکھا۔ پیچھے موڑے  
پروین دروہی تھی۔

"کیا تکلیف ہے جیسیں۔" اسے اسے قریب دیکھ کر اس کا لہجہ غلظت سے سنج ہو گیا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح روٹی رہی۔

"کیا چاہتے جیسیں۔" وہ خند میں بندھا ہو گیا تھا۔

پروین کے آنسو غم گئے۔ وہ ہنرات کے جتنے جتنے کھیرے ہوئے تھے جی ملک تو ان کی سر نہ تک بھی نہیں  
پہنچا تھا۔ وہ سیدھی ہو گئی۔ خدا کی سچ بیگیاں یہ بتاتی تھی ہے کہ وہ سوال نہیں کرتا۔ اسے کی آخری بھر بھی باج میں کے سمندر  
میں تم ہو گئی۔

وہ بچہ ہوا تھا کہ کیا چاہتے۔

ہونہ۔ اس نے اس کے مضبوط سراپے کو دیکھا۔ وہ بچی جی محض تصوراتی موشوق نہیں۔ ان کی شادی کسی  
رومان کا نتیجہ نہیں تھی کہ وہ دونوں کا بھر مر گئے کے لیے بھی قربانیاں دے دی جائیں۔

وہ عورت تھی۔ جو پانچ سال سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

ان کی بندھی۔ دوسروں کے بھر چر گل و گل سے حزن شادوں میں اکثر روحانی لحاظ سے بے حد ہوتے  
ہیں۔ حقیقی کی اور ان کی کے لیے بے خوف عورت ان ہی لحاظ کو رومان سے منسوب کر سکتی ہے۔

اتنی مونی مونی کتابیں پڑھنے والا۔ یہ جاہل آدمی۔ اس کا جی چاہا غارت سے تھوڑا دے۔

اس نے۔ ایک بے خبر کے قریب انکاروں کے بسز پر رات گزار دی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز چچا اور چچی کے چلے جانے سے گھر میں عجیب بے رونق سی ہو گئی تھی۔ مگر بیٹھ جاکر اس کے ساتھ ہی  
اندھ ہوتی تھی۔

آج بھی اس نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی حالت کافی مستحکم تھی۔

اس نے اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اونی کپڑے پہنانے سے سرخ کٹنوپ اس کے سر پر بٹھایا جوتے ہونے سے  
پہنانے اور اپنے بسز میں کھسا دیا۔

"دیکھو بیٹا۔ ائی بھی نماز پڑھیں گی۔ اللہ اللہ۔ کریں گی۔ بالکل شور نہیں کرنا۔ پھر ہم آپ کو مچن میں لے جا  
کر اچھی اچھی چیز کھلائیں گے۔"

اس نے بیٹی کو کھنچا تو وہ خوش مزاجی کے مظاہرے کے طور پر مسکرا دی ہونٹ کھینچ کر بال بال بن گئے۔ صبح ہی صبح  
اسے اپنی بیٹی دیکھا کہ ہر شے سے زیادہ حسین بلکہ ماورائی مخلوق لگی۔

اس نے جھٹک کر اس کا رخسار چوم لیا۔ اور ہاتھ روم کی سمت مڑی تو حنائے آواز کا لہجہ شروع کی۔ اس نے  
ایک پلٹ کر ہونٹوں پر اٹھی رکھ کر خاموش بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"چپا سو رہے ہیں بیٹے۔ شور نہیں کرنا۔" حنائے گردن موڑ کر باپ کی سمت دیکھا۔ اور کوئی بے تکلفی کرنی  
چاہی مگر اس کی سمت دیکھ کر رک گئی۔

وہ وضو کر کے آئی حنائی بیٹی خاموشی سے بیٹھی تھی۔ ان کی اس لہجہ پر اسے ٹوٹ کر بچار آ گیا۔ اس نے اپنا  
موتیوں کا ہار اٹھا کر حنائے اہل و پاکر کھینچی رہے گی۔ اور خود نماز پڑھنے لگی۔

نماز پڑھ کر تھوڑی دیر حنائے کلام پاک کی۔ پھر حنائے اٹھی تمام کر بچن میں چلی آئی۔ اس کی فیض ریتا رہی۔  
ایک اظہار کی کے نتیجے سے کھلایا اور اسے بے لہجہ بیٹھ کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئی۔

ہاں کائنات ہاتھ دھلایا۔ مانی کو اٹھایا۔

پھر حسن کی سمت آئی۔ تاہم میں اٹھا کر اس میں الارم سیٹ کیا اور اس کے کان کے پاس رکھ دیا۔ جب تک وہ باہر آئی الارم شروع ہو چکا تھا۔  
جب سے ملک نو اڑکا تھا۔ ہوا تھا وہ اسی طرح اسے اٹھا رہی تھی۔ وہ اس سے کہی بارش نہیں رہی تھی مگر اب تھپہ کر لیا تھا کہ مزید خود کو نہیں گرائے گی جبکہ ہمیشہ وہ بے قصوری ہوتی ہے۔  
مانی کو، ہاں کو ہاتھ دیا۔

"ای۔ چچا جان مجھے کہتے ہیں میں چوہیا جیسی ہوں۔"

"میری بیٹی کیوں ہونے لگی چوہیا۔"

"ارے بھابی۔ خواہ تو اول نہ رہیں ہاں کا۔ بچ پالنے چاہیے۔"

"ای۔ ا۔" ہاں سوری۔

"چھوڑ بیٹے۔ دیکھیں گے تمہارے چچا کو مگی۔ کون سے پہلوان ہوں گے ان کے ہاں۔" وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی۔ مانی نے تہہ بہہ لگایا تھا۔ "اور بھابی۔" وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ سامنے سے حسن داخل ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی جی جلت۔ بریف کیس تک کھانے کے کمرے میں ہمراہ آتا تھا۔

وہ مڑ کر مانی سے کچھ کہنے لگی تھی۔ بری طرح حسن سے گراتے گراتے بچی بلکے ساتھ اس کا شانہ تھا۔  
وہ تو جا کر بیٹھ گیا مگر مانی کی آنکھوں میں شرارت تاج لگی۔ وہ ناشتے کرائی تو وہ شرارت سے سکر رہا تھا۔

مکین میں گرم چائے لینے آئی تو وہ دونوں چچا جیسی ناشتہ کر چکے تھے۔ مانی اس کے پیچھے پیچھے چلا آجیو

تھرا گیا تم سے سری تو ہے

وہ شرارت سے گنگنا رہا تھا۔

"اے مانی کے بچے۔" وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔ "جگ مانی تم سے تو بس حد ہے۔ اور دیکھو آج ہاں کی نہیں

بھی جمع کراتا ہے۔" اس نے فوراً بات بدلی۔

"مگر وہ جلی بکھے۔ بالکل پیسے نہیں ہیں۔ بتنا کیش تھا ای نے ایئر پورٹ پر جھڑا لیا۔"

"اپنے بھائی سے لے لو۔ میں شیا کا ناشتہ لے کر جا رہی ہوں۔"

"یہ کیجئے۔ اب میں ان سے ایک لال نوٹ مانگوں گا۔ وہ کہیں گے میری بیٹی کی فیس بھی جمع نہیں کر سکتا۔

استاد کی پیشانی پر پڑے تل سننے تک کی توجہ نہیں ہوتی۔" اس نے خوف زدہ نظر آنے لگا کر دی کی۔

جب وہ زنج ہو کر روپے لینے اندر چلی گئی۔

پھر جگ میں آئی تو مانی ہاں کو موٹر سائیکل پر بٹھا چکا تھا پیچھے اس کا بیک تھا۔

"یہ لو مانی۔" اس نے روپے اس کی جیب میں ڈال دیے۔

"اور ذرا آہستہ چلا یا کر موٹر سائیکل۔"

"اچھا۔ جی۔ بھابی۔ کھانے کا کمرہ زیادہ نزدیک ہے یا آپ کا بیڈ روم۔"

"ہائیم۔ اس کے کچھ بچے نہ پڑا کیا کہہ رہی تھی۔"

"یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تو مشورہ دیا جا رہا تھا کہ بھائی جان سے پیسے لے لوں۔ خود جلدی میں ہونے کے

واحد دوسری منزل سے لے کر آتی ہیں۔"

اس نے گھبرا کر مانی کی سمت دیکھا۔ کتنا عجیب ہے یہ مانی۔

"بھابی۔" اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔

وہ خاموشی سے ہاں کو اس کی ٹھیک کرتے گئی۔

"بھابی۔" شام کو آ کر پچھوں گا بھائی جان سے کیوں ستاتے ہیں میری بیوی ابا بھی کو۔" وہ زن سے

بائیک الے گیا۔

اس کی اتنی عجیب و غریب طبیعت سے نہ بات پر اس کا دل بھرا یا۔ اس نے جھٹکتے آؤ آؤ جلیں میں جذب کیے۔

"خدا تیرا ہلا کرے مانی۔ کیسا احساس دیا ہے اپنے پن کا۔ کوئی تو ہے جو میری قدر پہچانتا ہے۔" وہ پلٹ

گئی کہ بڑوں کی آواز کا رخ پھر جی کی سمت تھا۔

وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بچوں کو لے کر بیٹھ گئی۔ مانی کا سوئے تقریباً مکمل ہونے کو

تھا۔ مانی نے فون پر بتا دیا تھا کہ اس کا کھانا کھا کر آئے گا۔

بچے کالین پر ہی فون کا کھانا لے کر بچوں کو لے کر بیٹھ گئی تھی اور پھر سے سرخ مکمل اپنے اور بچوں کے ہی دل پر

اٹل رکھا تھا۔

اس کے ہاتھ تیزی سے سلائین کو حرکت دینے میں مصروف تھے۔ چپاں پوری دلچسپی سے تی دی دیکھ رہی

تھیں۔ مگر یہ لازم شاید اپنے کوارٹر میں جا چکا تھا۔ ایک سٹاپر سے گھر پر طاری تھا۔ شیا کا کمرہ وہاں سے بند کرائی تھی۔

فون بجا اٹھا۔ مثنی بہت زور سے بئی تھی۔

مگر اس وقت اسے مثنیٰ سے بے حد کوفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہماری بن کر سلائیاں چلانے میں مصروف

تھی۔ ایک گھنٹے میں کتنی بار فون سننے لگی تھی۔ جن میں سے اکثر رائگ نمبر تھے۔

جب مثنیٰ کتنی جلی گئی تو وہ ان سلائیاں ایک طرف رکھانے لگی۔ پھر دیکھا مانی سے بے خبر ہاں کو کچھ کر بولی۔

"اما بیٹے۔ دیکھیے فون پر کون ہے۔"

ہاں فوراً اٹھ گئی مگر اس کے چہرہ تی دی کی سمت ہی رہا کوئی ہفتہ وار کا فون قلم بل رہی تھی۔ وہ فون کے پاس

بچتی ہی تھی۔

کما ہنہ پسندیدہ گولڈن ڈرائنگ گاؤن میں حسن نے اندر داخل ہو کر فوراً سیور اٹھا لیا۔

"بیٹو۔" اس کی آواز میں جھٹلاہٹ تھی۔

"وہ۔ اسلام ملے گی۔"

"نہیں ای ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ سب لوگ فون سے دور تھے۔ شاید کمروں میں۔ لابی سے کچھ لیٹھیں

کی گھنٹی کمروں میں اور کہاں سنائی دیتی ہے۔ آپ ہی کی مرضی کے مطابق فون سیٹ رکھا گیا تھا۔

آپ ہی نے فرمایا تھا کہ کمروں میں سیٹ رکھنے سے نیند خراب ہوتی ہے۔

ابھی پائلس فون تھا کہ وہیں۔ یہ تائیں سب خبریت ہے۔ ۴۔

اوہ۔ یہ تو خوش خبری ہوئی۔ بہت بڑی خوش خبری۔ صمد کو میری جانب سے بہت بہت مبارکباد۔ اگر مگر یہ

جس صمد تو پائلس۔ دو چار باتیں ہی ہو جائیں بہت خوشی ہوئی سن کر کہ اب ان کی طبیعت بہتر ہے؟





وہ مسکرا دی۔ کپ اٹھایا۔ "بہت شکرت ہے ہوائی۔ بھائی کے اسے کام کرتے تھے۔ اور بھائی کا ایک اور ساتھی نہیں ملتا سکتے۔" وہ باہر نکلی۔

بے خوفی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"بھئی مانی میں نے پر سون نہیں ایک چیک دیا تھا جمع کرانے کے لیے۔ کیا ہوا۔"

وہ مانی نہیں تھی لہذا خاموشی رہی۔

"یار۔ ایک ذرا سا کام تھا۔" حسن نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔

وہ جھک کر چائے سا بیڈ بچل پر رکھ دی تھی۔

اس نے سیاہ شلوار قمیض پر سرخ شال اوڑھ کر رکھی تھی۔

وہ سیاہ سوٹ۔ جس کے گہرے نیلے پردہ امراض کرتا تھا۔ جس کے رنگ پر اسے کھٹ محسوس ہوتی تھی۔ جس پر وہ کہا کرتا تھا۔

"مت پہتا کرو۔ مانی لباس۔ ایسا لگتا ہے۔ میرا سوگ منا رہی ہو۔" عمو ناوہ سخت سردیوں میں سیاہ لباس استعمال کر لیتی تھی۔ اس کا خیال تھا سیاہ کپڑوں میں سردی زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔

وہ ایک کھلے دماغ کی مالک تھی ان ادبیات توہمات سے بہت پرے۔ حالانکہ سیاہ رنگ اس پر بہت کھٹا تھا۔ دو دھیا رنگت کو کوئی کی آب دہوانے لگا بی کر دیا تھا۔ اس خوبصورت لباس میں اس کی گردن موم سے بنی گئی تھی اور چہرہ مزید سفید و گلابی۔

اس نے تقریباً سال بعد یہ کپڑے استعمال کیے تھے۔ بلا سوچے کبھے۔ حسن نے اپنی "چ" دیکھ کر اپنے اندر کڑواہٹ کھلتی محسوس کی۔

یہ نظم۔ یہ افکار۔ شہلا۔ یہ تہیاری انا۔ اس سیاہ رنگ سے بھی زیادہ میرے اعصاب چٹکتی ہیں۔

اس نے فائل بند کر دی۔ وہ واپس جا چکی تھی۔

اس نے چائے کو یوں گھرا جیسے وہ شہلا ہو۔

ہونجہ۔ شہلا۔ لوگ یہی کہتے تھے کہ تھائی ہوتی ہیں۔ نامور یہی کہتے تھے۔

دماغ خراب ہوتا ہے نامور عورتوں کا۔

ملک نواز۔ میری چہ ہے۔ وہ میری چہمت کے نیچے میری لاپٹی میں رات گزارتا ہے۔ مجھے عورت کی دلیل دینے کی عادت سے چہ ہے۔ تم ہر بات میں دلیلیں ڈھونڈتی ہو، دلیلیں دیتی ہو اور مجھے تمہارا سیاہ لباس پہنا کر ہر لگتا ہے۔ تم مجھے ہنسنے کہہ کھاتی ہو۔ یہ نظم اور افکار کے ہی تو انداز ہیں۔ اس نے مسک کر سوچا۔

اس نے واپس ڈرائنگ روم میں آ کر سامان سمیٹا۔ بچپن کو ان کے کمرے میں لانا یا عمو ناوہ خود بھی ان کے کمرے ہی میں سو جاتی تھی۔ مناجب تک وہ وہ جیتی رہی وہ اسے اپنے پاس ہی سلاتی تھی۔ حسن کے پر زور احتجاج کے باوجود کہ بچہ قید خراب کر دیتے ہیں۔ اس نے بچپن کے لیے اپنی جان گھائی تھی۔ اس گھر میں روپے کی کی نہیں تھی اس کے باوجود کسی کے ذہن میں آ جا کر کھینے کا خیال نہیں آیا۔ دن میں جتنی ملازم عورتیں آتی تھیں بچپن کے اکٹرا کام ہی کر دیا کرتی تھیں۔

اس نے خاص مشرقی انداز میں بچپن کی پرورش شروع کی تھی۔ انہیں کوئی گری دی تھی۔ اپنا وہ چلایا

فدا ان کو آداب سکھاتے تھے۔ ہر چند کہ بہت چھوٹی تھیں۔ ہاں کو تھے۔ وہ دوسری طرف ہار کر دیا تھا۔ انکی ہی پٹی دھب انکی ہاری چھوڑی خانی قوسب نے اختیار ناٹا مانتے کپتے۔ اور اپنے میں وہ اپنے اندر ایک لاپرواہ محسوس کرتی۔

ماس کی کسی سخت بات سے بچنے کے لیے اس نے بھی آپا وغیرہ کا کرنگ نہیں کیا۔ مہاجر ماس چار کھینے سے بچ کر آ جائیں۔ وہ بات ہی منہ سے کیوں نکالی جائے جو بے قدری کرانے۔ یوں گھر ملے ملازم تو کی تھے سوائے غائبان اور آج کے۔

اس نے بچپن کو سونے پر آمادہ کیا۔

ان سے فٹ کر ڈاکا جائزہ لیا۔ لہات آہنگی سے دروازہ کھول کر جھانکا تھا وہ کھٹ کے شلوار قمیض لال میں بے خبر سو رہی تھی اس نے کمرے میں آ کر اپنا شپ خرابی کا امیلا احوال لباس بدلنے کا ارادہ کیا۔ شال اتاری سو پڑا تارا۔ قمیض کی آستینیں کھین نکلتی تھیں۔ سفید جم جم کرتے بازو۔ بظاہر ہر اہمجان من کو کھٹ جانے لگے۔

وہ اس کی رست سے پیٹھ کیے ہوئے تھے۔ دو بچپن کی ماں کا انتہائی مناسب سراپا۔ دو دھیا گردن اور چہرے کی جھک۔ جسے دیکھنے کو اس کا دل بے قرار ہو گیا۔

"ہونجہ۔" یہ اس قدر خوبصورت نہ ہوتی تو شاید اتنی گھنڈی بھی نہ ہوتی۔

آٹھ دلوں میں اس نے ایک ہار بھی نہیں جتنا کیا کہ وہ اپنی لٹلی پر نام ہے۔

شہلا نے وارڈ روم سے لباس نکالا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

"میرے خدشات کھٹ نہیں ہیں۔ تو تو کسی کو بھی پاگل کر سکتی ہے۔ میں حیرت انگیز سنہاں ہوں تیری کھٹ میں میری بات ہی نہیں آتی۔"

تو تو چیز ہی ایسی ہے شہلا کہ لوگ مجھ سے حسد کریں اور اپنی قسمت کو کوئیں۔ ہمارا خاندان کس قدر بڑا ہے۔ محرومی ہی تیرے مقابلے پر نہیں۔ لہذا میں اپنی انا کی حسدیں کے لیے تیری جانب سے پار ہار اٹھا رعبت چاہوں گا۔ انا۔ ہر کی انا۔ کوڑیاں گ سے زیادہ زہریلی ہوتی ہے جس کا کاٹ پانی نہیں مانتا۔ مم۔ میں۔ میں۔ خود کو بہت کھٹا تا ہوں شہلا۔ "مگر میں حقیقتوں کو دہر کچھ کر بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

تجھے بار بار احساس دلانا ہو گا کہ تو مجھ سے اسی طرح محبت کرتی ہے جیسے کہ میں کرتا ہوں۔ وہ آج اس کے خیمے سے بے قرار تھا۔ سو تو دلیلیں نکالی تھیں دل نے۔ خود کو تسلیم دینے کے سوا ہانے۔ جائز قرار دینے کے ہزار ہزار آخر کوئی آ کر کہیں جتا کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ تیرا قدر دان ہے۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔"

وہ سردی کی وجہ سے اپنے بازو لپیٹنے ہی کرتی ڈرائنگ روم سے باہر آئی اور صوفے سے شال اٹھا کر اچھی طرح لٹکی اور باہر نکلی گئی۔ حالانکہ بچپن کے کمرے میں اور حسن کا جی چاہا۔ کہ وہ اس خودی کے نقشے میں چور عورت کو جان سے ختم کر دے۔ محبت انتہا پسندوں کے لیے سزا ہوتی ہے۔

☆☆☆

وہ ان کے پاس لاؤنج میں آ گئی۔

"مانی۔"

"جی ہاں مانی۔"



"مائی۔ آپ نہیں آئیں۔ تم نہیں ریل گاڑی میں چھوڑنے کے لئے تھے۔"

"نہیں شریانی۔ ہوائی جہاز میں۔" وہ مسکرایا۔

"ہوائی جہاز۔ وہ جہاز کا نچا اڑتا ہے۔" خوف سے شریانی آنکھیں پھیل گئیں۔

"مائی۔ اگر آپ اور آپ کے۔" وہ دہانسی ہو گئی۔

"نہیں۔ جاتی۔ اور بھی بہت سے لوگ جاتے ہیں جہاز میں۔"

"وہ پتے دیے ہوں گے مائی۔ آپ سامنی ہیں اگر جہاز کر گیا۔"

وہ سخت پریشان تھی۔

"خدا نہ کرے۔ جاتی۔ بس آنے ہی والی ہیں آپ کی آپ۔"

"پتا نہیں۔ کب آئیں گی روز کہتے ہو کہ۔ آنے والی ہیں۔"

بچی جان نے فون پر بتایا تھا کہ وہ عالیہ کو لے کر ہی آئیں گے اور کوشش کریں گی کہ صوبہ ان کے ساتھ آجائیں۔ اس نے مائی کو بتا دیا تھا۔

"چلو اچھا ہے عالیہ بھی آ رہی ہے۔ اب تمہارا کام بھی کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ارے بھابی۔ کوشش۔ اسرنگ کیسے۔"

"اچھا یعنی اسرنگ ہی سکھا۔ ویسے میں جو سے خبر لیتی رہتی ہوں اس کی۔ بہت سی معلومات فراہم کی ہیں۔"

نہجئے۔

"مائی۔ جی میں نے ایک نظر میں دیکھ لیا تھا کہ کوئی اس کا ہوا نہیں چاہتا۔"

"میں تو چاہتا ہوں۔"

اس کی بے ساختگی پر شہلا ہنس پڑی۔

"بے خوف۔ میرا مطلب ہے وہ معنوی رشتوں میں بکڑی ہوئی ہے کوئی بھی اس کا خیر خواہ نہیں دکھائی دیتا۔ تم میں ماشاء اللہ کوئی کی نہیں۔ اس کی سوتیلی بہن جن کے انداز میں دیکھ رہی ہو کبھی نہیں چاہیں گی کہ ساتھ کو

اتکا چھوڑیں ساقھی ملے۔ ہم اپنے گھر سے تو نشت لیں گے مائی عمران لوگوں سے؟"

"نہیک ہے۔ آپ لوگ یہ کہہ دیجئے گا کہ میں ایشیو ٹیسٹ ہوں۔ آٹھ سو روپے ماہوار آمدنی ہے۔ بہت

غریب ہوں۔"

"ہوں۔ ایسے نہیں چلے گا۔ اس کی ہی آخر یہاں رہ کر دیکھ کر گئی ہیں۔ ساتھ کے حالات کا اندازہ کر کے جا

نہرا خود بھی بہت ہی چاہتا ہے کہ اسے اپنی دہرائی بنا کر لے آؤں۔ اس کے دل سے تمام غم و مایاں مٹا دوں۔ چاہیں

کیوں مجھے اس لڑکی سے اس قدر انسیت محسوس ہوتی ہے۔"

"مائی کیا چاہ اس کے لیے تمہارا سہل میں۔ یا پھر محض اس کی عقل دیکھ کر۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ بھابی۔ بولنے والی میں ایک سے ایک سین لڑکی تھی شاید ساتھ سے بھی لاپرواہ ہوتی۔"

وہ بڑا اچھا مذاکرہ کرتا تھا۔ اور شہلا کے "اندازے" سن کر ہنسنے لگی۔ وہ خاموشی سے شک میں مصروف ہو گئی۔

"مائی! میری بیٹی کے اسکول شوز بالکل خراب ہو گئے ہیں۔ اب میں اس قدر مصروف ہوں۔ وہ سخت بے

برکت بن گئی ہے۔ کما می یہ شوز اچھے نہیں۔ اپنے باپ کی طرح ہر چیز میں خلافت چاہتی ہے۔"

مائی نے مسکرا کر خند چڑھ کر کہا۔ شہلا کے چہرے کڑی مسکرائی ہوئی تھی۔

"اور محترمہ! غل غل ہانکے والہ صاحب آپ کے چہرے کڑے اپنی طرف سے کرنا شروع کر رہے ہیں۔"

وہ بڑی بے خبری کی کیفیت میں تھی۔ وہ پتوں اکٹھا کرنا ایک پتہ اگر آتا تھا۔ شاید پتہ اگر دیا نہیں تھا

بہت سی جھپٹیں تھیں تھیں۔ مائی کی بات پر بھی وہ پتوں میں گھن تھی۔

"چیک کا کیا ہوا پار۔" حسن کی بھاری اور عجیبہ آواز اس کی پشت سے ابھری۔ تو وہ چونک گئی۔ عمر ہی

زادے سے بھلی رہی۔

"چیک تو جمع کر دیا تھا۔ لاہور برائے سے الٹا ہوتا تھا۔ لہذا۔ اور میں دن تو لگتی تھی۔ قند چن ہو گئی

ہے۔ رقم آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو گئی ہے۔ میں آپ کو بتانے ہی آرہا تھا۔" مائی کی گھر میں کے سامنے ہی دھڑکی

حسن کی ہلچل کی اور مائی کی شوخی۔ دونوں بھائیوں کے حواص میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ بھائی کے سامنے تو مائی بڑا اچھا

نظر آتا تھا۔ حالانکہ حسن اس کی فطرت سے غریبی واقف تھے۔ کئی برس پہلے حسن کو آج بھی یاد تھے مائی کے ہنسیوں پر

کے بے ساختہ ہنسی آتی تھی۔ وہ حسن کا احترام کرتا تھا۔ اس خصوصیت کی بنا پر وہ حسن کو اور زیادہ عزیز تھا۔

اس نے بھی کبھی بھائیوں کے تعلقات کے درمیان آنے کی کوشش نہیں کی تھی جیسے کہ عموں اور تیس سسرال میں

داخل ہوتے ہی کرتی ہیں۔

حالانکہ حسن کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ کوئی ان کی چیزیں استعمال کرے مگر یہ ندرت کے دور میں اس نے کئی

بار حسن کی ٹائیاں۔ غیر ملکی ٹیسٹ سوپ کے جوتے۔ ٹائی بیٹس۔ کف ٹکس استعمال کیے تھے۔ حالانکہ ان ہی چیزوں کا

خود اس کے پاس بھی اٹنا تھا۔

شہلا نے بھی حسن کو بھابی نہیں لگائی کہ صاحب آپ کی پسندیدہ چیزوں کی خوب قیمت وصول کی جا رہی

ہے۔ وہ "میرا پیٹا بہت ہے جہاں تک پہنچے۔" کی کھل کر تھہرتی۔

وہ اپنی مصروفیات اور چھانٹنے پر کسی میڈل کی طالب نہیں تھی۔ لیکن ایک آرزو اپنے کی طرح اس کے دل میں

بسکتی تھی کہ اس کے عہد سے بھرے دل کی قدر کی جائے۔ اس کے غلوں پر کبھی شک نہ کیا جائے۔ اسے اپنی کسی چیز پر ناز نہیں

تھا۔ ناز تھا تو صرف اس بات پر کہ خدا نے اسے ایسا دل عطا کیا ہے جو محبت اور امن کی تفصیلاً کا طالب ہے۔ اس کی محبت اور

غلوں انسانوں کو خانوں میں بانٹ کر نہیں دیکھتے۔

اس کا قلب۔ رشتے۔ شفیق ہے۔

پر غلوں ہے۔ بھر رہا ہے۔

اسے کسی سے حسد نہیں ہے۔

اس کا دل کسی انعام۔ کسی مقابلے کی آگ میں نہیں جلتا۔

اس کا دل کینے و فطرت کی دیمک سے محفوظ ہے۔

حسن تمہارا روپہ بھر سے ساتھ سراسر ظلم ہے۔

بھم۔ یا تو محبت کر۔ یا پھر ظلم۔ یہ ایک کواری اور حاریر کیوں نکالی ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ۔ جو قدر دانوں کے چر رہے ہیں۔ میں سوچتی ہوں حسن۔ تم تو کبھی بھی مجھے

اڑا کے۔ میں۔ جیسے۔ کیسے۔ جی۔ یہ مگر تو مجھے انہی تھکے لگے ہوئے اس کے پیچھے کڑا کر بھائی سے بات کر

کے چلا بھی گیا۔

وہ اس کی خوشبو سے ہاتیں کر رہی تھی۔

"مائی۔ دیکھو، ریا آ رہی ہے۔ گیت میں تانا ڈال دو۔"

اس نے برآمدے میں ریا کی ہلکی کی کوٹھی آواز سن کر مائی سے کہا۔

☆☆☆

اس کی آنکھوں میں مونے مونے آنسو آ گئے۔

مائی کڑھ کر رہ گیا۔

"آئیں ریا مائی میں آپ کی بات کروانا ہوں۔" وہ اسے بازوؤں میں قہقہہ کرنا شروع کر دیا۔

مائی غصے سے کہنے لگی کہ وہ اس کی بات نہ کرے گی۔ وہ اسے انہی قدرتی چیزوں میں شامل سمجھتی تھی جو وہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے دیکھ رہی تھی۔ بلکہ چار سال کے بعد سے اس نے ہوش سنبھالا ہی کہاں تھا۔ مائی اسے لے کر لابی میں گیا تھا۔ جہاں سے ریا کی بے ربط باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

مائی نے اس کی بات کرنا ہی نہیں چاہی۔ ریا نے ایک ہی جملہ بار بار بولا تھا۔

"آپا گھر آ جاؤ۔"

مائی خدا معلوم کہاں چلا گیا۔ ریا پھر اس کے قریب چلی آئی۔

مائی نے مٹی کی کھوٹوں سے کھیل رہی تھی لاؤ لٹچ میں ایک سناٹا سا طاری تھا۔ شہلا کے ایک دو بار کے اصرار کے بعد سے ریا اس سے ڈرنے لگی تھی۔

اس نے پھولے پھولے رخساروں والی مٹک سے عجیب و غریب آوازیں نکالتی تھا تو دیکھا۔

"دیکھو۔"

"تم سے کہا ہے ناں ریا۔ دلہن مت کہا کرو۔ دلہن بھابھی کہہ لیا کرو۔"

"آپا بھی تو دلہن کہتی ہیں۔"

"جین تم دلہن بھابھی کہا کرو۔" وہ تیزی سے جھیل کے مراحل طے کرتے ہیں اور گونا گونے لگی۔

"دلہن۔"

"وہ خاموش رہی۔"

"دلہن بھابھی۔"

"ہوں۔"

"میں۔" یہ لے لوں۔ اس نے مٹک کی سمت اشارہ کیا۔

"اس کا نام دتا ہے ریا۔"

"مجھے تو نہیں پتا۔"

"میں بتا رہی ہوں ناں۔ اس کا نام دتا ہے۔" اس نے گھٹنے کے نیچے سے اس کا گولا لٹکائے ہوئے کہا۔

"میں دتا لے لوں۔"

"تم نہیں اس کے پاس بیٹھ کر اس کے ساتھ کھیلو۔ لے کر جاؤ گی تو یہ دے لے گی گی۔"

"میں اسے بھائی کے کمرے میں لے جاؤں گی۔"

"نہیں بھائی کمرے میں لے گے۔ وہ کام کر رہے ہیں۔"

ریا نے دنا کو گود میں بھر لیا۔

اس سے پہلے کہ اس کی کچھ میں کچھ آتا۔ وہ دم۔ دم کرتی رہنے لگی۔

اس نے جلدی جلدی اون سلاٹیاں کھینچیں اور خدا سے پناہ کی دعا کرتی رہنے کی سہ پہلی۔ اس نے دھڑ دھڑ

دیکھا۔ پھر اپنے کمرے میں بھاگتا۔

واقعہ و عریض بینہ پر حسن ایک مست نقشے و چارٹ پھیلائے بیٹھے تھے۔ دوسرے سرے پر ریا اور دنا بیٹھی

تھیں۔ ریا بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

"بھائی۔"

"ہوں۔" حسن کا اپنا مصروف انداز تھا۔

"بھائی۔ یہ دنا بیٹھی ہے ناں۔" وہ معصوم سے انداز میں گویا ہوئی۔

"تم پر گئی ہے۔ تم بھی تو بیٹھی ہو۔" حسن نے مصروف کھوں میں سے ایک کمرہ کن پر قہقہہ کیا۔

وہ اندر چلی آئی۔

"ریا۔ آؤ نیچے چل کر بیٹھنے ہیں۔ ٹی وی دیکھتے ہیں۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ نہیں جاؤں گی۔" وہ بیانی انداز میں بیٹھنے لگی۔

اس نے حاکم اٹھانا چاہا تو ریا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"بھئی کیا مصیبت ہے ریا۔ اس سارے کمرے میں کیا میں ہی غلط ہوں۔" اس کا ذہن جھٹکا گیا۔

اس نے ریا کو ایک طرف کیا اور دنا کو اٹھالیا۔ "ایک طرف بنو۔ خیردار جو آئندہ دنا کو گود میں اٹھا یا تم نے مجھے

اگر سکون نہیں مل سکتا تو کم از کم میرے بچوں کو مل جائے۔" جانے کب کا بھارت تھا جس کے ان جملوں میں بہت لگا تھا۔

اس نے ریا کو جھٹکا دیا تھا۔ وہ سہم کر ایک کونے میں بک گئی تھی۔ ریا آج تک اس خوبصورت لیکن اہشی لڑکی

کو وہی طور پر قبول نہ کر پائی تھی اس کا ذہن اسی کونج میں لگا رہتا تھا کہ یہ لڑکی اس کمرے میں کیوں آئی۔ ایک دم اہشی۔ اور آ

کمرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگی۔ کھانا کھانے لگی۔ کمرے پر غم چلانے لگی۔

وہ بکر بکر شہلا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی اپنائیت کے بعد یہ سرور دیا سے مارا ڈالتا تھا۔

وہ دنا کو گود میں بھر کر باہر لے گئی۔

حسن نے گردن موڑ کر جاتی ہوئی شہلا کو دیکھا۔

"سکتی۔ نئی عورت آئی تھی ابھی کمرے میں۔ یہاں۔ اور۔" اس نے کمرے میں نظر دوڑائی۔

"ریا۔" یہی بات ہے بچوں کو تک نہیں کرتے۔

"بھائی کیا لکھ رہے ہو۔" اس نے چارٹ اٹھالیا۔

"کام کر رہا ہوں۔ دیکھو جی میں اور اور نہ کرونا میری۔" اس کا ذہن ایک مرتبہ پھر مصروف ہو گیا تھا۔ پھر

چند کہ "نئی عورت" اسے بے حد مضرب کر گئی تھی۔



"ابہائی۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ میرے ساتھ چلیں۔ میں بہترین ڈاکٹر سے علاج کرواؤں گا مگر آپ ہیں کہ۔"

"دیکھ پتر نواز۔ کڑی انصافی ہے میں نے پنکا بھلا ہوں اب۔ اب کیا کروں گا اتنی دور جا کر۔ جو ہم جے کر رہے ہیں وہ تو نہیں ٹھیک رہا۔"

"ابہائی۔ میں نے آپ سے ضد تو نہیں بانڈی ہوئی۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں۔"

"میرا ارادہ باہر۔ یورپ جانے کا ہے۔ میں وہاں ملازمت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی میرا شوق ہے۔"

"دیکھ پتر۔ اب تو ہمیں اپنے شوق کے پیچھے اور نہ بھاگ۔ تھک گئے ہم تو تیری مان مان کر۔ پہلے کہتا تھا چھوٹا بچہ ہوں گا۔ چل بھائی پنڈے لے۔ پھر کہا۔ رسالے میں کام کر رہا ہوں۔ فرصت نہیں ہے۔ مگر کا انتظام نہیں ہے۔ ابھی عورت کو نہیں بلا سکتا۔ تیری یہ بھی مانی لی۔ سب توں چھوٹا پتر ہے میرا۔ بہت مانی ہیں تیری۔ اب بس کر۔ دیکھ پیسے لے جا۔ مکان خرید لے۔ کیوں در بدر پھرنے کی قسم کھاتی ہے۔ گھر بنا۔ گھر بنی عمر ہوتی ہے۔"

"گھر بنی۔ بنے۔ ابہائی۔ مت مجھے مجبور کریں یہ لگی بندھی زندگی گزارنے پر۔ میں ابھی بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بھلا گیا۔

"مثلاً کیا کرنا چاہتا ہے؟ ایک اور پاکستان بنانے کا۔ یا کسی پارٹی کا ٹکٹ خرید کر انتخاب لڑے گا۔ اور بے پروا بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"سب کر رہے ہیں ابہائی یہ کام۔ کوئی نئے کام نہیں کر رہے ہیں اگر لوگ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"

"میری تو سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ آخروہ نیا نوا کون سا کام ہے؟" ملک شہباز کو واقعی تعجب ہوا۔

"ابہائی۔ یہ جو انسان کا ذہن ہے۔ وہ چیزیں دیکھتا ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آ رہی ہوتیں۔ ان کاموں کی ترغیب دیتا ہے جن کے سرے کچھ میں نہیں آتے۔ بہت ساری چیزیں۔ بالکل اسی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں جیسے۔ یہ جنگ۔ یہ کتاب۔ یہ حق مجھے اپنے سامنے رکھا نظر آ رہا ہے۔ جو میرے ذہن میں ہے میں اسے جسم و دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ خود کھائی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

ملک شہباز کی آنکھیں حیرانی سے پھٹ گئی تھیں۔

"اوتے زیادہ چمکنے سے بھی آدمی کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ سنا۔"

"شاید ابہائی" میں اپنی اس بے قراری کو تاش حق کا نام بھی نہیں دے سکتا کہ میں بہر حال اپنے روحانی مرکز سے ہٹ کر نہیں سوچتا۔ نفسانی خواہشات میرے وجود میں پھیل بیٹھ کر رہتی رہتی ہیں۔"

"جب ہی کہہ رہا ہوں جو کو ساتھ لے جا۔ کچھ اور دن اکٹھا رہ گیا تو" ملک صاحب کو اس کی جانب سے مزید تشویش ہو چکی تھی۔

"لاحول ولاقوتہ۔ پھر وہیں آ کر تنہا ہونی چاہیے۔"

اب مجھے اجازت دیں ابہائی۔ میں جلدی جلدی آتا ہوں گا۔

"میرے آگے ہم نئی ہو جاتے ہیں نواز۔ تو اس کمزوری سے خوب فیوہ (فائدہ) اٹھاتا ہے۔ اب تو تو جا رہا ہے۔ یاد رکھا ہے زیادہ سال ٹول نہیں ہوگی میں خود کو کھانے کو کراچی آ جاؤں گا۔ حق تو کہاں تک چلتا ہے۔" وہ مکمل کر گئے۔

"ابہائی۔ مجھے انسانوں سے پرہیز تو نہیں ہے۔ سمجھیں ابہائی۔ میری کچھ باتیں ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔"

"اپنے باپ کو ہی طے کرنا ہے خوف۔ میں تیری باتوں میں نہیں آئے وال۔" ملک نے ہاتھ بٹکے اور وہ

گئی تھیں۔

"چوہ۔ تیری عورت ہے۔ تیری آمداری۔ ہم نے عمر بھر کا طے کیا ہے ہاں۔" ملک نے طے سے میں تھیں۔

"تو۔ میں نے کب کہا تھا آپ لوگوں سے کہ میری شادی کروں۔"

"ہا۔ آ۔ لے۔ لے۔" ملک نے ہاتھ کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اپنے منہ سے تو کوئی نہیں کہتا کہ

میری شادی کرو۔ یہ تو میں باپ کا فرض ہوتا ہے۔ کھانا بنایا۔

"اماں ابی۔ آپ کے فرض پورے ہو گئے۔ بہت ہے۔ مجھ پر زبردستی نہ کریں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"نیک بختے۔ نہ شک کر۔ اسے۔ جاہل نہیں ہے یہ۔"

"شک نہ کروں۔ وہ چوں کے ماں بی۔ روزانی (بی) پوچھتے ہیں۔ وہی ہے ان کی۔ مگر تو ہوگی نہیں۔ تھ

سے ملے تھے رات؟" ملک نے کوسا یاد آیا۔

"ہوں۔"

"کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہی جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں۔"

"وہ بھی ہے اور کوئی ہوتا کدی (کبھی) کا وہی کو واپس لے جاتا۔"

"تو لے جا نہیں۔" ملک نواز کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

ملک شہباز کو جیسے کرنٹ لگ گیا۔

"یہ عزت داروں کے ہاں نہیں ہوتا۔ آکھ و سوج کے بولنا۔ ہمارے ہاں سات چشتوں میں عورت مڑ کے

ماں بی کے گھر نہیں گئی۔"

"تو سات چشتوں کے ہاں یہ وقت و حالات بھی نہیں ہوں گے۔ ہر پشت بلکہ ہر انسان کا اپنا اپنا جہنم ہوتا ہے۔"

"کری نہ کھائیں ابہائی۔"

"چنبی گھاں کروا لے۔" ملک نے مارے غصے کے سر پر دو پنہ مہلایا۔ جہاں کرنا۔ پھر بھایا۔

"دو مینے ہونکی تاریخ دے دی ہے ہم نے رفیقہ کی۔" ملک صاحب نے غصے پر قابو پا کر موضوع حق بدل

لیا۔ وہ بیٹے کو رخصت کرتے وقت بدحرکی پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"ابہائی۔"

"ہاں پتر۔"

"ابہائی۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ جو کو ضائع نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کوئی اور اسے وہ سب کچھ

اسے اسے جو میں ساری عمر نہ دے پاؤں۔" اس نے وہ آگ جو پانچ سال سے اپنے اندر دھکا رکھی تھی باہر نکال کر ملک

شہباز کے گھر میں پھیلا دی۔

ملک نے سر پر گویا بیٹے نے گولہ ساڑے مارا تھا۔





پیارے بچے۔ ایک ہم ہیں۔"

"اے غمزدگان دنیا۔ تمہیں بھی اللہ سب کچھ دے گا۔ اتنی غلت بھی ہو چکی ہے۔"

"بھابھی۔ روز ایک حوض کا سا لگ جاتا ہے۔ اور سے کوئی خبر نہ آ جاتے۔"

"اگر ایسا ہو گیا۔ بھابھی تو مجھے سب سے احسان کا شکر ہے کی۔"

"اے۔ اے۔ یہ سچ کچھ۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں اپنا جانب سے کوئی سر نہیں چھوڑوں گی۔ آگے یا مقدر یا نصیب۔ چلو اب بیٹہ جاؤ۔ تاشیر کرو۔"

"مجھے تو واقعی حیرانی ہو رہی ہے۔ بڑی غصہ کی چیز ہے یہ سارو۔ اٹنے والے گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالنا۔ بہت بڑا کارنامہ ہے۔"

اس نے ٹوستر سے ٹوستر نکال کر مانی کے سامنے پلٹ میں رکھے۔

"آج ہی بات کر لیجئے گا بھابھی۔ اسی سے۔"

"آج وہ کچھ سننے کے سوا میں نہیں ہوں گی بلکہ ایک ہلنے تک نہیں ہوں گی۔ آج تو آپ بس نہیں بہنوئی اور بھابھی کی باتیں سننے کا۔" اس نے کھل کلا چنگ لگا دیا اور سوچا کہ آج کیا کرے۔

"بعض اوقات والدین اپنے تمام کیے کرانے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ کس کام کی ایسی محبت جو بندے کی زندگی ہی تنگ کر دے۔"

"ایسے نہیں کہتے مانی۔ ماں باپ بھی غم نہیں کرتے۔ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں جو فیصلہ کرتے ہیں بعض اوقات وہ عمر اور تجربے کی کمی کے سبب کچھ میں نہیں آتا۔"

"تم پہلے سے ہی اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو۔؟"

اسے مانی کے گم سم سے انداز پر تس مانتا گیا۔

یہی بل سرخا کی دھار تھی جس پر بھی وہ بھی چلی تھی۔ وہ جاتی تھی۔ سردیوں کی سیارہوں میں ایک تھا عشق آشاں کی پر کیا گزرتی ہے؟ جب کہ کمرے میں۔ مستحق کا نقش ہر لمحہ ہوتا ہے۔

مانی نے بھابھی سے کچھ نہیں کہا تھا۔

لیکن اس کی سوچتی آنکھوں نے بتا دیا تھا کہ وہ رات گئے تک سو نہیں سکا۔

☆☆☆

"میلی بات تو یہ کہ آج اس نے باہر شادی کرنے کے بارے میں سوچا ہی کیوں۔؟"

چیٹی جان تو اسے سے ہی اکڑ گئی تھیں۔

نئی اور رات کو وہ سرخا کی تھیں۔ تین چار دن خبر کرنے کے بعد شہلا اور عالی نے مشورے کے بعد صوبہ سیکھتی چیٹی جان کے سر پر گویا علم بردار اٹھا۔

"اور لیکن تم جس نام ہی کی بڑی ہو گیا۔ آخر میں نے تم پر پہلے ہی بتا دیا تھا کہ خاندان سے باہر تو میں نے مانی کی شادی کرنی ہی نہیں۔"

"تو چیٹی جان میں نے تو سارو کا انتخاب نہیں کیا۔ مانی کی پسند ہے۔"

"ارے اب تک سب نے اپنی اپنی پسند ہی آگے رکھی ہے۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔ ستارہ کی بیٹی میں نے

کہتے غمزدگان میں رکھی ہوئی ہے۔ کس قدر خوبصورت۔"

"مگر مانی بھابی صرف اور صرف سارو سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اے۔ عقل تو اسے پوری طرح آتی نہیں۔ لگتا ہے لڑکیاں پسند کرنے۔"

"اسی لڑکیاں نہیں۔ لڑکی۔"

"بس کرو عالی۔ بہت ہی زبان بکڑنے لگی ہو۔ بیاتنا بیٹی ماں کی ماں نہیں بن جائی کرتی۔" انہوں نے پیش میں عالی کو بھی بھلا چلائی۔

"اے۔ آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آتا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مانی بھابی نے سارا کہہ دیا ہے وہ سارو کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے۔"

"کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں سارو میں۔ اس سے لاکھ روپے زیادہ حسین خاندان میں بھری چلی ہیں۔ ارے اسے کیا چاہا۔ باہر شادی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نئے خاندان سے تازہ ہوتا۔ ماشاء اللہ اچھا خاندان تو

یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اب جو بچوں کو باہر بیادوں تو اتنا ہی بڑا ایک اور خاندان میرے سر پر۔ یہ لیکن کا بہنوئی۔ یہ لیکن کا بچہ یہ لیکن کے باپ کا بچا۔ ناہا۔ خاندان میں شادی ہو تو سب اپنے بس میں ہو جاتا ہے۔ لیکن

کانہیاں تو دولہا کا دروہیاں۔ لیکن کا دروہیاں تو دولہا کا خضیاں۔ باہر شادی کرنا کھیل کھلایا ہے۔ ہونہ۔ شہلا اور عالی چیٹی جان کی دور اندیشی کی قائل ہو گئیں۔

"ارے وہ تو لڑکی نے کرایک طرف ہو جائے گا۔ نئے خاندان کی جو تسلائی کو میں وہ جاؤں گی۔"

"مگر کیا کہوں مانی بھابی سے۔؟" عالی نے اڑتے اڑتے پوچھا۔

"تم نے کیا کہنا ہے میں خود ہی پٹ لوں گی۔" چیٹی جان کے لہجے میں خاندان کا چھین چھان کا احترام تھا۔ وہاں جاتی تھیں۔ مانی بھی ان ہی کا بیٹا ہے۔

شام کی بجائے مانی نے دولوں کے تاثرات ان کے چروں سے جانتا چاہا ہے۔ مگر دولوں کے چروے بے اثر تھے۔ خاندانوں پر پوری طرح نامیہ نہیں جس میں ابھی۔

عالی نے اشارے کنایوں میں بتا دیا کہ کماطر راجہ شایہ آج ہی رات کو بنگالی اہلاس طلب فرمائیں گے اس کا انداز اس نے ماں کے چہرے سے بھی کر لیا تھا۔

یہی ہوا۔ اس نے اور عالی نے دیکھا کہ رات کو اس بچے مانی کو چیٹی جان نے کمرے میں بلوا بھیجا ہے۔

دو دولوں زار یک نغمے بچوں کی طرح دروازے کے پیچھے آکھڑی ہوئیں۔

یہ آپ نے آدھی رات کو کچھ سے کون سے نئے کماٹوں کا حساب کرانا ہے۔ مانی نے ذرا اداکاری کی۔

"کھاتے تو خیر کھلیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ یہ تم نے اپنی بھابھی سے کیا کہلوایا ہے۔؟"

"جو کہلوانا تھا وہ یقیناً بھابھی نے آپ سے کہہ دیا ہو گا۔" وہ ذرا سا بہادر ہو گیا۔

"لڑکے۔ عمر آگے سرکتی ہے تو مسئلہ بھی کچھ بدھتی ہے۔ ساری عمر ننھے بن کر کام نہیں چلتے۔"

"اے کہیں ہیں۔؟" مانی نے ایک دم بغیر حلقہ بات کی۔

"ابھیر ہی میں پٹنے طے مائل کر رہے ہیں۔ اس لیے تو مجھے یہ موقع ملا کہ تجھے سمجھاؤں ورت وہ بولنے دیتے تھے۔ میں جو کہوں گی وہ اس کا الٹ کریں گے۔ انہی کی حد کا نتیجہ تو ہے کہ بچے میرے من کو آ رہے ہیں۔"

انہیں معاشہ ہر کی زیادتیوں یاد آگئیں۔

"وہ کہو بیٹے۔۔۔ خاندان میں ایک سے ایک لڑکی موجود ہے جس کا نام لوگے وہیں سوال ادا ہوں گی مگر خاندان سے باہر ہرگز نہیں۔"

چیچی جان بھی مانی سے واقف تھیں اس لیے حراج کے خلاف نرمی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

"لڑکی تو خاص حسین بھی نہیں سارہ۔ لڑکیوں جیسی لڑکی ہے۔" انہوں نے بیٹے کا چہرہ دیکھی ساتھ ساتھ لڑکی۔

"میں نے کب کہا کہ وہ بے حد حسین ہے۔ میں اس وجہ سے تو اس سے شادی نہیں کر رہا۔"

"اسے تو کیا جائیداد بہت ہے۔؟" وہ بدستور تھابلی برت رہی تھیں۔

"بالکل نہیں۔"

"پھر۔"

"اُمی۔ میں نہایت شہیدگی سے بس آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھابھی سے کہلوایا ہے۔ وہ درست ہے۔ بس

"پھر میری بھی آخری بات سن لو۔ ہرگز غیر خاندان کی لڑکی نہیں لاؤں گی۔" وہ زیادہ دیر طبیعت پرچ

نہ کر سکیں۔ "لیکن مجھے اسی غیر خاندان کی لڑکی کو اپنانا ہے۔ غیر خاندان ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔"

"تو پھر جا کر بیاہ لاؤ۔ ہم تو کبھی بیاہنے نہیں جاتیں گے۔" انہوں نے وزنی لہجے میں دھمکی دی۔

"میں نے سوچ لیا تھا اُمی۔ اگر آپ نہیں مانتیں تو میں باہر چلا جاؤں گا۔ ساری زندگی صورت نہیں

دکھاؤں گا۔ میں نے کوئی ناجائز آرزو نہیں کی کوئی لطف کام نہیں کیا۔ میری کچھ میں نہیں آتا آپ لوگ محبت کی آڑ میں

اپنے بچوں پر اس قدر ظلم کیوں کرتے ہیں۔" مانی کا لہجہ آزدہ سا تھا۔

"میرے بیٹے۔ بات یہ ہے کہ بچوں کو سمجھ نہیں ہوتی اچھے برے کی۔ یہ تو بڑوں کا کام ہوتا ہے کہ بچوں کو

صحیح راہ دکھائیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر نرم پڑ گئیں۔

"آپ مجھے اس کی کوئی بھی برائی بتاویں۔ یقین کریں میں ضد نہیں کروں گا پھر۔" مانی کے سادہ انداز پر

ان کا کبیر پھٹنے لگا۔

"سب سے بڑی برائی تو یہ دینا۔ ہم ان کے خاندان کو نہیں جانتے۔ بعد میں نئی باتیں سامنے آئیں

تو کسی پریشانی ہوتی ہے۔"

"کبھی نئی باتیں۔"

"مثلاً۔ ذات پات۔ حیثیت و امارت کی۔"

"اُمی میں ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔"

"تو نہیں لاتا۔ ہم تو لاتے ہیں۔ اور ضمنی کی طرح سر پر رکھنا پڑتا ہے خاندان کو۔ تو یہی کوئے کر باہر

بھی چلا جائے گا تو کیا ہوا۔ یہی کا خاندان تو ہمارے سر پر ہوگا۔ رشتہ دار یاں بھانا آسان نہیں ہوتیں۔ تو خاندان ہی میں

سے کوئی لڑکی بتا۔ اپنے لوگ ہوتے ہیں۔ دیکھئے بھالے۔ نہ کچھ چھپانے کا خوف نہ سامنے رکھنے کا ارمان۔ نہ کوئی

تکلفات۔ نہ دسم و دراج کے اشتکالات۔ اب ہم نے حسن کی شادی کی، عالی کی، کی محسوس ہی نہیں ہوا کہ بیٹے بیاہ گیا

وہیے۔ بلکہ اس طرح رشتے اور زیادہ مضبوط ہی ہوئے ہیں۔"

مانی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ سچی باتیں دے رہی اُمی۔ فیصلہ تو ہو چکا۔ آپ لوگوں کی مرضی نہیں تو نہ کسی۔ شادی میں

نے ماروی سے کرنا چاہی۔ بس۔ اور نہ کسی سے بھی نہیں۔"

"آپ نے اب تک مجھ پر بھتی بی بی محبت کی چادر پھیلائی تھی ایک دوسرے کھٹکی ہے۔ کمال کی محبت تھی

آپ کی۔ آپ نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے محروم کیا ہے۔"

وہ تجزی سے باہر کی سمت بڑھتا تھا۔ شہلا اور عالیہ راجدھاری کے موٹ کی ادا میں دو گئیں۔ مانی کے حیرت و

ایسا چہرے کی آواز آئی۔ عالیہ نے شہلا کا ہاتھ دبا دیا۔

اپنے نام کے ایک ہی ہیں مانی بھائی۔ ان کی تو طرحی نہ کریں۔ جس طرح چادر مگر کی جان بیٹا میں ہوتی

تھی وہ کبھی میں اسی طرح اُمی کی جان ان میں ہے۔ دیکھ لیجئے گا۔ وہ نہیں گزریں گے کہ اُمی بھتیجا راجدھاری کی۔

کمال ہے مانی بھائی کی اتنی مستحکم پرورش ہے۔ پھر بھی اتنا ڈرتے ہیں۔" اس نے جواب سے کہا۔

وقت کتنی تیزی سے گزرا تھا کہ پتا نہیں چلا۔

ملک نو اڑ چالیس سال بعد وطن واپس لوٹا تھا۔ اس کا پر انداز پہلا سا تھا۔ پانچ سال قبل جو اس نے چھوٹا سا

بھائی تھا۔ وہ سیدھا وہیں آیا تھا۔ ایک ماہتا سے کی سطور جو مانی میں وہ بطور خاص مدد تھا۔ ماہتا سے کے مالک

سے اس کے گھر سے مراد تھے۔

قریب ایک فائونڈیشن ہوئی تھی۔ گزرے وقت نے اس کی پیشانی کی چند افقی لکیریں گہری کی تھیں۔

بالی ب بکھا ہی طرح تھا۔

مہمانان گرامی ماہتا سے کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہے تھے کہ بھلی دروازے سے ملک لواز کی "بچہ فرار"

داخل ہوئی۔ چاکلیٹ لکڑی ساڑھی، ہرنگ بلاؤز۔ پس سینڈل۔ اس پر گزرتے ماہ سال کا ہلکا سا کس نہیں پڑا تھا۔

کی کمرے اس کی سمت متوجہ ہوئے۔ فلیٹشور کی جھلکا ہٹ میں ایک لمبے تو وہ گویا روشنی میں نہائی۔ میرا بان نے آگے

بڑا کر استقبال کیا۔

کی خواتین بیٹوں سے اٹھ کر گر بھوشی سے ملیں۔

خوبصورت لبوں پر پڑی پرائیڈ علاق مسکراہٹ تھی۔

کئی لوگ اٹھ اٹھ کر اس کے پاس آ رہے تھے۔ اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ بھی آہستگی سے اٹھا۔ جھگوٹے ہاتھ

شمالیوں کا ایک سیلاب تھا۔ وہ اس سیلاب سے گزرتا ہوا اس کے پاس چلا آیا۔

"السلام علیکم۔ ما دام۔"

اس نے بے ساختہ چونک کر چہرہ اونچا کیا۔

"اوہ۔ ملک صاحب۔ وسیع السلام۔ بھئی کہاں ہوتے ہیں آپ۔؟" اس نے مسکرا کر اس کی

سمت دیکھا۔ "آپ نے کوشش تو کی ہوتی یہ جاننے کی کہ ہم کہاں ہوتے ہیں۔؟" اس کی بھاری اور خوبصورت آواز

مٹی خیزی ہو گئی۔

"واہ صاحب۔ یہ خوب کبھی۔ ہم نے تو کبھی بھی یہ کوشش نہیں کی۔ آپ اپنا پتا دیا کرتے تھے۔

اب تو بہت عرصے سے خاموشی ہے۔ (خدا کا شکر ہے) مگر صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ میگزین چھوڑ کر باہر چلے

گئے ہیں۔"



ملک نواز نے اس کے سب تکلف انداز کو جو رانی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ نہ تو بڑی راج رو نظر آتی تھی۔  
 "اور کیا حال ہیں آپ کے؟" وہ مسکرا رہا تھا۔ پر سرت انداز میں۔  
 اسی دم کسی پریس فوٹو گرافر نے دونوں کو انے گھرے میں مقید کر لیا۔

"بہت اچھے حال ہیں۔ بچیاں ڈرا بڑی ہو گئی ہیں تو کچھ ہوش آ رہا ہے۔ تین سال بعد کراچی آئی ہیں اور  
 کل ہفت کوچ سے واپسی ہے۔" اس نے ساتھ کھڑی ایک خاتون کو جسے ملکہ نواز نے دیکھا  
 "تشریف رکھیے۔" ملک نواز نے سیٹ کی سمت اشارہ کیا۔  
 وہ چٹوٹی۔ وہ مغل کی مقبول ترین "عاشق" تھی۔ تقریباً سب ہی لوگ اس کی سمت متوجہ ہوئے تھے۔  
 وہ سب سے اخلاق سے ملی تھی۔

کافی دور بعد جب سب ریفرشمنٹ کے لیے ہال میں آئے تو اسے پہلو میں خوبصورت سی مہک کا سامنا  
 ہوا۔ اس نے سرسری سے انداز میں گردن موڑ کر دیکھا۔  
 جعفری صاحب (فوٹو گرافر) کے ہمراہ ملک نواز ایک پلیٹ اٹھائے کھڑا تھا۔

"مسز حسن ملک صاحب اور آپ دونوں ہی مہمان خصوصی ہیں۔ ایسا کیجئے آپ ان کا خیال رکھیے۔ یہ  
 آپ کا۔ ملک صاحب۔ یہ کریم رول لہجے ہیں۔" جعفری صاحب نے کریم رول اٹھا کر ملک نواز کی پلیٹ میں رکھا۔  
 "شکریہ۔" اس نے سر کو ہلکا سا مڑ دیا۔  
 "آپ بھی تو کچھ لہجے ہاں مادام۔"

"لے رہی ہوں۔ آپ گلے کیجئے۔" اس نے لاپرواہی کے سے انداز میں کہا۔  
 "ناصر صاحب یہوشن میں باقاعدہ پرچہ بھیجتے ہیں۔ آپ کی فنی ترقی کا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔ مجھے بے  
 خوشی ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ آپ اپنے مخصوص معیار سے کم نظر نہیں آتیں۔ بلکہ یاد وہی نظر آتی ہیں۔"  
 "شکریہ۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا۔

"اچھا تو آپ ہوشن میں مقیم ہیں۔ میرے دیوارمان زید بھی وہیں مقیم ہیں۔"  
 "کیا کرتے ہیں؟" اس کی سیاہ مٹوڑ آنکھیں اس کی گھمیری پلکوں پر چھبر گئیں۔  
 "ٹیلی گراف میں ہیں۔"

"ہاں۔ بہت عرصہ ہو گیا ہے۔" اس کے تصور میں برسوں پہلے کے واقعات زعم و تصور میں گراے  
 آرزو کر گئے۔ "آپ کے صاحب کیسے ہیں؟" (وہ تو سکندر ہے ہاں خوشی اس کے گھر میں برسات کی پھواروں کی طرح  
 برتی ہوئی)

"بہت اچھے ہیں۔" اس نے چائے کا مٹوٹ بھر کر سامنے ایک شاسا خاتون کی سمت مسکرا کر دیکھنے  
 ہوئے کہا۔

"جی۔" اس نے کچھ دیکھتے ہوئے ملک نواز کی سمت دیکھا۔  
 "کچھ نہیں۔" وہ مسکرا کر ٹیپکین سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ کانوں میں پڑے سے سیرے کے آؤجوں کی  
 جگہ گاہٹ ملک نواز کی آنکھوں میں منعکس ہو رہی تھی۔  
 "مسز شہلا حسن۔" پیچھے سے ایک لڑکی بڑی پٹاٹا پٹاٹا شیشی نظر آ رہی تھی اس کے سامنے آگئی۔

"فریڈے۔"

"بہت اچھے آپ کا۔"

"جی جی ایسا کیا کر رہا ہے میں نے۔" وہ قہقہے سے ہنسی۔

"بہت اچھے آپ کا۔"

"بہت اچھے آپ کا۔"

"آپ کا نام؟"

"فرح حید۔"

"ایکس فرح۔" جی اسے یہاں نہ کیجئے۔ کل میں اپنی کزن کے ہاں مدعو ہوں۔ شام کو اپنی بہن کے  
 ہاں ملاقات کو رہا ہے۔ بچوں کے چچہ دہرے تھے اس کے دادا دادا دونوں کے لیے آئے چچا۔ ناصر صاحب میرے  
 کراہ مار شفیق سے انسان ہیں۔ بہت اصرار سے انہوں نے بلایا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی آنا ہو گا پھر کسی۔  
 بڑے بڑے کیجئے گا۔" اس نے بڑے پیار سے سمجھایا۔ اس بات کا بہت خوف رہتا تھا کہ کوئی بد ماغ مٹوڑ وغیرہ  
 نہ کہے۔ فرح تو اس کی محبت سے مکمل سی گئی۔

اس نے دھنکی پرس سے کارڈ نکالا۔

"اس میں میرا فون نمبر ہے۔ کبھی کبھی دفتر کے خرچ پر فون کر لیا کرتا۔"

فرح جس پڑی۔ "اف تھی کیوٹ ہیں یہ شہلا حسن۔ انہیں تو اب کے بجائے شو بزنس میں ہونا چاہیے  
 تو۔" اس نے اس کے سر پر کورٹک آئینہ نظروں سے دیکھا۔

پھر اس کی ایک اور پرستار سے گھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اب وہ مطلق ملک نواز سے غافل ہو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ باہر آ کر میزبانوں کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ صوبہ بھائی کو نظروں میں تلاش کر رہی تھی۔  
 "اے ملک صاحب! آپ کدھر چلے۔ ایسے نہیں جناب۔ برسوں تو پاپا ہے۔" ناصر صاحب نے  
 ملک نواز کو بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ بڑا پیارا بچہ تنگناں انداز تھا۔

"بہت شک کیا ہوں۔" اس کے لبوں پر جھکی مسکراہٹ نمودار آئی۔

"اکی چھوڑو۔" یار۔ اسفند صاحب سے ملے۔ بہت پوچھ رہے تھے۔"

"ہوں۔" ابھی ہوئی تھی ملاقات۔"

"اچھا۔ یہ تاؤ تقریب کیسی رہی؟"

شہلا حسن۔ اس کی ناک میں پڑی سیرے کی لوگ سے ایک جھٹکنا آرزو ہوا اور ملک نواز کی نظر میں جذب  
 ہو گیا۔ ملک نواز نے یکدم اسے دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کی موجودگی سے لاعلم تھا۔  
 "کھل کھلے۔" میں پوچھ رہا ہوں تقریب کیسی رہی۔"  
 "بہت اچھی۔"





حسن کے دیر سے آنے پر اس نے شکوک کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جلدی آ جایا کریں ویسے بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

"تو چیک اپ کر لیا ہوتا۔" اس نے منج کی طرح تڑتا رہی بیوی کو دیکھا جو کہیں سے بھی نکلا نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کر لیا ہے میں نے چیک اپ۔"

"پھر کیا کیا اکثر نے؟"

"وہی جو ہمارا دکانی دکان میں کہا تھا۔" اس نے رخ موڑ لیا۔

"اور۔۔۔" اس کے خیر میں خوشی کا عکس تھا۔

"اور۔۔۔" اب تو ہماری دونوں بیٹیاں کافی بچھڑا ہو گئی ہیں۔ اب تو کل علاج و بہار وہاں کو کوئی اعتراض۔"

"چھوڑیں بھی۔" وہ بری طرح جھینپ گئی۔

چیٹی جان نے تو سننے کے ساتھ ہی اولاد و زینہ کا ایک وظیفہ بھی دعایت کر دیا۔

چیٹی جان میں اب وہ کروڑوں نہیں رہا تھا۔ بہت جھٹکی جھٹکی ہی نظر آتی تھیں۔ مانی کی پانچ سالہ فرقت نے ان کا سارا کردار و تہذیب خاک میں ملادیا تھا۔

ابھی ابھی وہ لاہور میری سے نکل کر باہر آئی تھی۔ آج اسے لاہور میری میں بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس نے سامنے برآمدے میں ایک سایہ دیکھا۔ مارے خوف کے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ وہ نزدیک آئی۔ وہ چیٹی جان کیا کر رہی ہیں۔ وہ حیران ہوئی۔ وہ پاؤں مزید آگے آئی۔ چیٹی جان بید سے میں تھی۔ ان کا وجود ہچکچاہٹ لے کر ہاتھ

"میرے رب۔۔۔ میں نے اپنی کوکھ سے پیدا کیا تھا میں بیٹا۔ تیرے علم سے۔ مجھ سے کب نے

گا۔ میں گئے۔ یہ خوب کے قریب ہو چلی۔ دور در میری آنکھوں کا نور غم ہو گیا۔ میرے رب مجھے میرا بیٹا

میں۔ میں۔ اپنی فطرت پر نام ہوں۔ میرے آقا میرے کیلئے کی خشک لٹا دے۔ میرا مانی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ وہ بھی مانی تھی۔ ایک ماں کے گریہ نے کو یا اسے بجلی کی ٹنگی تاروں پر کھڑا کر دیا۔ بید سے میں گری مانی کے آنسو قطرہ قطرہ بن کر دل پر ٹپک پڑے۔

اب۔ ایک ماں میں بھی اتنی آواز ہوتی۔ یہ بظاہر جھروں عورت۔

"چیٹی جان۔" اس نے آہستگی سے آواز دی۔

اور چیٹی جان تو ایسی ہو گئیں گویا دم ہی نہیں۔

ستارا مع ب نے ان کا ہر وہ کہاں آ کر ہٹا دیا تھا۔

"چیٹی جان۔ کوئی اپنی زندگی اس طرح بھی تک کرتا ہے؟"

یہ کیسے سنی پڑھا رہی ہیں آپ مجھے؟ یہ متا کے سے تو انہیں ہیں۔ خالص رشتوں میں یہ قطع۔ خدا کے لیے اٹھیے۔ خود کو سنہالے۔ ویسے ہی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

"دلیں۔"

"چیٹی جان۔"

"آج تو راز دار ہو گئی ہو۔"

"میں تو سنا ہے ایک بیٹی کی طرح آپ کے ساتھ ہوں۔" اس کی آنکھیں ہلکے تھیں۔

"دلیں۔"

"چیٹی جان۔"

"دلیں جنہوں کو ہم اسے اربابوں سے پالتے ہیں وہ ہمیں ہمارے حقوق کیوں نہیں دیتے۔ لیکن کیا میں؟"

"کوئی اور ماں اپنے بچے کا رونا اچھا سکتی ہے۔"

"ہرگز نہیں چیٹی جان۔" اس نے آنکھیں صاف کیں۔

"یہ بچے ماں کی محبت کو اس کی کمرزدی کیوں ملاتا چاہتے ہیں۔"

"بچے جو ہوتے ہیں چیٹی۔"

"دلیں۔ میں نے خدا جسے بنا بھی۔ آخر کوئی میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔"

"چیٹی جان۔ وہ جہاں ہے جو ایک خاص عمر کا خاص ہوتے ہیں انہیں آپ نے ابھی بھی فراموش نہیں کیا ہو گا۔ دیکھئے ماں تھی تاویل کی زنجیر سے ان جہاں کو قابو میں رکھتا پڑتا ہے۔ وہ غم بعض انسان اپنی پسند ناپسند کے معاملے میں حساس ہوتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ظاہری ہیں کھائی دیتی ہیں لیکن اور پادہ کمر لپی میں جاتیں۔ تو پتا چلتا ہے کہ ہم تقدیر کے ہاتھ کا ایک مہرہ ہیں۔ یہ جو ملتا ہے آپ نے مانی نے، یہ بھی نصیب ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات

اچھلے اور ٹھوکر آگئی کے دور کر دیتی ہیں اور آگئی کا راست خدا کی سمت جاتا ہے۔ نا۔ پس جن لوگوں کو خدا نے اپنی محبت دکھانا ہوتی ہے وہ شاید انہیں میرا زمانہ دورانی اضطراب دیتا ہے۔ لیکن تو مقصد ملحق انسان ہے۔

کیوں؟ اپنے آپ کو ان نفسیاتی بیماریوں یعنی انا پرستی۔ حسد انتقام میں جتنا کر کے ہم اپنے ہی ساتھ

زبانی کرتے ہیں۔"

چیٹی جان کے سر پر وہ نیا آسمان بن کر چھا گئی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ انہیں سینے سے لگا لیا۔

"بعض اوقات تمہارے ساتھ بھی زیادتی ہو جاتی ہے۔"

"ارے چیٹی جان میں نے تو کبھی محسوس نہیں کیا۔"

مانی کو بلو لیں ناں۔"

"تھکی ہارکھا ہے۔" ان کی آنکھیں پھر اڑا پڑا گئیں۔

"اب یہ لکھ دیں کہ ہم تمہاری شادی ساحرہ سے کر رہے ہیں۔"

"اب کہاں ساحرہ۔ میرا تو بیٹا گیا۔" وہ پھر سر جھکا کر رونے لگیں۔ ویسے آج کل وہ مانی کو کچھ زیادہ

ی یاد کر رہی تھیں۔ کتنا خیال رکھتا تھا ان کی بیماری میں۔ شریلا کا دکھ کیا کم تھا؟

"کیسا تیرا اچھا بچہ میرا۔ اسے میں تو سمجھ رہی تھی کہ چاروں کا جوش ہے۔ ارے مانی تو تو بہت گہرا لگا۔"

"چیٹی جان۔ آپ مگر نہ کریں۔ وہ ضرور آئے گا۔ آپ آئندہ اس طرح مت رویئے گا۔" وہ انہیں

تمام کران کے بندہ دم میں لے آئی۔

اور چیٹی جان نے دل میں سوچا تھا۔ کتنا بڑا بچہ ہے دلیں کا۔ سب کے لیے چھپرہ سایہ بنی رہتی ہیں۔ اس دن وہ شام کو سو کر اٹھی تو چیٹی جان مگر نہیں تھیں۔ شریلا پھر لان میں جھولا جھول رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی چیٹی جان بھرتا تے کہاں چلی گئیں۔ نوکر سے پوچھا۔ ہمارے معلوم کیا۔ مگر وہ لوں نے لالچی کا مظاہرہ کیا۔ وہ نہ ہاتھ دھو

کر مکن میں پہلی گئی اور چائے پائے گئے۔

اسی وقت چچی جان کی آواز آئی۔

"اما تمہاری امی اٹھ گئیں۔"

"جی دادی جان۔ امی مکن میں ہیں۔"

چندر گھوٹ کے بعد چچی جان مکن میں پہلی آئیں۔

"لہجن چائے بنا کر سوچتی ہوئی ان کے کمرے میں آئی۔"

وہ چائے بنا کر سوچتی ہوئی ان کے کمرے میں پہلی آئی۔

"جی چچی جان۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"لہجن میں لہجہ کی ماں کے پاس گئی تھی۔"

"خیریت۔" وہ حیران ہوئی۔

"سامروہ کے بارے میں معلوم کرنے گئی تھی۔"

"پھر۔"

"کہہ رہی تھیں اس کی تو شادی نہیں ہوئی۔ فقیر اس کی چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔"

"اچھا۔" شبلا کو بے حد خوشی کا احساس ہوا۔

"میں ان کو لے کر بیٹے کو۔ پشاور جا رہی ہوں۔" ان کی آواز آہستہ ہو گئی۔ "کمال ہے کہ سامروہ کی شادی

ابھی تک نہیں ہوئی۔ بھلا اتنی شاندار لڑکی۔ چچی جان میرا اندازہ بالکل درست ہی تھا۔

چچی جان۔ ہم لوگ اندازوں سے کھیلنے ہیں۔ قسمت کتنا بھاری لیور ہے گھما کر رکھ دیتا ہے انسان کو اتنی

کو۔ مانی تھیں اور نہ شاید کوئی اور تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پانچ سال کے عذاب کے بعد۔ اور ابھی بھی کیا معلوم۔"

"بس لہجن اب تو نیک قال ہی نکلو۔"

تم بھی چلو لہجن تمہاری تو سامروہ کی سوتیلی ماں سے ابھی خاصی صاحب سلامت رہی ہے۔"

"کیا معلوم چچی جان۔ اب تو شاید وہ بھول بھال بھی بنی ہوں گی۔ ایک مرتبہ یا شاید دوسرے ہی ان سے

ملنا ہوا تھا۔ دو سال قبل جب میں کراچی گئی تھی اس وقت کوئٹہ آئی تھیں۔ مجھے تو خود ان کی شکل بھول گئی ہے آپ ہی

پہلی چائے اس وقت تو لہجہ کی امی کے ساتھ۔ اب تو خیر آنا جانا لگا ہی رہے گا۔ انشاء اللہ۔"

"ویسے بڑی حیران تھیں لہجہ کی ماں کی سم اور دھڑلہ لڑکیوں کو چھوڑ کر اس عذاب ناک سردی میں سامروہ کا

رشتہ مانگنے پشاور جا رہے ہیں۔"

خوش تو بالکل نہیں لگتیں۔ وہ تو بنی یاد دہی ہے ورنہ تو عادی ہی نہ تھیں پشاور جانے کی بولیں۔ بہن اتنی

سردی میں۔"

"میں نے کہا تو یہاں کی برف پاری سے نکل کر پشاور کر سردی کھانے جائیں گے تو وہاں کی سردی سردی محسوس

ہوگی۔؟ سردی تو دونوں ہی جگہ ہے۔ یہاں تو زیادہ وہاں ذرا کم۔ یعنی وہی مثل ہوئی آسمان سے گرنا پھر میں انکا۔

سردی کا بہانہ کراچی والے کریں تو ان پر کھپ بھی جائے۔ خیر میں نے ایک نہیں پہنے دی۔ بلکہ حراج کے

غلاف ایک طرح سے ان کے پاؤں چھو کر ہی آ رہی ہوں۔

مالا کھون کا رشتہ ہے سامروہ سے۔ اس پر بھی یہ حال ہے کہ بڑھوسا۔ انہیں تو غول ہونا چاہیے۔ کھوپڑی لٹکے۔

سامروہ کی تو عمر اصل رہی ہے۔ آپ اپنے خاندان میں کسی کم عمر لڑکی کو لے لے جاتے۔

تو بچہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ غولی رشتوں کو راست نہیں۔

میں نے کہا پانچ سال پہلے میں کی ہوگی۔ اب لہجہ کی ہوگی۔ اس عمر میں تو ہو ہی رہی ہیں آج کل

نہ بڑاں چپ ہو گئیں۔ پھر کچھ نہیں بولیں۔

لہجن کیا سامروہ واقعی بہت اچھی ہے۔ میں نے تو دراصل باہر کی لڑکیوں کو اس نسبت سے دیکھا ہی نہیں۔ خواہ

تکلی ہی تو صورت کیوں نہ ہوں۔"

"میرا دل کہتا ہے چچی جان آپ کو مانجی نہیں ہوگی۔"

"بس آپ مانی کو بتا دیجیے۔ اور یہ بھی کہہ دیجیے کہ انسان جلت پرند ہے لیکن وقت خدا کا محرم ہے۔

دیکھو جب کسی کام کا وقت آتا ہے تو راستے کتنے روشن ہو جاتے ہیں۔" وہ بار بار جاتے جاتے مڑ کر دیکھتی تھی۔

"چچی رہو لہجن۔ سچ کہا تم نے۔"

ازبوسلن U.S.A

بیاری اماں جی۔!

السلام علیکم

خیریت ہوں اور آپ کی جانب سے خیریت کا خطاب۔ آپ نے مجھے خط نہ لکھنے کی قسم کھائی تھی کہ

آپ مجھے کبھی خط نہیں بھیجیں گی۔

اماں جی۔ بعض لوگ محبت کا جرحاقت سے زیادہ کیوں چاہتے ہیں۔

میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کر رہا ہوں۔ بھائی کا خط تو مجھے ملتا ہی رہتا ہے جس سے آپ کے

بارے میں بھی خبر مل جاتی ہے۔ بھائی نے مجھے کئی مرتبہ لکھا کہ اماں جی کی موت کے بعد سے آپ مستقل بیمار

رہتی ہیں۔ اماں جی۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ مجھے لگتا نہ سمجھیں۔ چوہ اپنے نئے گھر میں خوش ہے۔ اس

سے بڑھ کر سب کے لیے خوشی کیا ہو سکتی ہے۔؟ میں تو اس خبر سے بے حد خوش ہوں۔ میرے چنے سے

ایک بوجہ سامروہ گیا ہے۔ اسے اس دنیا سے خوشیاں سمیٹنے کا پورا پورا حق ہے۔ میں اسے حق سے کیوں

محروم نہ رکھتا۔ آپ دعا کیا کریں بس!

دو سال پہلے جب میں اماں جی کے انتقال پر پاکستان گیا تھا تو آپ نے مجھ سے بات تک نہیں کی تھی۔

آپ کی ناراضگی بیا تھی۔ اب تو چوہ بس دنگی سے خوش ہے۔ آپ بھی فوری چادر سمیٹ لیں۔ میں فردوسی کے

شعر میں پاکستان آؤں گا۔ کراچی والے گھر میں لا کر رکھوں گا آپ کو اور علاج کراؤں گا۔ اماں جی

میں اپنے فرض سے غافل نہیں۔ آپ ناراضگی ختم کر کے مجھ سے ملیں تو۔ شاید برسوں بعد مجھے سکون مل

جائے۔

جائے کیوں نہیں آتی۔ ایک دھشت سی دل دو مانغ پر جمالی رہتی ہے۔ سب کو سلام۔

آپ کا تنہا

نور



"بچا جان۔ بات نہیں۔ عالیہ پھو تو اب بہت ہی بڑی ہو گئی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں۔ میں اور آپ کی بہنیں بن جاتے آپ ہمیں ہی اسے بیٹے کا ٹیکہ دے گا۔"

"اے بیٹے کیسے ہیں؟" "انہوں نے پلٹ کر ہاں سے تصدیق چاہی۔"

"ہاں بھئی۔"

"اے اور مطلب کے لیے تم رشتے ہی بدلنے پر آمادہ ہو گئیں۔ کہیں یہ جبری ٹرانسفر تم اپنی اہلی جان کے کہنے پر تو نہیں۔ شاید کچھ کمیشن تم نے انہیں بھی دینے کا وعدہ کیا ہو۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"لو مجھے کیا پڑی ہے اتنی لمبی راہ چلنے کی میں خود ہی تمہاری بہن بن جاتی۔"

"اور اگر وہ اب میں سر دیے جانے کیا صوبہ دے گی تم کو بھلائی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کیا بہن ہیں نہیں آپ۔"

"کیوں نہیں۔"

اسی وقت گلوہ کے رونے کی آواز آئی۔

"ہا۔ جادوینا ذرا بھائی کو دیکھو میں ابھی اس کی فیڈ ریت یاد کرتی ہوں۔ ہا فور اب اپنا کھل گئی۔"

"چیچی جان بڑی میں چار میٹ دیکھنے کو کہہ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے تم ٹھیک رہیں گے۔ ذرا دیر لگے گی۔"

"جو آپ لوگوں کے پی میں آئے کیجیے۔ مجھے اس چیز بڑی سے کوئی غصہ نہیں۔"

"بس جس چیز سے غصہ ہے۔" وہ بات اور دھڑکی چھوڑ کر شرارت سے مسکرایا۔

"بھئی تمہاری مطلوبہ شے بھی تمہیں جلد ہی ملے گی۔ آخر اس کی خاطر تو تم نے ہمیں دور دورہ کرنا ان اذیت دی ہے۔" وہ محبت آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"حد تو یہ ہے بڑا تمہیں بے تحاشا یاد کرتی تھی۔ رات دن چیچی جان کے کان لگاتی تھی۔ اب دیکھو کس قدر خوش ہے۔"

"ولہن۔ درزی کے ہاں سے کپڑے آئے ہیں۔ ذرا چل کر دیکھ لو۔" چیچی جان نے اچانک کمرے میں داخل ہو کر قلعہ کھائی کی اور اس کا ذہن فیڈر کی جانب سے ہٹ کر درزی اور کپڑوں کی سمت ہو گیا۔

"آپ پہلے چیچی جان آتی ہوں میں۔" ذرا پیدل ورات کی رسید میں سنبھال کر رکھ دوں۔"

"سب آگئے ہیں کپڑے۔"

"نہیں۔ شاید چار سوٹ ہیں۔"

مال گاڑی کے انجن کی چمک چمک بدستور تھی۔

وہ پہلے حیران ہو کر ہڑا ہے میں جھانکتی رہی۔ ایک ڈبے میں شنگ میو سے کی پوری بھری ہوئی تھیں۔ ہبک پر اسے اے میں بھیل رہی تھی۔ وہ اندر چلی گئی۔ اسی وقت ایک ڈور کا بعد کا اسے محسوس ہوا۔ وہ ایک پوری پرالت پڑی۔

اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے بھلا دے رہا ہو۔ اسے بے حد لطف آیا۔ پھر اس نے محسوس کیا جیسے باہر کی چیزوں کو پر لگ گئے ہوں۔ ہر چیز چیز سے گردش کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی بھ میں خاک نہ آیا۔ بجلی کے کھمبے باہر میں اور دھت گھاس چھتی بھیر کرکریاں، گویا ہر شے گردش کر رہی تھی۔ منظر تیزی سے بدلنے لگے۔ وہ کھڑی ہوئی

پر گڑ پڑی۔

"آپ۔ آپ۔ آپ۔" وہ گہرا کر چینی۔ کمراس کی بجلی مال گاڑی کی چمک چمک میں بکھری گئی۔ گرنے کی آواز سے اس کے کھلنے چل گئے تھے۔ وہ دھڑکیاں بھگتوں پر سے پانچویں سیٹ کر بیٹھے گی۔ اور بجلی ہوئی جگہ پر ٹون کی بھری چمکی دیکھ کر اس کی آنکھیں بھرا آتی تھیں۔

"آپ۔ خون۔ خون۔ خون۔" پٹنا پٹنا۔ "آپ سو تیزی سے بے گئے۔ آدھے کھلنے کی مسلسل گردش سے وہ بے حد ہراساں ہو گئی تھی۔ شام کے سات بجے تیزی سے بھیل گئے تھے۔ اے میں پوری بھری ہوئی تھیں جس سے اور بھی اندر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دور اسے کی ست آئی مگر کوئلے کا اور لوہے کے پادھوں کو نہ تھی۔

اسی دم ایک پانچو فرین راہ سے پوری رفتار سے گزری؟ ایک کے بعد ایک ایسا ہی آنکھوں کے سامنے سے گزرا تھا۔ اس پانچو فرین ایک طوفان کی طرح محسوس ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ جھپٹ گئی تھی۔ پانچو فرین کی رفتار میں گاڑی سے کافی زیادہ تھی۔ آٹا ٹاٹا نظروں سے اور بھیل ہو گئی تھی۔

وہ حیران پریشان ایک کولے میں پوری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

اسے اندر سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بہت دور دور سے دور رہی تھی۔

روتے روتے وہ پوری سے سر ٹیک کر سو گئی تھی۔

"اے ہلکی۔" حذر دور نے حیران ہو کر اس کا کندھا چھوا۔

"خانا خراب۔" یہ لڑکی اندر کیسے سو یا اسے۔ کیسا کافرا ہے یہ آج کل کا لوگ۔ نکلت کے پیسے بچانے

واسطے مال گاڑی میں ستر کر تا ہے۔"

"خانا کیا بولتا ہے؟" نیچے پلٹ فارم پر "پوری" کے شکر حذر دور نے حیران ہو کر اندر بھاگا تھا۔

"اندرا ایک لڑکی سو یا اسے۔"

"لڑکی؟" وہ اچھل کر اندر آ گیا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے دو قوی بیگل آدھوں کو دیکھتے ہی چیخنے لگی۔

"اسم تجھے کچھ بولا۔" بابا کا ہے کو چننا ہے۔" حذر دور گڑبڑا کر رہ گئے۔

دو دونوں کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلتی نیچے اتر گئی۔

"چوڑو۔ خانا خراب۔ فیکڈ اور آتا ہو۔ شب ہو رہی ہے۔"

اس نے کافی رتے پر ریل کی پٹریوں کا جال بچھا دیکھا۔ اس کی بھ میں نہ آ پا کر کدھر جائے۔ وہ سیدھی

چلتی گئی۔

چند ایک راگبیروں نے بے حد خوبصورت و خوش قامت لڑکی کو پلٹ پلٹ کر دیکھا۔ جو شلواری قمیض پر بغیر

"پلٹ کے تھی۔" وہ راگبی بڑا پور ہوا۔" کی ہوائے قطعی محروم تھے انہوں نے اس "بے حیا" لڑکی کو "خاہری ناگوری" سے دیکھا۔

وہ سیدھی چلی جاتی تھی۔ اس کی بھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف چلے گی تو کھڑے آئے گا۔ وہ کینٹ کی حدود

سے نکل چکی تھی بھوک اور خوف سے اس کا اندر اماں تھا۔

وہ ایک نئی آبادی کی سمت لپٹی آتی تھی۔

ہاتھیں جانب سفید کھنسی سے ایک اسپیشیاں کتا بھونکنا پھر آیا۔ وہ چیخ مار کر سامنے کھلے کیت میں داخل ہو گئی۔

اور لان میں ایک جہان کے درخت کے نیچے کھڑی ہوئی۔

گھر سے سنا جھانپا ہوا تھا۔ اس آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"آپا۔ وہ گھر کا کتنا مجھے کات رہا تھا۔" اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

رات کافی بڑھا آئی تھی۔ بادل جو شام سے برسنے کو تیار تھے ٹوٹ کر برسنے لگے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی اور ادھر ادھر تک ریلواری میں چلی آئی۔ لیکن سے ریلوں کی کھڑکی سے دیکھ کر ہنسی چلی۔ اس دم یہاں محسوس ہوا جیسے کوئی لیکن سے باہر آ رہا ہو۔ وہ جس دروازے سے نکل گئے ہوئے تھے اسی کو کھول کر اندر گھس گئی۔ یہ سدا سدا سا بیڈروم تھا۔ سامنے ہی ڈورینگ روٹ کا تختہ لگا ہوا تھا۔ وہ پردے کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ اسے سخت خوف محسوس ہو رہا تھا۔

کھانا لگاؤں صاحب۔

"نہیں یاد ہاں بلکہ جھوک نہیں ہے۔ بس اب میں آرام کروں گا۔ تم دروازے سے فیروزہ کر دو اور جا کر آرام کرو۔ اور دیکھو کچھ ڈرائنگ جلدی اٹھاؤ۔ سیٹ کفرم کرانی ہے اور بہت سے دوسرے کام ہیں۔"

"بہتر صاحب۔ چائے بھی نہیں پیش کئے۔"

"نہیں۔" لچھے میں اسکا ہتھ چمی۔

خادم باہر چلا گیا۔ اس نے لان کی طرف گھٹنے والی کھڑکی کے پردے سرکائے۔ باہر ٹھکی کو اندر ہی تھی۔ ہر دوسرے منٹ کھڑکی کا شیشہ روشن ہو رہا تھا۔

اس نے ہر ایک کیس کھولا۔ چند کاغذات نکالے اور غور سے دیکھنے لگا۔

"منزل تو تو بھی نہیں ہو سکتی۔ تھکا کے مار ڈالا ہے۔ میں نے دیکھا ہے جو تیرا دوسرا ہے کتنا بے قدر ہے۔ تو مجھے ملتی ہیں تجھے پھولوں کی طرح سجا کر رکھتے۔"

اس نے تصاویر میز پر ڈال دیں یہ تصاویر تھیں جو میگزین کی سطور پر چھاپی تھیں اور وہ آج ناصر صاحب سے لایا تھا۔

اس نے اٹھ کر وارڈروب کا خانہ کھولا اور ایک بوسل نکالی اور ایک چھوٹا سا شیشے کا بیانا۔ وہ وہ بیٹھے بیٹھے بیانا بھرنے لگا۔ میرے خوابوں میں میرا بیڈروم تھا سے آہا ہے۔ ریلوں کی "کوتی" ہے اور ریلوں سے ہے فیروزہ رہی ہے میں نے تجھے بھی لگا لگا ہے۔ کیوں ہلوں اس آگ میں۔ ٹھیک ہے تو کچھ نہیں کر سکتی۔ آگاہ ہونے کے بعد تو سوچے گی تو مجھ سے قریب تو ہوئی ہوں۔ مجھے تو یہ بھی تو نہیں ہوتی تھی۔ پھر میں کیوں غمروں رہا۔؟

میرا قبیل اب تجھے محسوس ہوتا ہے۔ میں تجھے چھوٹا چاہتا ہوں۔ ان ہاتھوں سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔

میرا غمروں دل آج بھی ایک ہی بات ہو چکا ہے۔

کاش۔ اسے کاش۔ میرا گھر اکاٹھنستان نہ ہوتا۔ میرے گھر میں معصوم بچوں کی ہنسی کو لپکتی اور توجہ دینے بچوں کی ماں ہوتی۔

میرے بستر کا یہ دوسرا کنارہ میرا کی وصول بن کر میری آنکھوں میں نہ دھنکا۔

مشق آفر کا یہ تباہی کا قتلانی ہوتا ہے۔

مشق کا غمروں میں وہ کوٹھور پر جلوہ افروز ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔

آگہی کے بعد قربت کی ضد ہوتی ہے۔

مشق کا غمروں میں وہ محسوس ہو کر سامنے آ کر قدموں میں بیٹھ جاتی تھی۔

مجھے جیسا کہ کسی کے گھر چلنا آئے گئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کچھ کی۔ قرار نہ لرا کہ میں نے ہنسا رہی تھی۔

دلوں کی کہنے والی ہے خبر کا کاش تو مہر جالے۔ یا میں دیکھتا ہوں ہاں۔ "اس نے بیانا پر بیٹھا ہے صحت سے

میں اٹھ بیٹھا۔

اس کی آنکھوں سے دھشت چھنے لگی تھی۔

"آپا۔ آپا۔ میں ریل گاڑی میں ہو گئی تھی۔ وہ مجھے مار رہے تھے۔

آپا۔ مجھے ہلکے لگے ہی ہے۔ میں نے چائے بھی نہیں پی۔

یہاں بہت اندھرا ہو رہا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ارستے ڈرتے پردے کے نیچے سے نکل آئی۔

سامنے بیڈ پر ایک لمبا پڑا سرخ و سفید غمروں کی نظروں سے جانے بول میں کیا محسوس رہا تھا۔ وہ خواب سے بیدار ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہ اکہم کر دیوار سے جا لگی۔

"مجھے پتا تھا تو آئے گی ضرور۔" وہ بیٹھا ہے تو گری اور دور تک جاتی ہے۔ "اس نے تڑپا کی کالی قدامت لی۔

وہ جلدی سے ہاتھ چھڑا کر ایک طرف ہو گئی۔

"خدا کی قسم میں نے تو تجھے سات پردوں کے نیچے رو کر جانا ہے۔ مگر جب بھی تیرا سراپا دیکھا مجھے حیا ہوتی ہے کہ تھوڑے سے مجبور کیا کہ میں تجھے۔ جب آئی گی ہے تو ذرا تکیوں کیوں ہے۔؟"

اس نے بوسل لچھے کا لین پر رکھ دی۔

"اس نے تجھے روکا تو ہو گا۔" ہل سے غلام لگتا ہے۔ مگر تو چلی آئی۔ کتنی بہادر ہے۔ میں تیری ہمت بہت خوش ہوں۔"

"میری آپا کہاں ہیں۔؟" تڑپا کے منہ سے کا پتلی آواز نکلی۔

"مجھے اپنا پتا نہیں کہ میں کہاں ہوں۔"

"آج تو سمران کی رات ہے۔ تو پردوں سے نکل کر سامنے آئی ہے۔

کوئی بات نہیں۔ گھر کی کیا ضرورت۔؟ میں تجھے سب کچھ دوں گا۔"

اس نے آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔

تڑپا کے منہ سے بڑی ہلکا ہلکا کراہ نکلی تھی۔

☆☆☆

رات بادل نوٹ کے برسا تھا۔ لیکن صبح بڑی چمکیلی تھی۔

سورج کی شعاعیں کھڑکی کے شیشے سے منعکس ہو کر اس کے چہرے پر پڑیں تو اس کی آنکھ خود بخود کھل گئی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے رست وچ اٹھا کر بیڈ پر چلی آئی۔ اس نے نرم کھل خود پر کھینچنا چاہا تو اسے چانک احساس ہوا کہ اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا ہے۔ اور جس چیز سے ٹکرانے کا احساس ہوا اس نے گویا اس کی تیندی اڑا دی۔



وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

اس کے نزدیک ایک سین۔ پارہہ حال گہری نیند میں تھی بے ہوش تھی۔ ڈانٹا اس سے۔ وہ ایک دم بٹے

اتر آیا۔

غوریدہ حسن پر خزون۔ یہ اس کی طرف زور نظر میں طہر کی تھیں۔

گھر سے کی صورت حال ٹھیل پر رکھا ہوا بیٹا۔

یہ کون ہے۔

یہ کیا کیا۔ کیا ہو گیا۔

کون ہے یہ بڑا بڑا کون ہے یہ جس نے میری ساری حیات پر پانی بھیر دیا ہے میرے تمام تر کشت ایک پل میں غراب کی تصویر ہو گئے۔

یہ کون ہے۔

یہ کیا ہو گیا۔

یہ یہاں کیسے آ گئی۔

وہ نیم پاگل سا ہو گیا تھا۔

اس کا تکی چاہا۔ اسے چھوڑا لے۔

"اسے لڑکی۔" اس نے کانہ صاف لایا۔

وہ چیخ کر اٹھ بیٹھی۔

"نہیں نہیں۔" وہ ایک طرف سرک گئی۔ اس کا چہرہ راجہ واکا پ رہا تھا۔

"آپا۔ یہ آدمی مجھے مار رہا ہے۔"

"کون ہو تم۔"

وہ ہونٹ کاٹ کر ہوا۔

"ہیں۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کہاں سے آئی ہو۔ یہ روپ دھار کر میں تمہارا گادادوں گا۔" اب اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

"کہاں سے آئی ہو۔"

"گھر سے۔ تم مجھے کیوں مار رہے ہو۔ تم نے مجھے رات کو بہت مارا تھا۔"

ملک لڑا کا تکی چاہا وہ کتنی پرہیزگوار اور کھڑکھڑا کر خود کو ختم کر لے

"کیا تم غوریدہ (غلام) کی جاننے والی ہو۔"

جواب میں بس شہزاد نے گھر گھر صورت دیکھی۔

"کہاں سے آئی ہو تم۔"

"اپنے گھر سے۔ میں آپا کے پاس جاؤں گی۔"

اس کا پیچہ۔ اس کی حرکتیں۔ اس کا انداز۔ ملک لڑا کا سمجھ اڑ گیا تھا۔

وہ کچھ کر بھی انجان اور ہاتھ۔

اس نے سر تکی کیل شہزادی گردن تک ڈال دیا۔

"غوریدہ۔" اس کی بھاری آواز گھر سے میں گونجی۔

"غوریدہ۔" وہ حریف بلند آواز سے ہوا۔

"تکی صاحب۔"

"اور آؤ۔"

"تکی۔"

"یہ کون ہے۔"

غوریدہ نے سہری ہاتھوں والی حسینہ کو دیکھا جو۔ بس تکی کیل کیل کر کھڑکی غوریدہ کو دیکھی صاحب کو کچھ سی تھی

"میں چ چہرہ ہاتھوں کون ہے یہ۔"

غوریدہ نے۔ بنا نہ دیکھا۔ پھر شہزاد کو بغور دیکھا۔ اور ملک لڑا کی مت دیکھ کر تکی غوریدہ میں مسکرایا

"صاحب میں نے آج سے پہلے آپ کی نہیں دیکھا۔"

"یہ گھر میں کیسے داخل ہوئی۔"

(تکی تو میں سوچ رہا ہوں یہ گھر میں داخل ہوئے بغیر بند دروازے میں کیسے آ گئی۔)

"صاحب یہ کوئی بد روئے لالچہ مل۔"

"نکبت۔" وہ جھلا اٹھا۔

"کس طرح رہتے ہو تم گھر میں۔ کسی آئے گئے کا پتہ نہیں چلا۔"

"صاحب! میں تو کل شام سے باہر ہی نہیں نکلا۔"

"اچھا! اچھا! ہو جاؤ اب۔ گئے باہر نہیں گئیں لڑائے بیٹھ جاتے ہو۔ یہ لڑکی ہے کوئی جاؤ گئی نہیں جو

ہوائن کراس کرے میں آ گئی۔ تم سے زیادہ ایک تھوڑا سا ہاتھ لپا تھا۔ جاؤ جا کر کام کرو۔"

غوریدہ نے باہر نکلنے نکلنے شہزادی کی مت دیکھا۔

(ہولہ۔ صاحب کو تو پر وہ ڈالنا بھی نہیں آتا۔)

ملک لڑا کا تکی تو ازان بگڑنے لگا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ اپنا دل لڑکی ہے۔ ایک ندامت کا بحر تکی اس تھا

جس میں سر تک ڈوب چکا تھا۔

اس نے پلٹ کر شہزادی کی مت دیکھا۔

اسکے ذہن میں برسوں پہلے بارش میں نہانی اندھیری رات (عدہ تھی۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس گھر کے گیت

تک پہنچنے پہنچنے اس نے خوش سے دھڑکنے والی کو سنبھلنے کی تسبیہ کی تھی۔

اسے یہ بھی یاد تھا کہ سبز کپڑوں میں بھڑکی نے زندگی کیٹ تک آئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے اسے

ایک رات گھر سے میں غمراہ کیا تھا۔

اسے یہ بھی یاد تھا اس رات اس نے بھڑکنا کافی پی تھی۔

اس کے حلقے میں وہ نظر آج بھی میٹھا تھا کہ وہ کافی پی رہا تھا اور دوسرے مرنے کا۔

وہ اس سے بچنے مت عروں میں ملا تھا۔ اسے یاد تھے۔







ہوں۔ بیٹھے اٹھائے ہزاروں پہل جاتا ہے۔ سامنے والوں کے وہی سی آ رہے حریف قلمیں۔ مجھے کیا پڑتی ہے۔ کرتے رہیں صاحب۔ جوان کا جی چاہے۔ اس کے قلم خوردہ ذہن نے اس صورت حال کو بھی اراکلی انداز میں پایا تھا۔

"پتا نہیں صاحب کو عورت سے کیا کام کرنا ہے۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔ اس نے باہر مولا راہلی اشارت ہونے کی آواز سنی۔

اُسے پاؤں وہ صاحب کے بیڑم روٹ تک آیا۔ ہیں ڈلی گھمپا لیکن درد و آزار نہ کھلا۔

"بولہ تاتا تو لگا گئے ہیں۔ درد و آزار کیا جاوے کے زور سے کھولوں گا۔ کھاتی جی۔ خوش ہونے کے ان آگے ہیں آپ کے۔ لگتا ہے صاحب۔"

وہ گنگنا تا ہوا برا آدمے میں غائب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

مائی ساروہ کو لینے پشاور گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد تقریباً تین گھنٹے بعد ہی بڑا لڑکا ہوئی تھی۔ کیوں کر کچی پار ایسا ہو چکا تھا۔ وہ ہمیشہ نزدیک بازار میں مل جاتی تھی اس لیے چچی جان سے منہ دل سے اس کی راہ دیکھ رہی تھیں حسن آفس سے نہیں لوٹا تھا۔ مائی پشاور چا چکا تھا۔ چچا جان، مائی اور ملازم لڑکا اسے ڈھونڈنے لگے ہوئے تھے۔

جیسے ہی شام کے سائے گہرے ہونے لگے۔ چچی جان کو گویا دل بیٹھنے لگا۔

وہ کا پتہ قدموں سے بچن میں چلی آئیں۔

"ولین۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

شہلا کو ان پر بے حد ترس آ گیا وہ خود بھی پریشان تھی مگر خود پر قابو رکھے ہوئے تھی۔

"چچی جان۔ خدا کے لیے اس طرح ہاتھ پاؤں نہ چھوڑیں۔ آتی ہی ہوگی۔"

"اگرے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے ہونے کو آئے۔ ارے کیا کروں میں۔"

"بھلا کہاں جانے گی؟ کہیں دور نکل گئی ہوگی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"ارے میں پریشان نہ ہوں گی تو کیا دیواریں پریشان ہوں گی۔"

"اُمی۔ غلام رسول (ملازم لڑکا) آ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے بڑا پھوپھو بازار میں کہیں نہیں ہیں۔" مائی تیزی سے اندر آتی تھی۔

"جینا؟ ارے ہاں کیا تمہارے دادا بھی آ گئے؟" چچی جان ہول کر بولیں۔

"نہیں دادا جان تو نہیں آئے۔"

"ارے خدا معلوم کہاں بھڑکی مار رہے ہوں گے۔ اُمی ہماری آبرورکھنا۔ اسے میرے رب ہم پر رحم کرنا۔"

وہ تقریباً رونے کو ہو گئی تھیں۔ اور شہلا کی کچھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب ساس کی تسلی کس طور کرے۔

وہ ان کے ساتھ باہر آ گئی۔

اس دم چرچ میں حسن کی گاڑی آ کر رہی۔

اس نے درد و آزار نہ کرتے ہوئے حیران نظروں سے ماں، بیوی، چچی کے پریشان چہروں کو دیکھا اور بھڑکی

سے ریتے بے کر کے برآمدے میں پہنچا اور شہلا کو مست فور سے دیکھ کر بولا۔

"کیا بات ہے۔ ایسے کیوں کھڑے ہیں؟"

چچی جان تو بیٹے کو دیکھ کر لڑو ہوتا ہوا لگے تھیں۔

وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔ "کیا بات ہے ہا۔" اس نے چچی کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔

"چچا اور بڑا پھوپھو۔"

"اگرے۔ جب آپ لوگوں کو پتا ہے مگر بھی آپ لوگ۔" اس کا تھکا ہوا لہجہ تھا۔ وہ بڑی طرح بھلا گیا۔

"اگرے تو کیا گلے میں آویز بنا کر لگا لوں۔ بلکہ اب تک آویز بنا کر ہی لگا رکھا تھا۔ شادی کے ہنگاموں تک

میں تو تک کا بال ہاتھ نہ رہی۔

ولین کا بچوں کا ساتھ ہے۔ وہ مائی کے جانے کا غلط دور ہوا تھا۔ اس اسی وقت کہیں نکل گئی۔ اسے خدا معلوم

کہاں ہوئی بھڑکی پڑی۔"

"نہیں اب یہ وہ دھوا بند کریں۔ کوئی کیا تھا؟ صوفی نے۔" اس نے پھر بیوی کی سمت دیکھا۔

"تمہارے باپ تو ابھی تک نہیں لوٹے۔ دو گھنٹے ہونے کو آئے۔" شہلا کے جانے پھر چچی جان بولیں۔ وہ

لے پاؤں پھر چاروں زینے اتر کر چرچ میں چلا گیا۔

اس لمحے شہلا کو بے حد خیال آیا۔ کتنے تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ مگر اب کریں بھی کیا۔ جب انسان کھریٹے

سکون آتا ہو تو وہ سارے ہنگاموں سے تھک کر صرف اور صرف گھر جانا چاہتا ہے اور جب گھر میں۔

اب اس میں قصور بھی کس کا ہے؟ چچی جان تو بے چاری خود اس کی اس قدر دیکھ بھال کرتی ہیں۔

وہ انہیں خواب گاہ میں لے آئی۔

"وہ مل جانے کی آپ حوصلہ کھیں۔ خدا اپنا کرم کرے گا۔" اس نے انہیں بلا دیا۔

"ہا جی۔"

"جی ائی۔"

"بیٹے وہی جان کے لیے پانی میں گھونڈا کر لیا؟ اور کھوٹا ہے ہومہ رک کر لیا۔ گندہ جاک گیا ہو تو پانی آتا۔"

پھر اسے ایک دم خیال آیا۔ اتنی چھوٹی سی بچی پانی اور گندہ ایک ساتھ لائے گی۔

"پہلے پانی دے جاؤ۔" اس نے فوراً کہا۔

دانا ہر نکل گئی۔

رات گئے پورچ میں گاڑی رکھنے کی آواز آئی۔

سب دیوالی کی طرح باہر دوڑے۔

گاڑی کے اگلے دروازوں سے چچا جان اور حسن باہر نکلے اور پچھلے دروازے سے مائی۔ کھناک۔ کھناک۔

کھناک چیں اور آواز سے بند ہو گئے۔

شکستہ قدموں نے گویا چچی جان کو بہت کچھ بھجا دیا۔ وہ تو وہیں کھڑی کھڑی بھول گئیں۔ شہلا نے بے شک

انہیں سنبھالا۔ حسن نے فوراً آگے بلا کر شہلا کی مدد کی۔

"اُمی۔ اُمی۔" حسن نے ماں کو بازوؤں میں سنبھالا۔

دونوں باپ بیٹا انہیں سنبھال کر خواب گاہ میں لے گئے۔ اور انہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔



اس وقت شہلا کے قوالی اہلصاب کا کڑا امتحان تھا۔ اس نے فوراً ڈاکٹر کو فون کر دیا۔

”جی ہاں۔ ڈاکٹر کو فون کر دو۔“ کہا جان کی آواز بے حد شگفتہ تھی۔

”میں نے ڈاکٹر خان کو فون کر دیا ہے۔ آتے ہی ہوں گے۔“ شہلا نے کہا تو انہوں نے دل ہی دل میں اس مشکل صورت حال میں شہلا کے حوصلے کو سراہا۔ اور سوچا اس گھر میں شہلا اتنی اہم ضرورت ہے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر خان آ گئے۔ ابھی طرح چپک اپ کیا۔

”ڈاکٹر خان۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا آپ انہیں کوئی ایسا انجکشن دے دیں کہ صبح تک غافل رہیں۔“ بچہ جان نے مہم لچے میں پوچھا۔

”ہو تو سکتا ہے بڑے صاحب لیکن بیہوش مریض کے لیے یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔؟“ انہوں نے روٹی میں دوا ڈالی اور اور پھر اسے چچی جان کی ناک کے قریب لاکر دیا کہ اس کا سانس آ رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد چچی جان کے پیٹوں میں لرزش ہوئی۔

انہوں نے سسکی بھری۔ ”ہائے۔“

آلسوؤں سے گیلی ”ہائے۔“ جگر جی گئی۔ شہلا کا رواں رواں سسکا اٹھا۔

”کہاں گئی میری بچی۔؟“ انہوں نے آنکھیں کھول کر خود پر جھکے ہوئے لوگوں سے سوال کیا۔

”کہاں جائے گی۔؟ کہیں نہیں جائے گی۔ خود کو سنبھالو۔ بچوں کی طرف ہی دیکھو۔“

بچان جان۔ کتنے حوصلے سے صورت حال سے منہ رہے تھے۔

”ارے میری بڑیا۔؟“ وہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر پھر رونے لگیں۔

”ارے۔“ عالیہ کو فون کر دو۔ مانی کو کھلا دو۔ میرے بچوں آ کر مل جاؤ۔ کیسے نہیں کی میں۔ اپنے ہاتھ سے تم میں اتار دیتی تو رو رو کر جھونک رہی ہوتی۔ ارے اب جھن کیسے آئے گا۔؟

میں کہہ رہی ہوں سن رہے ہو۔؟“ انہوں نے بچا جان کا ہاتھ پکڑا۔

”میری بچی! ششما بھی میرے ہاتھ سے کرتی ہے۔ اس کی نگلی پونی میں کرتی ہوں، کپڑے میں ہوائی ہوں۔ کوئی کر سکتا ہے اس کے یہ کام۔ ارے کہاں چلی گئی کون رکھے گا دیوانی کو اپنے گھر۔؟“ سڑکوں پر پھر رہی ہو گئی میری بچی۔ ارے وہ تو سڑکوں پر ہی مل جاتی آپ کو۔“

”دیکھ کر تو آ رہا ہوں۔ خدا سے بھلائی کی امید رکھو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔“ انہوں نے رمانیت سے ان کا شانہ حسیہ تپایا۔

شہلا نے رخ موڑ کر اشک پونچھے۔ چچی کی گریہ زرداری اس کی برداشت سے باہر تھی۔ ڈاکٹر خان نے بچی جان کو ایک انجکشن دیا چند منٹوں ہی میں وہ غافل تھیں۔

”آپ کو پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرا دینی چاہیے۔“ ڈاکٹر خان نے اپنے سامان سمیٹا۔

”وہاں سے آ رہے ہیں۔ یہ بچہ بھی شہر کرا دیا ہے۔“ حسن نے ڈاکٹر خان کا دروازہ کا کس اٹھایا۔

”دیکھو حسن۔ اخبار میں ضرور دینا تصویر کے ساتھ۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ڈاکٹر خان نے مسات کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خدا اپنا کرم کرے گا۔“ انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دوبارہ تپائی۔

ڈاکٹر خان سے پرانے مراسم تھے۔ کافی بے تکلفی تھی۔

”میں جلدی میں ہوں باہر مل چکا ہے۔“

”خدا حافظ۔“

”خدا حافظ۔“

حسن نے آگلی سے کہا اور اندر قدم بڑھا دیے۔

ساحرہ کے جانے کے چاروں بعد مانی اسے لے کر گیا تھا۔ عالیہ تو جیسے کنگرہ داری روانہ ہو گئی تھی۔

مانی وہاں تک کر مہمان نوازی کا لطف بھی نہ اٹھایا تھا کہ ساحرہ نے فوراً اطلاع دے دی تھی۔

”گھر سے فون آیا ہے۔ آپ کو فوراً بلا دیا ہے۔“ پاپا کے آفس میں فون آیا تھا۔ ابھی پاپا آئے ہیں۔“

مانی فوراً پریشان ہو گیا۔ ”اچھا تو تم بھی فوراً تیار ہی کرو۔“ اس کا ذہن ایک دم خشک ہو گیا۔ ”اب پچھلے جا کر دیکھتا ہوں اگر جلدی۔“ تین منٹ گئیں۔ ”وہ ڈھکی طور پر اس قدر پریشان ہو گیا تھا کہ اس نے ایک نظر ہی چالی اور کھینچی ساحرہ کو بھی نہ دیکھا۔

بب سے وہ آیا تھا ساحرہ کی محض ”بھلیاں“ ہی دیکھتے کھل رہی تھیں۔ اس وقت کتنے موم میں بیٹھا ساحرہ کا شکر تھا۔ سراسر اس کے اپنے غم ہائے روزگار سے گلے ملنے چلے گئے تھے۔ ساحرہ کی دو سسکیں تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئی تھیں۔ ساحرہ تو پہلے ہی اپنے گھر میں تھی مگر جتنی بھی رات جتنی بھی اور مہمانوں کی موجودگی کو بھرا بیٹھتی۔

میں سلام کر کے ایسی غائب ہوئی تھی کہ کافی دیر تک نظر ہی نہیں آتی۔

مانی کو جب اس کی بیٹیوں کا یہ کرام معلوم ہوا تو ساحرہ کی چھوٹی سی بھانجی سے کہا بھینچا۔

”بیٹے! اپنی خالہ سے کہو میں کاٹنے والا جانور نہیں ہوں۔“

اور اب ساحرہ آتی بھی تو کیا خبر لے کر۔

”اور کچھ نہیں بتایا پاپا نے۔؟“ اس نے ریٹ ولف کلائی میں ڈالتے ہوئے چہرہ موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

”نہیں۔ پاپا بتا رہے تھے کہ حسن بھائی نے فون پر کہا ہے کہ مانی۔ میرا مطلب ہے آپ کو فوراً آنے کا کہیں۔

جی جلدی ممکن ہو سکے۔“ وہ نظریں جھکائے بھٹکائے ہوئی۔

”یہاں کہیں نزدیک کوئی فون ہے۔؟“ میں پہلے گھر فون کر کے معلوم تو کروں۔“ (ساحرہ کے ہاں فون نہیں تھا۔)

”کی گھروں میں ہیں۔ لیکن وہ لوگ لوکل کال بھی مشکل سے کرنے دیتے ہیں۔“

”خیر چھوڑو۔ میں اسٹیر پورٹ تو جا ہی رہا ہوں۔ وہیں کہیں ٹرائی کروں گا۔“ اس نے جس اٹھا کر بیٹھ کر بھیجی

پاکٹ میں فونوں۔

”اکی کہاں ہیں۔؟“ وہ کچھ سوچ کر رکا۔

ایک سانس کو تار کو بہت غلٹ میں باہر نکلا تھا۔

سب سے پہلے اس نے پبلک ٹیلی فون تو چھ پتا کیا اور گھر فون کیا۔ فون ہٹانے اٹھایا۔

”ہیلو۔؟“ مانی کی سسکی ہی آواز ابھری۔

”ہیلو۔“ حائے میں مانی بول رہا ہوں۔“ اس نے فوراً مانی کی آواز پہچان کر کہا۔

”السلام علیکم بچا جان!“

"وہیکم السلام بنا۔ یہ بتائیے مگر میں سب خبرت سے ہے ہاں۔"

"وادی ہان کی طبیعت سخت شراب ہے نریا پھر پھول سے نکری نہیں آئیں۔"

او۔ بات واقعی عجیب تھی۔ اسی کی نظروں کے سامنے نریا کی شکل محو ہو گئی۔ اس نے اپنے وجود میں عجیبی ازیت محسوس کی۔

اسے ایسا لگا جیسے کوئی فون کے پاس آیا ہو۔ حتیٰ کہ آواز آئی "مانی بچا ہیں۔" پھر دیر سے شہلا کی آواز ابھری۔

"بیٹو۔"

"اوہ بھائی۔ یہ کیا کہہ رہی تھی۔"

"ٹھیک کہہ رہی تھی جتنی جلد ہو سکے تم آ جاؤ۔ اسی کی طبیعت۔"

مانی نے فون بند کر دیا۔ اداسگی کی اور اتیر پورٹ کی سمت مز گیا۔ شاید مجھے خوشیاں داس ہی نہیں ہیں۔ اس نے کرب سے سوچا۔

☆

اتنی صبح تو بازار بھی نہیں کھلے وہ بانیک بے مقصد ادھر ادھر دوڑاتا رہا۔ ایک شاہنگ سینئر کارخ کیا وہاں کارواں ہی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ریڈی سیڈ کارمنٹس کی دکان پر چلا آیا موسم کے لحاظ سے نہ تازہ شلوار سوٹ خریدے اور دوپٹے کے اور واپس ہو گیا۔

خورشید برآمدے کے دروازے پر کپڑا مارتا ہوا "مگر فوج" بنا کوئی راگ الاپ رہا تھا ملک تو اڑکھ کر ایک دم چپ ہو گیا۔

"وہی۔ میرا خیال ہے وہ دروازہ توڑ دیں گی۔ بہت دیر سے دروازہ پیٹ رہی ہیں۔ میں نے کہا ہا صاحب منع کر گئے ہیں۔"

وہ اس کی بات سننے ہی اندر چکا تھا۔

جیب سے چابی نکال کر اس نے لاک کھولا۔

وہ بھوکی شیرینی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی۔ "تم نے مجھے اندر کیوں بند کیا میں جہیں مار دوں گی۔" وہ اس اچانک انداز سے پوچھا گیا۔

بجائے اسے قابو میں کیا۔ وہ بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رہی تھی۔

"بھئی۔ میری بات تو سنو۔" وہ اسے قابو کیے کیے رنج سا کر بولا۔

"دیکھو۔ اگر دروازہ کھلا رکھا جائے تو آواز آجائے ہیں بہت بری طرح مارتے ہیں۔"

"ہوں۔ تم بھی تو آؤ کہو۔ تم نے بھی تو مجھے مارا تھا۔"

اس کے اندر جیسے اور فحلت میں چلائے تیر ملک تو اڑکے جگر میں تر ازہ ہو گئے۔

"نہیں بھئی میں ڈاکو نہیں ہوں۔ دیکھو میں تمہارے لیے بہت اچھے کپڑے لایا ہوں۔" وہ تھیلی کی پشت سے مز صاف کر کے ملک نواز کے ہاتھوں میں جموائے شاہنگ بیک کو غور سے دیکھنے لگی۔

"میں لیکن جیسے ستاروں والے کپڑے پہنوں گی۔" وہ بچوں کی طرح ہسوری۔

"وہ شام کو روزی لائے گا۔ (لیکن جیسے۔ ہونہ۔ کل شب جب اندر سے کی بات اتنی تھی تو وہ لیکن تھا۔"

تھی۔ اس دورے میں کی ایک اور حوالہ ہے "تھیلی الہام۔ ملک نواز نے پورا ہوش گات ۱۱۔"

"کیا تم کپڑے بدل سکتی ہو۔"

"ہاں لیکن پہلے تم آ پاؤ گلاؤ۔ ورنہ میں سب کو مار دوں گی۔" وہ پھر غور کر رہی تھی۔

"اچھا۔ اچھا۔" وہ گھبرا گیا۔ "آ پاؤ بھی لے آئیں گے۔ دیکھو تم کپڑے بدل کر تھاری آئیں بہت ہوتی ہے۔" وہ نظر چا کر بولا۔

"پھر۔" وہ دم سے بند ہو گئی۔

"مجھے پرانے کپڑے نہیں پہنتے۔" وہ عازر آ گیا۔

"تم نے خود۔" اور ملک نواز نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خدا کر لے۔" وہ دم سے بچے میں بولا۔ "خدا کے لیے۔ دیکھو تم کپڑے بدل لو۔"

"کیسے بدلوں۔" ملک نواز کا بھیجی اڑ گیا۔ اس کے مصوم انداز پر۔

"آ پاؤ گلاؤ۔ ہاں۔"

"تم کپڑے بدل لو۔ پھر آ پاؤ کے پاس لے چلوں گا۔ (خدا معلوم کون ہیں یہ آپا مخر۔)" لیکن وہ اس سے من نہ ہوئی کپڑوں کوالت پلٹ کر بھتی رہی۔

اب اسے کچھ کہنا ہے مگر اس کی نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا۔ خورشید وہ سارے دنوں کی مظاہرہ کو توڑی دیر کے لیے چلاؤ۔ اس کی مالکین سے اجازت کے لیے۔ اس نے خورشید کو طلب کیا۔

"کس لیے صاحب۔"

ملک نواز نے اس کی دست کھانپانے والی نظروں سے دیکھا۔ خورشید کا تو خون ہی خشک ہو گیا ہو باہر کی سمت ہوا۔

اس منٹ بعد وہ ایک اوجیز مری عورت کو ساتھ لیے داخل ہوا۔

"اماں مفران۔ یہ ہیں میرے صاحب۔"

"سلام صاحب۔" اس نے ملک نواز کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"وہیکم السلام۔ خورشید جاؤ۔ تم بازار سے مرقی بنو لاؤ۔ جلدی۔" خورشید نے "مقی خیر انداز میں اماں مفران کو دیکھا اور پلٹ گیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ مفران کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی سمت چلا۔ اماں مفران قہقہے سے منہ پر ہاتھ رکھ کر ملک نواز کو گھورتی پیچھے پیچھے ہوئی ملک نواز نے دروازہ کھولا۔

اماں مفران کو تو جیسے کرٹ لگ گیا۔ انجانی خوبصورت و بہترین اٹھان والی لڑکی اس پر اتنی پانچ مارے انگلیں میگزین میں رنگین تصاویر دیکھ رہی تھی۔ ملک نواز دیکھ کر اس نے میگزین اس پر کھینچی مارا۔ وہ فوراً ایک طرف ہو گیا۔

"اب اگر تم نے دروازہ بند کیا تو میں دروازہ توڑ دوں گی۔" وہ ملحق چھاڑ کر چلی۔ اماں مفران خوفزدہ ہو کر ملک نواز کے پیچھے ہو گئی۔

"ڈرنے کی بات نہیں اماں۔ کچھ نہیں کہے گی۔" اس نے تسلی دی۔

"اماں یہ ذرا تھوڑی سی پانچ ہے۔" اس نے پست آواز میں سمجھایا۔

"تھوڑی سی۔" وہ حیران ہو گئی۔



”کچڑے اسے بڑا ہوا اور محنت تو ہمیں کرنی ہوگی۔ لیکن جو تم کو کی دے دوں گا۔ اب تم کو وہ اس کے کچڑے ایسے اور بے چین میں اسے اکڑ کے پاس بھی نہیں لے جا سکتا یہ میری کڑن۔ میرا مطلب ہے میری روشنی دار ہیں۔ علانیہ کے لیے یہاں لایا ہوں۔“

”آپ کی رشتہ دار؟ ان کے ماں باپ کہاں ہیں۔“ وہ حجب ہوئی۔

"تمہیں ہیں۔ یہ  $At$  ہے پاس ہی پہننا ہے۔"

”یہ تو بی زلے اب کا کام ہے۔ پوری یہ آپ لوگوں کی ہمت ہی ہے کہ۔“ وہ بات بصری پھوڑ کر چپ ہو گئی۔  
 ”میں تو کبھی حسی یہ مانگن چیں۔“ وہ ٹوٹو دکھائی کے انداز میں بولی۔ ”لیکن جب ان کا طریقہ دیکھ تو۔“  
 ”ستو۔ کیا نام ہے تمہارا؟“ گلے لوازے نے تڑپا کر پکارا۔

”ہیں صاحب۔ آپ کو ان کا نام نہیں تھا۔“ کوکرائی کو شہید حیرت اہل ای اجنبی اعدا پر۔

ملک نو از گزیدہ اکیا۔ "یہ تو میری عادت ہے ایک دم نام نہ سے نہیں اٹھتا۔" وہ سنبھل کر بولا۔

۱۱۱۰ء کی ہولی ہیں۔ تم ایسا کرو کہ پڑھو سے دل ہو۔  
 ۱۱۱۱ء کی ہولی ہیں۔ تم ایسا کرو کہ پڑھو سے دل ہو۔

ماں۔ دیکھو عفت نہ ہارنا۔ چلیز۔ "دو باہر لگے لگے پھر گویا ہوا۔"

بچے اماں حضرات نے دروازہ بند کر لیا۔

شریاء کے بیچ بیچ کر بنے آواز میں آتی رہیں۔ وہ گیت پر کھڑا ہو کر سیاہ بلی کی تحریر پر ہنسنے کی کوشش کرتا رہا۔ اپنے گرد و گناہ یاد آئے گئے تباہی حقوق العباد یاد آئی۔ شریا سورت جتنی ہوتی تھی اور خمیری آئینہ انکسار کا مکمل جہاز تھا۔ جھل جھل روشتا پاس کا جو کھیل رہی تھیں۔

اس دم پانچویں کا عقیقہ امان صغراں پاہر نکل آئی۔

بڑی مشکل سے قابو میں آئیں لی لی۔ "اوہ سانس درست کر لے گی۔"

”میں نے تو جی ان کا منہ ہاتھ بھی دھوا دیا۔ کپڑے بھی بدلوا دیے۔ بال بھی ٹھاپے۔ بال کیا ہیں صاحب رشیم کے مجھے ہیں نکھاپاتے بھی دل دکھتا ہے۔ صاحب آج تک بی بی کا کام کون کرتا رہا۔“

ملک تو اس سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس علاقے میں امراء و شرفاء آباد تھے اسے یہ فکری تھی کہ کہیں نام برحرف نہ آ جائے۔

”گھر والے ہی کرتے ہیں۔ مگر اب یہاں تو لوگ رانی کا انتظام کرنا ہی پرے گا۔“ اپنی والدہ سے اس نے

یہ بحث کے اس "صطے" نے اس کی چلتی زبان کو روک دیا۔

صاحب! اگر آپ کہیں تو میں کر دیا کروں پی پی کے کام جب تک وہ یہاں ہیں۔ ”وہ خوشامد انا اے امیں ہائی۔“

اوں۔ دیکھیں گے۔ شاید انہیں ہسپتال میں داخل کرنا پڑ جائے۔"

خورشید بھی آگیا وہ بالست اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے امان منفرس کو دیکھا جو بیڑی "خوش نظر آ رہی تھی" کندھے اچکا کر اندر چلا گیا۔

نے صفراں کو رخصت کر کے گیٹ بند کر دیا۔ وہ چالی طور پر سخت پریشان تھا۔

۔ کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی نے اسے

اس دم اسے پیچھے گئی کے وہ جو انکا احساس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

وہاں تک پہنچے تھے۔

وہ ہانگ پر چڑھی بیٹھی تھی۔  
 کای ہنر ہاٹ آجھوں کے اسٹاکس سوٹ میں اس کا سلیڈ رنگ کھلا چڑا ہوا تھا۔ گزرا ہوا گرم دھونے کی آگ  
 سے ناک اور دھڑا سرخ آگاہہ ہو رہے تھے اس نے ملک ٹو اڑکی سٹ مسکرا کر دیکھا۔ کپڑوں کا رنگ اس کی ہنر آگھوں  
 سے ناک اور دھڑا سرخ آگاہہ ہو رہے تھے اس نے ملک ٹو اڑکی سٹ مسکرا کر دیکھا۔ کپڑوں کا رنگ اس کی ہنر آگھوں

”مائی کے پاس بھی ایسی سا انگلی ہے۔ جی تو جانتا ہے وہ۔ اس میں سے زور کی آواز آتی ہے۔ ہے ہاں۔“

"ہاں۔ ہاں۔ آں۔ ہاں۔ علیوں کے ہاں۔"

”تم کہہ رہے ہو؟ شام کو آ جا میں کی۔“

”ہاں۔“ وہ گیت کو تالا لگانے کی غرض سے بڑھا۔

"پہلے میں اس سے کہوں گی مجھے یہاں جہولہ اول دیں۔" وہ اچھل کر پائیک سے اتر کر ہاتھ کے پڑے

بچے کمزری ہو گئی۔

”میں اور خدیوہ (مال کی چرائی بی بی) بڑی زور سے تھوڑا جھوٹے ہیں۔“

وہ بھول کے سے انداز میں گردن ہٹا دیکر فرار ہو گیا۔

وہ کہتا ہے کہ اگر میں اس کا جواب دے دوں تو اس کا جواب دے دوں تو اس کا جواب دے دوں۔

[illegible]

اس کی مصیبت اور بے خبری کا عالم دیکھ کر جرم کا احساس شدہ تر ہو گیا تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی ہوشیار لڑکی ہوتی اس کا وجود یہ سوچ کر راز نے لگتا۔ مشرق کی لڑکیاں تو ویسے ہی شیشہ ہوتی ہیں۔ اور شیشہ کو جو آزمائی ہی سے تھما۔ "عکس پرنٹ" تو اسی جاتا ہے شیشہ پر۔ اور ایک بچوں سے بڑھ کر مصیبت لڑکی۔ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ اسے اس کے گھر والوں نے بڑی حفاظت سے پرورش کیا ہے۔ موتی موتی پر و کر جو بالا پر وئی گئی تھی۔ اس نے اس بالا کا موتی موتی سمیر دیا ہے۔

اگر اس کے لواحقین مل گئے۔؟

بہت اچھا ہوگا۔

ہاں میں ضمیر کی مشکل تلاش سے ہوں گا لیکن اس "عذاب مسلسل نہیں" ہاؤں گا۔ اس نے چاند فیصلہ کر لیا۔

میلے دو انتہا پورٹ کر گنا پھر صاحب کے پاس۔ اپنے کچھ کام ان کے ذمے کیے۔ وہ ایسی پر ایک دمیریت

ملاقات ہو گا اور کھینچ کر اپنے گھر لے آئے گا۔ اس کا ذہن نظرات میں گھرا ہوا تھا مگر اسے دنیا سے لہا ہونا پڑ رہا تھا۔

واپس رہنا شروع کر دی۔ معاہدے تیار کرنے کیلئے اس نے بائیک کارخ صدہ کی سمت کر لیا۔

"اسٹائل ہاؤس" کے کاؤنٹر پر بے حد مصروف تھے۔ اس نے پرس سے رسید نکالی اور ایک کاؤنٹر پر جگہ خفیہ دیکھ کر توجہ سے بیٹھا۔ اس کے برابر ایک صاحب کپڑے چیک کر رہے تھے انہوں نے سٹری بیج کھولا اخبار کے تہہ شدہ صفحات پر لگا کر بے نیازی سے کاؤنٹر پر ڈال دیے۔  
اخبار کا ادبی ایڈیشن تھا۔ شہلا کی تصویر کے نیچے ہی اسکی ایک "نزل" چھپی ہوئی تھی اس کا دل بھر ادا ہونے لگا۔

"کیا میں یہ لے سکتا ہوں؟" اس نے پر شوق انداز میں اخبار کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔  
"غصہ نہ کرو۔ میں جہاز میں پورا چاٹ چکا ہوں۔" وہ صاحب بڑی قنصل سے بولے۔ پھر سامنے چہرہ ہو کر کہنے لگے۔

"یاد میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ میری بیس کی فلائٹ ہے۔ اور تم نے ابھی تک۔"  
"سریعین کیجیے۔ آپ کو کون ہائی کپڑے مل جائیں گے۔"

وہ صاحب چہرے پر پریشانی کے تاثرات گہرے کیسے پلٹ گئے تو اس نے بھی رسید آگے بڑھائی۔ وہاں سے فارغ ہو کر اس نے سیدھا گھر کا رخ کیا۔  
کئی گھنٹی پہلے خورشید نے گیت کھولا تھا۔

اس نے خورشید کے چہرے پر نظریں دوڑا کر صورت حال کا اندازہ کرنا چاہا۔

"بلی بی نے پریشان تو نہیں کیا؟" اس نے اس طرح پوچھا گویا "بلی بی" اس کی سگی رشتہ دار ہو۔

"نہیں صاحب۔ شام کو بہت شور کر رہی تھیں۔ پتا نہیں۔ آہ۔ آہ۔ کیا کر رہی تھیں۔ میرے سر ہو گئیں کہ جھولا ڈال دوں۔ بڑی مشکل سے ری ڈھنڈ کر۔ صاحب۔ جھولا ڈالا۔ پھر دیر تک جھولا جھولتی رہیں۔ میں نے انہیں کھا کھلا دیا تھا۔ کھانے کھاتے ہی سو گئیں۔"

خورشید نے تفصیل سے بتایا۔ اس نے بھی بڑے غور سے سنا۔

"کھانا کھائیں گے صاحب۔؟"

"ہوں۔ لگاؤ۔"

وہ سامان سمیت آہستگی سے خواب گاہ میں داخل ہوا۔ کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی اور وہ بے خبر سو رہی تھی۔ بے بس۔

اس نے اس کے سر پر پراپتی نظروں ڈال کر رخ موڑ لیا۔ قیامت خیز حسن۔ اور عورت تو مرد کا سب سے کڑا امتحان ہوتی ہے۔

اس نے سر مٹی کھیل اس کے پورے وجود پر پھیلا دیا۔ اس کی معصومیت اور اپنی معصیت پر غور کرتا کھانے کے کمرے میں آ گیا۔

بڑی مشکل سے دو چار نالے زہر مار کیے اور جلد ہی کرسی تھکٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"صاحب بی۔! پیچھے سے خورشید نے پکارا۔

اس نے رک کر بغیر مڑے خورشید کی بات کا انتظار کیا۔

"صاحب۔ ایک بات پوچھوں۔ ڈانٹیں گے تو نہیں۔؟" وہ گھٹکھٹایا۔

"ہوں۔؟" وہ اس نے ہونے انداز میں بولا۔

"صاحب صبح 7 بجے آپ مجھے انٹ رہے تھے کہ یہ لڑکی کون ہے۔ اور اب آپ اس کا کال لیا۔ کد ہے چہ۔

آپ سے لگا۔ جیتے۔" بلی ہائی لٹا۔

"میری ہائے والی ہے۔ میرے دوست کی بہن ہے خورشید اسے ملائی کے لیے ہاتھل میں اٹھ کر رہا ہے۔" اس کا لہجہ انتہائی جھلکا تھا۔ بڑی گھڑسوار جیسا انداز تھا۔ اسے معمولی ملازم کے سامنے بڑا محرم رکھنا ضرور لگ رہا تھا۔ سمیت تو خفیہ کہ وہ اس کے اپنے گاؤں کا لڑکا تھا۔ پہلے اس بچے میں اس کا آپ بھائی تھا اب اس کی موت کے بعد خورشید اس کی جگہ پر تھا۔

وہ خورشید کی چھٹی بھی نہیں کر سکتا تھا اور سچ بات بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ اگر وہ گاؤں میں جا کر رہتا۔

لگا ہی تو۔ پھر بیٹھ آ کر موی خیمہ کی تھی۔ اور اسے حیرت میں ڈال دیا۔

"صاحب آپ تو مجھ کو کہہ رہے تھے۔" خورشید بکا بکا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"میں صبح نشے میں تھا خورشید۔" (وہ جانتا تھا صاحب "پیتے" ہیں)

"نشے میں۔؟ صبح کے وقت۔؟" وہ حیران پریشان نظر آنے لگا تھا۔ (کنو کا کوئی وقت نہیں ہوتا خورشید)

اس نے سوچا۔ پھر خورشید کی مست خشکی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"مرضی ہے میری۔ جاؤ اب تم اپنے کردار ڈروپ کا لہجہ خانہ کھولا اور ایک کھیل لکلا۔ جاتی سر دیں ج

تھیں۔ پھر اس کے برابر سے دوسرا کھیل آہستگی سے اٹھایا۔

پھر ایک دوسرا مویج کر رہا ہوتا جاتے جاتے پلٹ پڑا۔

اور صوفے پر گئے ڈال دیا اور کھیل بھی۔ لائٹ بجھا کر اس نے بجلی روشنی کی۔ پھر اوڑھ روپ کی طرف آیا اور

خصوص خانہ کھول کر بوتل لکائی پھر شیشے کا پیاز۔ بوتل اٹھا کر روشنی کی طرف کی اور مقدار کا اندازہ لگایا۔

اور صوفے پر آ گیا۔ کارک بناتے ہی ایک مخصوص مہک اس کے اعصاب میں بچکانہ برپا کرنے لگی۔ پیاز

بھرتے ہوئے اس کی نظر۔ "ضمیر کے پھندے" پر پڑی اس کے ہاتھ رک گئے۔

وہ پھر ہوش و غور سے بے گانہ ہونے جا رہا تھا۔ جبکہ پچھلے "قرض" بدستور اپنی جگہ تھے۔

ٹھیک ہے وہ اس شے کا عادی ہو چکا ہے۔ کیا یقین ہے آج پھر وہ اپنے ضمیر کی بلاکت کا سامان نہیں کرے گا۔؟

اور ہر ایک ایک ہی زاویے سے بیٹھا رہا پھر اٹھا اور بوتل اور پیاز دیکھ کر لاک لگا دیا۔ اسے خود پر مجبور سا

نہیں رہا تھا۔ اور ہر ایک صوفے پر لیٹا خالی الذہن تھکتا کو کھو رہا تھا۔ نیند جیسے راہ بھول گئی تھی۔

گردن موڑ کر اس نے خوابیدہ دو دوچان من دیکھا۔

دن میں تمام باتیں اسے سرسری ہی لگی تھیں۔ لیکن رات۔ نہیں بخشی۔

ایک پا کھٹی عورت کی طرح۔ جو لڑاتی ہے اور انجان بن جاتی ہے۔ بہت سارے حادثے اس کی گود

میں۔ پرورش پاتے ہیں۔

رات کے۔ کدھ۔ تنہائی اور سنانے کا تصور ایک ساتھ بنتا ہے۔ تنہائی اور سنانے۔ سنانے کی تو اس کا نکات کو

عادہ نہیں ہے۔

باہر کے شور جیسے ہیں تو "انداز" ہنگامے سے برپا ہونے لگتے ہیں۔





"ساحرہ۔ ثریا۔ مانی کی بہن ہے۔ بے حد پیار کرتی ہے مانی سے۔ کیا مانی پریشان نہیں ہوگا۔؟" وہ اس وقت بے حد پریشان ہے۔ جیسے اس کا بے حد خیال رکھنا چاہیے۔

آؤ چلو۔ میں جیسے تمہارے کمرے تک چھوڑ دوں۔" اس نے محبت سے ساحرہ کی کمر میں بازو مل کر لیا۔ "جیسے" وہاں پریشانی کے اظہار کرنے کے خود مانی کی پریشانی دور کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔ اسے ہرے پر سے گھر میں بیہوش کر آئی ہو۔ بہت ذمہ داریاں ہوتی ہیں بیہوش پر۔ اگر وہ اپنی زندگی میں سکون چاہیں تو یہ ذمہ داریاں انہیں ہنس کر قبول کرنا چاہئیں۔ اپنے آپ کو مضبوط بنا کر رکھنا ہوگا ساحرہ۔ معمولی معمولی باتوں پر پریشان ہوگی تو یہ مسائل سے کیسے نمٹو گی۔؟"

"خدا نے چاہا تو ضرور ثریا گھر واپس آ جائے گی۔ خدا کرے وہ خیر سے ہو۔ ساحرہ نے دل ہی دل میں آئین کہا۔

وہ صبح لان میں بیٹھا تازہ اخبار دیکھ رہا تھا۔

ثریا جھولا جھولنے میں مصروف تھی۔

"تم بہت چٹھیاں کرتی ہو۔ کل مجھے سارے گھر کی جھاڑو لگانا پڑی تھی۔"

خورشید گیٹ پر کھڑا۔ جعدارنی سے الجھ رہا تھا۔

ملک نواز کو اس کی آواز بھینچنا بہت محسوس ہو رہی تھی۔

"خورشید۔ رہنے دو۔"

"صاحب۔ آپ نہیں جانتے۔"

"اچھا۔ بس۔ بس۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر خورشید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"جاؤ۔ تم جا کر اپنا کام کرو۔" اس نے جعدارنی سے مخاطب ہو کر کہا۔

جعدارنی اندر چلی گی لیکن تھوڑی سی دیر بعد باہر آ گئی۔

"صاحب۔ یہ ہمارا آپ کے کمرے میں پڑا ہوا تھا اس کی زنجیر ٹوٹی ہوئی ہے شاید "بی بی" کے گلے سے ٹوٹ

کر گر گیا ہے۔" اس نے دور جھولا جھولتی ثریا کو دیکھا۔ ملک نواز نے "ہمارا" کے ہاتھ سے لے لیا۔ بچے کی شکل کا لاکٹ تھا

جس پر کچھ کندہ تھا۔ وہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس پر نقش دو لگا نہیں۔ ایڈریس کندہ تھا۔

"در اسلام کو بند۔ شہنا کے گھر کا ایڈریس۔ اس کا ذہن بھٹک سے اڑ گیا تھا۔ اس نے ثریا کو ہنور دیکھا۔ وہ

اب اس کی یاداشت کی سطح پر مسکرا رہی تھی۔

اسے محسوس ہوا یہاں اُن گزشتہ رات کو نہیں ابھی ٹوٹا ہے۔ اس کے ذہن میں تمام نہیں مگر کچھ یاداشتیں کروٹ بدل

چکی تھیں۔

اسے محسوس ہوا گو وہ جہنم کے سب سے نیچے درجے میں پہنچ چکا ہے۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ

قدرت اسے اس طرح جہنم میں کسے گی۔

اسے یاد آ گیا کہ وہ اس دینیاتی سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بے سرو پا سوالات کے دوران جو اس کی حالت

ہوتی تھی۔ اسے یاد آ گئی۔

مجھ کو جب وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ سنو تم کیا بھائی جان ہو۔؟" تب اسے یہ طرز خطاب اور الفاظ

باروں سے محسوس ہوتے تھے۔ جیسے پہلے بھی کبھی تھے ہوں۔ اسے شہنا کے سر کی شگفتہ حالت یاد آتی جو اس کے ہاتھ پر

ہوتی تھی۔ اب تو وہ کسی طور پر منظر پر نہیں آتے گا۔

پچھلے دنوں اس نے اس پر اپنی خالص اور شہ جہت اور ایگی آٹھارہ کی ہے۔ وہ اسے ملک کے اسیے مطلع

کر چکا ہے کہ وہ اس کے کام سنا گیا ہے۔

پھر اس کے ساتھ زیادتی کاٹی ہے۔ اور پھر یہ بلی ان کے کس کام کی؟ شہنا کو کسی صورت بھی "در اسلام"

نہیں جانے گا۔

اس کے ذہن نے قطعی فیصلہ کر لیا۔ وہ اسے سینکڑوں ہسپتالوں میں ڈال کر بیہوش چلا جائے گا اور وہاں سے

ایک گرام یا فرضی نام سے ملک کو گھر آئیں تاکہ اس کی دینیاتی بنی گھاس گھاس ہسپتال میں ہے کراچی جا کر کے

آئیں۔ اور یوں اس نے آخر کار اپنی انگوٹھوں کا صلہ وصول کر لیا۔

"ارے میری ما!۔" اس نے ملک نواز کے ہاتھ میں اپنا لاکٹ جھونک دیکھا تو ایک کرتا لی۔

"تم نے کیوں میری "ما" کی۔؟" وہ غلطی سے بولی۔ "آپا کہتی ہیں۔ اگر تم نے یہ بات تو میں موندے

اٹھ سے سے پانی کروں۔ گی۔ بہت زور سے مارتی ہیں۔" اس نے آنکھیں پھیلا کر ملک نواز پر بھی آچاڑا رہا تھا۔

"تم نے کبھی ما! دیکھی ہے؟" خورشید جانے لے گیا۔

"تم مت ہنسو۔ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ مجھے اچھے اچھے لوگ پیارے لگتے ہیں۔ جیسے تم مجھے بہت اچھے لگتے

ہو۔" اس نے ملک نواز کے شیوہ سے چہرے کو ہاتھوں میں لے لیا۔

وہ اس کی اس بے ساختہ حرکت پر بری طرح گزبازا کر رہا تھا اس کے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے وہ خورشید پر

بلی پڑا۔

"کیا تم ہر وقت سر پر کھڑے رہتے ہو۔ کام دام کرو جا کر۔" خورشید بظاہر ڈر کر دیک گیا۔ مگر لیکن سے اس

کی شرارت بھری آواز سننا نہایت کی صورت میں براہم آ رہی تھی۔

دنیا والوں سے دور  
آ جا آ جا چلیں کہیں دور

وہ اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔ وہ ناصر صاحب کا لیٹرڈ اٹل کر رہا تھا۔

"بیڈروم ناصر صاحب ابھی ایک ایڈریس ہے۔ بات یہ ہے پچھلے دنوں آپ نے بتایا تھا کہ انگریز باقر نے اپنا

ایک انسانی کلیٹک کھولا ہے۔" انگریز باقر ناصر صاحب کے بڑے بھائی تھے۔

"نہیں بھئی خدا نے کرے صاحب۔ مرلیس کوئی اور ہے۔ دراصل انگریز صاحب نے وہ سال پہلے کیڑا میں

مجھے بتایا تھا کہ وہ وطن واپس جا رہے ہیں اور اپنا ہسپتال یا کلیٹک کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے بھی بتایا تھا۔ یہ

بتانے ان کا کلیٹک کہاں ہے؟"

"اچھا۔ اچھا۔ بہت شکریہ۔ جی بس ایک ہفتے بعد روانگی ہے۔ چھوڑیے۔ جس جگہ دل ہی نہ لگے۔

وہاں رہ کر کیا لاکھو۔"

"آپ کا کہنا بھیا۔ اپنا وطن پھر اپنا ہے۔ لیکن بعض اوقات اپنے۔ خیر جانے دیجیے۔ نہیں صاحب

میں نے تو نہیں جانتا گا۔ آؤں گا۔ لیکن آپ یہ تو بتائیے میرے ہاں آنے کا ویرا کب لائو کر رہے ہیں؟"



"نہیں خبر گاؤں اگر جاتا تو آپ کو بغیر اطلاع دیے تو نہیں جانتا۔ مگر؟" چوڑے صاحب۔ "کوئی گئی۔ اور گزر جانے کی۔"

"کئی؟" "ہا۔ ہا۔ ہا۔" اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ مگر ایک دم چپ ہو گیا جیسے غلطی سے ہنس گیا ہو۔

"خدا حافظ صبر صاحب!"" اس نے فون کر لیا پر ڈال دیا۔

ڈاک کا دھیان تو آج بھی نہ آتا اگر پرانے اخباروں کے جمع شدہ خطوط نظر نہ آ جاتے۔ اب تو ہمارے دنوں سے ڈاک بھی نہیں بغیر خطوط بہت اہم بھی ہوتے ہیں۔ اسے یاد آیا مانی کی مہندی والے روز بھی کچھ خطوط آئے تھے جو اس نے وارڈ روپ میں قویوں کے خانے میں اٹھا کر رکھ دیے تھے۔ اس نے وارڈ روپ کا مٹھو بہت کھول کر وہ خطوط بھی نکال لیے۔

ڈاکن گھر کی پریشاندہوں میں بدستور الجھا ہوا تھا۔ وہ جلدی جلدی لفافے چاک کر کے سرسری نظر ڈال رہی تھی۔ ایک پتھرنا سفید لفافہ جس پر ایک غیر ملکی ہوائی کمپنی کا مونو گرام بنا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے لفافے پر درج ایڈریس پر نظر کی اور لفافہ ایک طرف رکھ دیا۔

یہ تحریر خواہ مخواہ میرا ہلڈ پریشور بڑھا رہی ہے۔ اسے آخر میں ہی دیکھنا چاہیے۔

"ابن یحکم! پہلے برتن دھوؤں یا دال جین لوں کچھڑی کے لیے۔" گھر کی پرانی بوڑھی خادمہ روز سے یہ تموار ہوئی۔

"برتن دھولو اماں ادال وغیرہ میں آ کر دیکھتی ہوں۔ اس نے ایک خط پر نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔

حسن بھی آج گھر پر ہی تھے۔ بلکہ تین دن سے ماں کی وجہ سے چھٹی رہی تھے۔ اس لیے اسے یہ فکر تھی۔ ان کے کمرے میں واپس آنے تک بیڈروم بھی درست کر لے۔ بیڈشیت وغیرہ بدل دے۔ اگر وہ کمرے میں آ جاتے تو کمرے کی کوئی جگہ بھانڈا یا پونچھنا بڑی معرکہ ہو جاتی تھی۔ انہیں بالکل پسند نہیں تھا کہ وہ کمرے میں ہوں اور کمرے کی بھانڈا پونچھ شروع کر دی جائے۔ اس نے وہی سفید لفافہ اٹھا لیا اور لٹل میں کھولا۔ عجیب سی جہمی تحریر تھی۔ وہ تیز تیز نظریں دوڑائے لگی۔ "واہیات!" اس نے تیز تیز نفس پر قابو پا کر عجیب سی کیفیت میں کہا تھا۔

"حسن۔ حسن۔ کیا ہنر ہے! پ کے پاس۔ میری حساسی نظر یہاں کتنی آسانی سے دیکھ گئی تھی۔ آپ کی برہمی۔ آپ کی ذات کی شان میں۔ مجھے "کئی" محسوس ہوتی تھی۔ میرے رفیق میں نے کئی بار بے ساختہ آپ کو حاسد ہنگ نظر جانا۔ یہ دعویٰ تو میں نے کبھی نہیں کیا میں دانا ہوں، عالم ہوں۔ لیکن مجھے اپنی شدہ حساس نظر پر بہت بھروسہ تھا۔ واقعی عورت کتنی چنہ بانی ہوتی ہے۔ بہت کم عقل کی سنی ہے۔ میں نے آپ کی پہلی بات پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ جب آپ نے مجھے پہلی بار احساس دالا تھا۔ میں تو فرعون ہی بن گئی تھی۔ بیان کے جواب میں سبھروں کے ثبوت چاہیے تھے۔ آخر آپ کی بات پر مجھے کیوں یقین نہیں آیا۔؟ حد سے زیادہ خود اعتمادی دانا نہیں یہ خود اعتمادی تو نہیں۔ محض مروت اور اپنی ذات و کردار کی جھلکی پر انوث یقین تھا۔ مجھے معاف کر دیجیے حسن۔ محض اس لیے کہ میں نے آپ کی سبیر اور کاوت کو آپ کی کوتاہ ذہنیت سمجھ کر لائق افتخار نہیں جانتا تھا۔ شکر ہے ملک اتم نے یہ ہم اس وقت میرے سر ہارے مارا ہے جب میں حسن کی رفاقت میں سمجھوں گا کہ واقفوں کا ایک خاصا معتبر مرد گزر چکی ہوں۔ اسے مارے بیکار کرنے والے لوگ میرے ارد گرد ہمیشہ رہے ہیں۔ اسی لیے تو ملک امیں نے حسین بھی ان ہی سب لوگوں جیسا سمجھا تھا۔ ایک ام و حق اور پاگل ہونے تک۔ بے خوف انسان۔"

اس نے مارے فلا سمیت کر میوز پر ڈالے اور ملک نواز کے فلکی چند بطور چچی لائنوں پر سرسری نظر دوڑائے لگی۔ نام تو اس کا دلچسپ کے انداز میں لکھا تھا۔ البتہ سطور جس پر لکھا تھا یہ اپنے اپنے سے حلق تھا۔ اس نے ملک نواز کا نام اور جہنم میں اس کے آفس کا ایڈریس بہت خوبصورت انداز میں درج کیا تھا۔ لکھا کا انداز بے حد بے ساختہ تھا۔

اسے صبح ازل کے پہلے قصہ  
اسے خالق کے اچھوتے فکر

میں تھے سلام و آداب نہیں لکھوں گا کہ عیا آداب نہیں جانتا۔ میرے انداز کا انوث یقین ہوتا ہے۔ لوح محفوظ پہلے اصلی۔ اور سورج بعد میں خلق ہوا۔

اگر سورج لوح محفوظ سے پہلے بنا دیا جاتا خالق عدت اور آتش سے بے نیاز ہو کر لوح محفوظ پر مقدر رقم نہ کرتا۔ میں تھے بتاؤں۔

لوح محفوظ پر تین لکیریں کھینچی کر فرق بنایا گیا۔ (میری روح کہتی ہے۔ یہ جھٹیل س کی آنکھوں کے سامنے ہوئی۔) ان تین خانوں میں سے پہلے خانہ ان کا تھا جو دیکھیں اور پائیں پھر وہ جو بے نیاز اور شنی ہوں۔

دوسرے خانے میں ان کے نام درج تھے جو دیکھیں دوڑ پڑیں۔ گریں۔ نہیں۔ گریں۔ اور آخر کار پائیں۔ تیسرے خانے میں ان کے نام رقم ہوئے جو دیکھیں تڑپیں۔ دیکھیں سگیں۔ دیکھیں دیوانے بنیں اور غمزدہ ہوں۔

جس کا نام کسی گہرست میں آخر میں آئے اسے مراعات بہت کم ملتی ہیں۔ میرے مسین خواب ایسی تھیں جس سے اتفاق ہوگا۔

یہ باتیں۔ یہ بیانا سنگا۔ آج کا نہیں ہے۔ اسے ریشم دھری میں سونے والی تھیں کیا معلوم کا نونوں کی جھین کیا ہوتی ہے۔ چند برس ایک عرصہ ہوتا ہے۔ میں محبت کرتا رہا اور خطا رہا۔ لیکن عشق اندھا اور غیر منطقی ہوتا ہے۔ اب عشق ہے اور عقل کو تھامنا۔ (تیری) میں نے تو تجھے کھونے کے بعد حیران ہو نہای چھوڑ دیا تھا۔

تو ایک ہانڈا پائس ہے تو عشق قلم سے لکھ سکتی ہے۔ دیکھ نہیں سکتی۔ عشق کتاب نہیں ہوتا۔ تیرا سارا علم انسانی ہے۔ محبت مروت کو عشق کہہ کر عشق کو ذلیل نہ کر۔ اپنے شعروں میں عشق کو بے حرک نہ لکھا کر سب سے لکھا کر۔

تو سلیقہ مند معاشرت کا ایک حصہ ہے۔ ایمان اور غم ہے۔ تو مجھ تک کبھی پہنچ بھی نہیں سکتی۔ میرا عشق تیری شاعری کی فکر انگیزی سے باہر نکل گیا ہے۔ اب میں تیری شاعری نہیں پڑھتا بلکہ تجھے کتاب بنا کر اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ تیرا پہلا تصور وضو میں نے زیادہ نہیں دیا۔ میرے ہوش ابھی ٹھکانے ہیں۔ اتنی شراب مجھے نہیں بھگا سکتی۔

"لا حول والاقوہ۔" شہزادے گہری سوچ کے بعد بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ اس نے خط پر نظروں دوڑائی۔ تاریخ غائب تھی۔ اور لفافے پر لگی مہر تو کھینچی۔ یہ خط اس روز کوئٹہ کے جزل پوسٹ آفس سے باہر آیا تھا۔ جس دن مانی کی مہندی تھی اس نے تاریخ کا خود ہی اندازہ کر لیا۔

لیکن ایک بات ضرور تھی۔ فلکی بے ساختگی اور شدت نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیے تھے۔ محض رقیق آنسو کی بنا پر کہ اتنا چھانسان خواہ مخواہ ہوتا ہو رہا ہے۔ ملک نواز۔ کیوں اپنے والدین کی آہ میرے سر لگا رہے ہو۔

"بھئی کیا مصیبت ہے۔ ایک تو تھرا ہوا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ سارے وہاں جھین تلاش کر رہی ہے۔ گڈو نے اور کو گھر پر اٹھالیا ہے۔ اسی کی حالت دیکھ رہی بہت غراب ہو رہی ہے۔"

وہ ایک دم چونک کر بلک پڑا کھڑا کر کھڑی ہو گئی۔ یہ عمل اس سے بے ساختہ سرزد ہوا تھا۔ جیسے طرے گئے باپ کے سامنے اچھا بھلا بچہ بھی گڑبڑا کر رہ جاتا ہے۔

پھر اپنی کیفیت سے قایم پانی ہوئی وارڈ روب کی سمت رخ کرتے ہوئے بولی۔  
"گڈ فوٹ لائٹ کے پاس تھا۔"

"جی ہاں لیکن شاید آپ بھول گئی ہیں بچوں کو وہاں آپ بنا کر رہتی ہیں۔ ملازمہ کو ملتی کی کھواہی تھی۔"  
حسن نے پہلے بچے انداز میں کہا۔ اور وہ اپنی جان چھپیں بنا کر تھک گئی ہیں۔

"تو بچے حسن۔ اب بھی نہ کہتے۔ میں صنف میں گویا میں وہ آسمان ایک ہو گئے ہیں۔  
وہ حسن کی پٹکار پر وہ بھی جا رہا ہے۔ چپ سی گئی تھی۔

"اچھا ذرا میں پچیس انٹیشن جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں معاملہ کچھ آگے بڑھا یا نہیں۔ مانی ڈاکٹر خان کے پاس مل گیا ہوا ہے۔ وہ آگے تو بچہ چھٹا کہ وہ شریا کی تصویر دے آیا یا نہیں۔"

"لیکن تصویر تو پہلے ہی وہی تھی؟" وہ باہر جاتے جاتے رک کر بولی۔

وہ کچھ پرست نہیں ہوئی۔ بہت غیر واضح ہے۔ ہاں وہ گاڑی کی چابی کدھر ہے۔"

"آپ کے بچے کے بچے رہ گئی ہے۔"

"شہلا! وہ حسن کی آواز پر جاتے جاتے پھر رک گئی۔" کہا جان کا دھیان رکھنا۔ وہ اندری اندر گھٹ رہے ہیں۔ ان کو ذرا باتوں میں لگا کر رکھا کرو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔  
شہلا نے حسن کی سمت بے حد محبت سے دیکھا۔ جو آج کل صحیح معنوں میں اس کا غمگین رہا ہوا تھا۔ اور بے حد تعاون کر رہا تھا۔

"خورشید!"

"جی صاحب۔"

"بات سنو۔ وہ دیکھو ذرا انکرم اسکول کے لیے ایک ٹیکسی لے آؤ۔ ذرا جلدی۔"

وہ کچھ پوچھتا چاہتا تھا مگر صاحب کا خشک سا انداز دیکھ کر فوراً گھٹ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اپنے بیلے روم میں آیا اس وقت اس کا ذہن متغیر سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے وارڈ روب سے اپنے کپڑے لگالے اور تبدیل کرنے سے چلا گیا۔

جب وہ اپنی آواز شریا کے رینک نیکل کے سامنے پہنچی "برل کریم" منہ پر مل رہی تھی۔ وہ طرح مچا کر رہ گیا۔  
وہ تو پینٹ کی پیلٹ کسے کا پر و گرام بنا کر بڑی گھلت میں ہاتھ روم سے باہر آیا تھا۔

"بھئی کیا مصیبت ہے؟" اس نے برل کریم کا ٹیک اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یہ مصیبت نہیں ہے کریم ہے۔" وہ بدستور چہرہ رکھ رہی تھی۔ بڑی مصیبت سے بولی۔

"جی۔ یہ کریم ہے مگر ہالوں میں لگانے والی۔" اس نے ڈھکن کس کر ٹیک ذریعہ نیکل پر دے مارا۔

شریہ کھٹکھٹا کر فیس پڑی۔ اتنی سہو کن فیس تھی اگلی کی کاس کی ساری جھانٹ مہاک کی طرف دھنکی۔

"کریم ہالوں میں نہیں لگاتے منہ" میں "لگاتے ہیں۔" اس نے بے انداز سے کہا۔

"منہ میں" منہ کو ملک نواز اپنی بے ساختہ سکراہٹ نہ روک سکا۔ پینٹ میں اگلی پیلٹ ابھی تک کمری کے

ہالوں کی طرح دائیں بائیں بھول رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" شریا نے پیلٹ کا ایک مہول سر اٹھام کر قیاس سے پوچھا۔

"سر ہے میرا۔" اس نے پیلٹ سے قیاس کرنا شروع کیا۔ اس کے ہاتھوں سے آواز کر لیا۔ اور اپنی بھئی بھئی

"جی" پیلٹ اور بیک نیکل کے آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ شریا اسے آئینے میں نظر آ رہی تھی۔

"پلو جیسے آپ کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔" اس نے پوچھ کر نظر شریا پر ڈالی۔

"جی؟" جہاز آ گیا۔ "وہ خوشی سے ٹپٹپٹ گئی۔

اس نے وارڈ روب کی طرف ٹیکس لگالے اور ٹیکس میں لگالے پھر شریا کی سمت حوالہ

"پلو۔ آؤ۔ خورشید کیسی لے کر آ رہا ہوگا۔"

وہ حیرت سے بولی۔

"بات سنو۔ ایسے نہیں۔ وہ جہاز اور پتہ کہاں ہیں جو اس سوٹ کے ساتھ ہی تھا؟"

"میں نہیں لگاؤں گی وہ پتہ۔" پھر آ پانچ ہوئی ہیں۔"

اس نے وہ پتہ کے ساتھ "لگنے" کی اصطلاح پہلی مرتبہ ہی تھی۔ خاصا مضمون ہوا۔

"نہیں بری بات۔ تم بڑی لڑکی ہو۔ اور بڑی لڑکیاں وہ پتہ اور جی ہیں۔" ملک نواز کو پاس ہی کمری پر وہ پتہ

پتہ نظر آ گیا۔

"یہ لو۔" اس نے شریا کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے وہ پتہ بغیر اچھی طرح کھولے گئے میں لگو بند کی طرح لگا لیا۔

"صاحب کیسی آگئی ہے۔" خورشید کی آواز قریب ہی سے آئی۔

اس نے شریا کے گھٹے سے وہ پتہ نکال کر اسے اچھی طرح۔ کھولا اور شریا کے سر پر پھیلا دیا۔ اور ارد گرد چاروں

کی طرح پینٹ دیا۔ وہ پتہ اڑھاتے ہوئے اس نے شریا کے وجود میں ایک متناہیت محسوس کی تھی۔ اس نے سوچا۔ اب

کچھ میں آیا۔ یہ سول رات شراب دو آتھہ کیوں تھی۔ اس نے اپنے آلودہ ہاتھ اس کے شانے پر بھا کر باہر پھیلنے کا اشارہ

کیا۔ اس نے وہ اتنی پاک معصوم اور بے نیاز لگی تھی کہ ملک نواز کے خاموشی بلب قہر پر "نام آسو" لگاؤں کی طرح

گرسے تھے۔  
"خورشید! گھر سے باہر نہ جانا۔ مجھے ڈیڑھ دو گھنٹے لگ جائیں گے۔" ملک نواز نے ٹیکسی کا پیچھا اور وارڈ

کھول کر شریا کو اٹھایا۔

"آپا دور ہیں کیا۔" وہ ٹیکسی کے دروازے میں اڑ کر بولی۔

"ہوں۔" اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور خود لگاؤں کو کھول کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھوں پر سیاہ گلابی چڑھا

لے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کی شخصیت سے مرعوب نظر آ رہا تھا۔

پچھے شریا کی ہڈی کو جین نہیں تھا۔ کبھی وہ اپنی کمری سے باہر جھانکتی بھی بائیں جانب کی کمری کے شیشے سے

ناک لگا کر دیکھنے لگی۔

اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔ وہ بہت لطف اندوز ہو رہی ہے۔

پچھے اس نے اس قدر اچھل کود مانی کہ ملک نواز کو گروں موڑ کر کہا پڑا۔



"آرام سے بیٹھو۔ ورنہ گاڑی خراب ہو جائے گی۔ پھر آپ کے پاس کیسے جائیں گے؟"  
وہ ایک دم سو سو کر بیٹھ گئی مگر کب تک۔ اگلی دو دنوں بیٹھوں کے سچ سے اپنا چہرہ نکال کر پوچھنے لگی۔  
"یہ آؤ کی کون ہے؟" اس نے ڈرائیور کی سمت اشارہ کیا۔  
"جانتیں۔ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" وہ عاجز آ گیا۔

خدا خدا کر کے ڈاکٹر باقر کا عظیم الشان کلینک آیا۔ اس نے ڈرائیور سے کہا۔ وہ جیسی پر لپٹے تنک لے چلا۔  
جیسی اندر تک چلی گئی۔ اس نے پہلے کرایہ دار کیا پھر شریا کو اتارا۔

"آؤ۔" اس نے شریا کا ہاتھ تھام لیا۔ نرم گالی اور مہر پر ہاتھ۔  
وہ ٹینک دوم میں چلا آیا۔ اور اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا۔ چند ہی منٹوں میں داخلہ آ گیا۔  
"آپا اندر ہیں؟" شریا نے آنکھیں پھیلا کر حیرانی سے پوچھا۔  
وہ خاموش رہا اور اسے اندر لیے چلا آیا۔

ڈاکٹر باقر اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے پنک سے ہاتھ ملا دیا۔ اور ساتھ ہی ایک بے لہجہ  
"میں لڑکی کی سوت چاچھے والی نظروں سے دیکھا۔"  
"یہ ہیں وہ سریندر۔"

"گو یا ناصر صاحب نے آپ کو فون کر دیا تھا۔" ملک نو اور کو طہینان سا ہوا۔  
"ہاں تمہارا کام تو وہ بھی نہیں بھولتا ملک۔" وہ مڑی سے مسکرائے۔

"ہات یہ ہے باقر بھائی کہ یہ لڑکی جانے کیسے یہاں کرایہ کی پہنچی گئی۔" اسلام آباد۔ اس نے کوئٹہ کا نام منہ سے  
نہیں لیا۔ ایک دن تو اسی شش و شنب میں کٹ گیا کہ اسے کہاں پہنچایا جائے۔ بہت اچھے گھر کی لگتی ہے اس لیے پولیس  
انسپشن کی سوت۔ نہیں کیا کہ شاید اس کا کوئی اتا پاتل جائے ورنہ قاتلے پولیس کے پکڑ میں۔ اس کے گھٹے سے ہر  
ملاحظہ اس پر ایڈریس کندہ تھا۔ میں نے اس کے گھر والوں کو مطلع کر دیا ہے۔ وہ آپ کے پاس پہنچی جائیں گے پھر ان کی  
مرضی کہ وہ اس کا علاج آپ سے کرائیں نہ کرائیں۔ میں چاہتا ہوں اس کے گھر والے آپ کے جدید شینوں اور بھونوں  
سے آراستہ کلینک کو دیکھ لیں اور علاج کرائے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کی زندگی بن جائے گی۔ بہت دکھ ہوا مجھے اس لڑکی  
سے مل کر۔" ملک نو نے تاسف سے کہا۔

"ملک! میں تمہارے چند بہہ ہمدردی سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ تم ایک شریف انسان تو تھے ہی مگر آج  
جانت۔"

"بھوڑا باقر بھائی!" اسے ڈاکٹر باقر کے بیٹے تیز سے کیانی کی طرف چبھے۔

خوبصورت چہرے کا کافی "مراعات" کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر باقر جیسے پریشانی نے شریا کے  
حسن پر کئی بار ایسی نظر ڈالی جس میں اس کے بے پناہ حسن کا اعتراف تھا۔

"ملک! ادھیڑ کو ابھی تو محض سریندر کو اپنے منہ کی کیا جانے گا۔ جب اس لڑکی کے لواحقین میں سے کسی کوئی  
حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس سے بیشتر بھی علاج معالجے کی کوشش کی ہوں۔ پھر پرانی رہ پولیس رکیج  
کر رہی درست علاج توجہ ہو سکے گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں تو تین دن بعد پوسٹن چلا جاؤں گا مگر آپ بے فکر رہیے۔ اس کے گھر

والے جلد ہی آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔"

شریادی خاموشی سے ٹکڑ ٹکڑوں کی صورت میں دیکھ رہی تھی۔

ملک نو نے پوسٹ کی کچلی پاٹ سے ہنس نکالا اور ایک "مگر یہ شریا" چیک لکھ کر ڈاکٹر کے سامنے رکھا۔

"اسے بھی۔" یہ کیا ہے۔ یعنی تم اس کے نام دار نہیں ہو۔ تم نے اس کو یہاں پہنچا دیا۔ شہباز احمد  
واری ختم۔ اب اس کے گھر والے جانیں اور ہم۔" ڈاکٹر باقر نے چیک لکھ کر ملک نو کی سمت کیا۔

"وہیے ملک یہ بات نہرو لائن بہت دیر سے سوچ رہا ہے کہ اس کے والدین اسلام آباد میں۔ تم یہی تو کہہ

رہے تھے اس کا اس کے گھر میں جو ہر تھا اس پر اسلام آباد کا ایڈریس تھا۔"

ملک نو کے پرے ہونے میں سے اس نے اسے اس کی طرف بھی۔

"جی۔ ممکن ہے وہ لوگ اسے کراچی ملاجی کی غرض سے لائے ہوں۔" اس نے مدہم آواز میں غائب  
گمان ظاہر کیا۔

ڈاکٹر باقر نے کھنٹی بجا کر رزس کو بلایا۔

"دیکھو تمہارا اپنی مدد کے لیے ایک اور رزس کو بلاؤ اور سریندر کو ہم غیر سات دوسری منزل پر لے جاؤ۔"  
انہوں نے شریا کی سوت اشارہ کیا جو شش کے کچھ دینے میں نظر آنے والے سریندر کو رزس کو فون سے دیکھ رہی تھی۔

دونوں رزس جب اس کی سوت آئیں۔ تو اس نے آر کر ملک نو کا بازو پکڑ لیا۔

آپ کہاں ہیں۔؟

"یہ جیسے آپ سے ملوانے آئی ہیں ہاں۔ یہ جیسے اچھے سے کمرے میں لے کر جا رہی ہیں۔ وہ ہیں آپا کر  
جس میں جائیں گی۔"

"کم آن۔ کوئلن گرل۔" چپکے ہوئے سیاہ چہرے والی خریا نے اسے پیار سے اٹھایا۔

سبنا کم عمر اور مسلمان رزس نے اسے دوسری جانب سے آ کر تھام لیا۔

وہ پٹنے پٹنے پھر پلٹ پڑی۔

"وہاں آپا آئیں گی ہاں۔؟"

"ہوں۔" اس نے اس کی سوت دیکھے بنا بنگار بھر کر جواب دیا۔ وہ خود بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھٹو ملک!"

"نہیں باقر بھائی! بہت دیر ہو گئی ہے۔ ڈرا! کسی بھی جاتا ہے۔ پھر گاؤں جا کر گھر والوں سے مل کر آنا  
ہے۔ اور یہ پلیز۔" اس نے چیک پیسے وینٹ کے دبا دیا۔ اور ڈاکٹر باقر سے بڑی جلت و غائب دماغی سے ہاتھ ملا کر  
کلینک سے یا اس چھوٹے سے ہاسٹل سے باہر آیا تھا۔ ذہن کے پہلے مقابلے میں آڑا سا محسوس ہو رہا تھا۔ "میرے  
ہندوؤں کی صداقت دیکھو شہباز حسن۔ اور بد قسمتی کا عروج بھی۔ میرے گھر میں پہنچا کئے تمہارے ہی گھر کا ایک فرد آ  
کر گر گیا۔"

وہ اپنی کم نصیبی پر غور ہی نہا۔

گھر پہنچ کر معاشی اپنی ایک بہت بڑی لٹائی یاد آئی۔ وہ نور انون کی سوت پکا۔

پلو۔ پلو۔ جی ملک نو اکبر ل رہا ہوں۔ اور شکر ہے آپ مل گئے باقر بھائی! پلیز ایک درخواست

ہے۔ وہ یہ کہ اس وقت میرے گھر والوں کو میرا پتا اور ایجے ریس نہ بتایا جائے۔

"نہیں خیر۔ سبھی کو نہیں سمجھتا میں۔ فرض تھا میرا انسان ہونے کے تھے۔ بلکہ جی۔

خوشید۔"

"مٹی صاحب! وہ جیسے آواز کا شہری تھا۔

"ڈرا اچھی سی کافی بنا لاء۔" وہ اخبار لے کر بڑی پیڑ پر بیٹھ گیا۔

یہ وہی اخبار تھا جو وہ "اسٹائل ہاؤس" کے کاؤنٹر پر کھرے ایک جھران پریشان سے صاحب سے لایا تھا۔ یہ کوئٹہ سے نکلے والا "جنگ" تھا اس کے نگین الونی صفحے پر شہلا حسن کی بے حد خوبصورت تصویر تھی اور "انتخاب کام" کے عنوان سے اس کی غزل و نظم کے کئی قصائد و اشعار لگے ہوئے تھے۔

اس کا دور اس احساس محرومی پھر شہلا نے ہونے لگا۔ اس نے صفحہ دوسری طرف ڈال دیا اور خبروں والی صفحہ لایا۔ صفحت اچھے پختے اس کی نظروں کے سامنے اشتہار آ گیا جس میں شہلا کی تصویر چسپاں تھی۔ نیچے وہی ایڈریس تھا جو شہلا کے گھر میں چڑے ہار میں کندہ تھا جس پر اس کے پیٹکڑوں خطوط روانہ ہوئے تھے۔

"یہ کراچی کس طرح پہنچی گئی۔ کون لایا اسے کراچی؟ کوئی سیکیورٹی ہواؤں کو کراچی آج بہت آسان ہے۔ مگر ایک دیوانی لڑکی" ہوا "نہیں ہوتی۔ کیا مذاپ ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔ اور اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگا۔ خوشید کافی بنا کر لے آیا۔ اور سائیکل فیل پر رکھ دی۔

"خوشید! صبح مجھے جلدی اٹھا دینا۔ میرا خیال ہے میں رات کو ہی واپس آ جاؤں گا گاؤں سے۔ تین دن رو گئے ہیں میری رو اگلی میں۔"

"مٹائی تو آپ کو رات کو نہیں آنے دیں گی۔ دیکھ لیجئے گا۔

"مگر میں آ جاؤں گا گاؤں سے۔" اس نے مٹی سے کہا۔ کیسے ہو شیار لوگ ہوتے ہیں خوشید اور رہتے ہیں اور دن میں نیچے گاڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

"کھانا نہیں کھا میں گے صاحب۔"

"ابھی تو سات بجی پہنچے ہیں۔" اس کا لہجہ بے حد شکست سا ہو رہا تھا۔ "دروازے بند رکھا کرو خوشید! چاہے دن ہو یا رات۔ بعض اوقات ہونا ک بد نصیبی آسان سے نہیں۔ کھلے دروازوں سے آ جاتی ہے۔"

خوشید بغیر کچھ بولے چلا گیا پھر اسے کافی دیر تک گرل اور دروازے بند ہونے کی کھڑ پڑستانی دینی رہی۔

تربیا کا ہزار رنگ فیل پر رکھا وہ نظر آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا اور کندہ ایڈریس پر نظر جمادی۔

"در السلام۔ در السلام۔ یہ تمہارے گھر کا نام ہے شہلا حسن؟ تمہارے "دل کا نام۔" اس نے دھک سے سچا۔

وہ درہم پر تک گاؤں پہنچ چکا تھا۔

اسے دیکھتے ہی گویا اپنی سی بج گئی۔

بھائی رب نواز اسے گلے سے لگا لیا۔

"غلط نہی جلدی مل گیا۔ کل ہی تو ڈالنا تھا۔"

"بھلا۔" ملک نواز نے حیرانی سے بول کر کوہ کیا۔ "مجھے تو کوئی اطلاع ملنا چاہیے تھی۔ تو ہے نہیں؟"

"اماں کی حالت بہت خراب ہے۔" رب نواز نے آہستگی سے بتایا۔

"تو کوئی تم غور ہی چلے آئے۔ بہت یاد کر رہی ہیں اماں جی۔" وہ اسے لے کر ریل کے کمرے میں چلا آیا۔

اماں جی دیکھ کون آیا ہے۔" وہ مٹائی پر جھک گیا۔

"اسلام بیگم۔ اماں جی!"

مٹائی نے اس کے سر پر اپنا لرزتا ہاتھ پھیر دیا۔

"ہن اسی آیا ہے۔" مٹائی کی آواز کا پھر ہی جھمی۔ (ابھی آیا ہے بیٹے)

"جی اماں جی۔ ابھی آیا ہوں۔" وہ مٹی سے تک کر بیٹھ گیا۔

"کیا۔" چتر "بیوی لا" ہے تیرا۔ ہاں پے نہیں ملدے۔" (کیسا چمک رہا ہے تیرا بیٹا۔

باپ پھر نہیں ملنے مٹائی کے آنسو دائیں بائیں بھیجے پر لپک گئے۔

ایک مٹی رشتے کے سامنے دیکھ کر ملک نواز کا دل بھی بھرا آیا تھا۔ اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔

"پتا ہے میں لوں۔ تو فیہ جان واسے آیا ہے۔" (مجھے "علوم" ہے تو پھر جانے کے لیے آیا ہے)

"ملک نواز کا سر جھک گیا۔

"اماں جی کیا کروں۔ میرا دل نہیں لگتا۔"

"کیا ہو گیا ہے اس دل لوں۔ ماں دے کو لوں وی نہیں لگدا ہے۔" (کیا ہو گیا ہے اس دل کو ماں کے پاس بھی نہیں لگتا ہے۔)

"سوہنے چتر۔ میرے سردا سائیں وی مینوں جھڑ چلا۔ چتر۔! امزی کول رو جا۔" مٹائی ملک شہلا

کے بعد کسی بھر بھری مٹی ہو گئی تھی۔

"اماں جی امیں آپ کے پاس ہی ہوں۔" اس نے ماں کے اٹک اپنی انگلیوں کی پروں سے صاف کیے۔

مٹائی نے اپنے لالہ لے کے ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ گویا نہیں قرار آ گیا ہو۔

وہ واقعی ماں کی حالت کے قریب نظرات کو واپس نہ ہو سکا تھا۔ بلکہ اگلے دن بھی نہ یہ وگرام بن سکا۔ مٹائی

کی حالت بہت خراب تھی۔

اس نے ملک رب نواز کو بتایا کہ اسے کل امریکہ روانہ ہونا ہے۔

ماں کو اس حال میں چھوڑ کر تو امریکہ چلا جاتے گا؟" رب نواز نے اس کی بے حسی پر تاسف کیا۔

"لیکن سیت گل کی بک ہے میری" (بھائی تم نہیں جانتے تھی چھتیس خون آشام ہاؤس کی طرح میری رنگ

جان سے چھٹی ہوئی تھیں۔ ابھی تک "در السلام" کا نام غلط بھی سپرد اک نہیں کیا۔ ڈاکٹر باقر تھقی پریشانی میں مبتلا ہو چائیں

گئے۔) میں مجبور ہوں بھائی۔ درنا تا سخت دل نہیں ہوں کر۔"

"نواز! تیری بہن ہی سے ماں ان حالوں کو پہنچی گئی ہے۔ ابھی تیری راہ دیکھتے دیکھتے رو چڑے تھے۔ ماں

باپ کا کھانا دل۔ دہما ہوتا ہے نواز! تیرے جی کو مال نہیں کہ تو باپ کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ باپ کی قبر پر مٹی نہ ڈال سکا۔

"نہت سے ملال ہیں بھائی میرے جی پر۔ اس کائنات میں سب سے زیادہ وفا تو اور غار رخ میری ہی جان

تو ہے۔ سارے ملال۔ سارے مذاپ اسی جان پر تو ہیں۔" وہ مٹی سے کہہ کر بیوی جی پار کر گیا۔



دب نو از کو دنیا یہ فرستہ اور لائق بھائی بے حد مظلوم سا نظر آیا۔ اس کے سارے دکھ۔ غمی۔ رشتے کے تخریب کی وجہ سے شاید آپ ہی اس کے دل میں منتقل ہو گئے تھے۔  
"نواز۔ حیرتی کچھ نہیں آتی۔"

وہاں کے کمرے میں چلا آیا۔ دب نو از کی بیوی ساس کو کیونکر اس چنگ سے چلا رہی تھی اور ساتھ ساتھ نعلی

"اے۔۔۔ میں اس معاف کریں۔" ملکائی نے بھوکے ہاتھ تمام لیے۔

"ہائے۔۔۔ ہائے اماں جی اسی کی کیا اے۔۔۔ اللہ کرے کسی چھٹی چٹے ہو۔" بہاول پوری سرائیکی آغیر پنجابی میں بات کرتے ہوئے دب نو از کو اپنی بیوی بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ اپنی بیوی کی خدمات کا بے حد مستحق تھا۔ دوسری طرف وہ کو کو کچھ کر کے بھائی بہت یاد آتا تھا۔ وہ خوبصورت لڑکی اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ ملکائی سے ملنے آتی تھی۔ حالانکہ اس کے والدین اس گھر آنے کی صورتوں سے نفرت کرتے تھے۔ ملک نو از کی موجودگی میں ہی وہ اپنے گھر کے بچے کو ملے کر ملکائی کو دیکھنے آتی تھی۔ اپنے سابقہ شوہر کو کچھ کر ایک لمحے کو بھی مگر بڑی بڑی روپاری سے ملکائی کے پاس چلی آتی اور سلام کیا۔

"کیا حال ہے اماں جی۔؟ بہت سی عمر میاں چو کی آواز میں بدی کی طرح لرزی تھیں اور ملک نو از کے قلب پر مغربیت بن کر چھپت پڑی تھیں۔

چو نے اپنے بیٹا کو سے اتار دیا اور ملکائی سے ہاتھیں کرنے لگی۔ ملک نو از کھڑا ہو گیا۔ چو کا دیہاتی سا چہرہ اسے پکڑ بیٹھا۔ گول مول لگا لی سا چہرہ۔

"شیرے" اس نے بچے کو بلایا۔ پھر خود ہی اٹھ کر بچے کے ہاتھ سے ملک نو از کے کپڑے آزاد کرنے۔

"بچہ ہے صاحب جی۔ معاف کریں۔" چو نے پھٹکارتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ لکھنے میں لگا۔ اور بچے کو گود میں بھر لیا۔ صاحب کے کپڑے گندے کر دیے پتر اوڑھی عبادت قبول نہیں ہو سکی۔ "چو نے برسوں کا غبار مزور مت نکال دیا تھا۔ وہ ایک عورت کی اولیٰس محبت تھا۔ اولیٰس محبت۔ یادداشت کے خانے میں ہمیشہ چمکتی ہے۔

(اماں) تم کہتی تھیں چو خوش ہے؟

"خیر آدی ٹھیک ہے چو۔"

"ہاں۔۔۔ اماں جی ٹھیک ہی ہونا اے اس نے۔ زمیناں ہیں۔ ہارے کچے ہیں۔ بیٹے ہیں۔ اور۔۔۔ کی چاہی دار۔" (اور کیا چاہیے۔)

"اللہ تجھے سبھی رکھے چو۔"

ملک نو از نے لگتے لگتے یہ جھٹس لیے تھے۔

"اماں جی ادب نو از بھائی اچھے بد دعاؤں کے آسپہوں کے درمیان مت رو کو مجھے جانے دو۔"

سب کو اپنی اپنی پڑی رہتی ہے۔ مجھ پر جو گزرتی ہے۔ کوئی کوشش بھی کرتا ہے جانے کی؟ میں محض لڑائش کے لیے ہوں۔ حق کوئی نہیں میرا۔ تم سب کے پاس کہتے پہلا دے ہیں لڑائی گزرنے کے۔ پھر بھی تم لوگ ہر خوش ہو۔ اور ایک میں کوئی جھوٹا پہلا دے بھی نہیں۔ اور جی رہا ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ سینے چڑھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔

ژبا کی گشتگی "اور اسلام" کا کلیم سنا تو جی۔۔۔ درود پور ویران نظر آتے تھے۔ بچے جھٹک رہے تھے۔ بچے جان چور وہاں سے باہر میں تھیں۔ وہاں ان کے پاس ساہرو جی۔ شہلا کا تو بچی ہی اتنا چھوڑ تھا کہ وہ ان کے ساتھ رات مکمل سے گزار پاتی۔ البتہ روز آٹھیں دیکھنے ضرور چلی جاتی۔ ان کے لیے کتنی تیار کرتی۔ چھوٹا جیوں کا لائق۔ یہاں کے لیے کر سکتی تھی کر رہی تھی۔ عالیہ کو اطلاع دے سے بھولی تھی۔ اس لیے وہ کل ہی اپنی ساس کے ہمراہ چلی تھی۔ اس ج سے ہورہی کے لیے آئے جانے والوں کا سلسلہ۔ بچی جان کے لیے اکثر ان کا مشورہ تھا۔ ان سے ہمدردی کرنے والوں کو رو رہی رکھا جاتے۔ ہمدردی کرنے والے اس طرح ہمدردی کرتے گویا خدا خواست کسی کی مرگ پر آئے ہوں۔

دنیا داری بھی بھٹا پڑتی ہے۔ ہر شخص اپنی سوچ کے مطابق احوال لیا جاتا تو دنیا میں کس قدر امن ہو۔

ساہرو حالانکہ دل و جان سے ساس کی خدمت کر رہی تھی۔ مگر چچی جان کو شہلا کے بغیر قرار نہ تھا۔

بعض اوقات وہ بے حد مشکل ہو جاتی اور تھک کر اپنے بیٹے کو برابر میں لانا کر سکتی ہوئی بے ٹھکان سوچتی چلی جاتی۔ اپنے گھر میں اس قدر پریشانیوں اتاری ہوئی تھیں کہ اس نے ملک نو از کے کھانے کے بارے میں دوبارہ سوچا تک نہیں تھا۔ بس اس البتہ اسے بہت ہوا تھا۔ وہ اسے ایک بے ضرر سا دوا سا انسان سمجھتی تھی اور وہ لوگ بھی کتنے بھیس بدل کر ملتے ہیں۔ کتنی جاب ہے یہ دنیا۔ اس نے تھک کر سوچا۔

ہاں، ستانی کے ساتھ دوا سے ملنے لگی ہوئی تھیں۔ وہ گلد کو پہلو میں لیے لیٹی تھی۔

"بچی جان کو تو بس ہاتھ ہی بھٹا ہی آتے ہیں۔ انسان تھوڑا سا تو مصلد رکھے۔ اب تو یہ داشت تو کر رہی پڑا ہے۔ جانے کیسے کیسے وقت دیکھتا ہے انسان۔ اب یہ روز ہاسٹل کی ڈیوٹی بھی لگ گئی۔" صاحب "کے غم سے وہی ہیں۔ آخر میں بھی تو انسان ہی ہوں۔ ان لوگوں کو میرا ذرا خیال نہیں آتا۔ بس ایک دن چھوڑ کر چلیا کریں گی۔ میں کون سا ان کے حلق میں آپ حیات نکالتی ہوں جا کر۔" اس نے اپنے پھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے کارواہیہ بدلا۔ "انسان کو دعا کرنا چاہیے نہ کہ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے۔"

اسی وقت حنا پر وہ اٹھا کر کمرے میں آئی۔

بچی کو کچھ کر شہلا کی آنکھوں میں چاہت لڑکھائی۔

"آگے رہا آپ لوگ؟ مانی چچا بھی آگے۔ ہاں کہاں ہے؟"

"مئی ائی" حنا چھل کر بستر پر بیٹھ گئی۔ شہلا نے ہاتھ بڑھا کر بچی کو بازو میں بھر لیا۔

"کیسی ہیں دادی جان؟ ساہرو چچی کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"ساہرو چچی کہہ رہی تھیں۔ ائی کیوں نہیں آئیں؟ ائی دادی جان کیوں روتی ہیں؟" حنا نے مصمصیت سے ماں کی طرف دیکھا۔

"آپ کی ژبا چھو چھو جو گم ہو گئی ہیں۔" اس نے حنا کی بیٹانی چوم کر کہا۔

"ژبا چھو چھو گم ہو گئی ہیں۔ مگر دادی جان کیوں روتی ہیں؟" حنا شاید ماں کی بات سمجھ نہ سکی۔

"بیٹے۔۔۔ ژبا چھو چھو دادی جان کی بیٹی جو ہیں۔" اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"جیسے میں آپ کی بیٹی ہوں۔" اس نے ماں کا چہرہ چھو کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ میری جان۔ جیسے تم میری بیٹی ہو۔"

"ائی اگر میں گم ہو جاؤں تو آپ بھی دادی جان کی طرح رو کیں گی۔" حنا نے شہلا کے سینے پر سر رکھ کر

بھولیں سے بچ جا۔

شہلا کے دل کو دکھا سا لگا۔ "خدا انہ کرے۔ خدا انہ کرے۔" اس نے سنا کو زور سے پلٹ لیا۔ "انہی باتیں نہیں کرتے بیٹے۔ انہی کا دل جیٹ جائے گا۔ جان۔" (شہلا ۲) مجلس سن کر ہی یہ حالت "اور جس پر گزری ہے ۲۰ لاکھ کر بیٹھی۔ اس کے ضمیر نے تاک کر نشان لگا دیا تھا۔

"بہت دوری جس راوی جان۔" "اس نے کاٹنی آواز میں گویا یقین چاہا۔

"بہت۔" "خاتون نے گندہ کار خراچہ کر کے نیاز کی سے جواب دیا۔

وہ بستر سے اتر آئی اور ہاسٹل جانے کے خیال سے لیکن کارن سوپ ہالے لگی۔ صرف گندہ کار کو وہاں اٹھا کر

وہ ہاسٹل پہلی آئی تھی۔ ایک ہاتھ میں چوڑی کی پلاسٹک تھی۔ ہاسٹل زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

حسن تو روز ہی آفس سے واپس ہاسٹل ہوتے ہوئے آتے تھے۔ اس نے سوچا۔ وہ ان کے ساتھ واپس آ جائے گی۔

ساحرہ اسے دیکھتی ہی آگے بڑھی اور اس کی گود سے گندہ کو لے لیا۔ وہ چچی جان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا حالت نکالی ہے چچی جان آپ نے۔" اس نے ان کا بوزھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"لوہن! "دور ق کی جہ بول نہ سکیں۔ بس دل کی مست اشارہ کر کے رو گئیں۔

ان کی حالت پر شہلا کا دل بھرا آیا۔

"آپ خدا کی ذات سے ہامید کیوں ہوتی ہیں۔ آپ اتنا تو پ رہی ہیں تو کیا اللہ آپ سے بے نیاز ہوگا۔ اللہ اللہ وہ جلد ہی مل جائے گی۔ چچا جان کو دیکھیے۔" "تکے حوصلے سے کام لے رہے ہیں۔"

"خالی کہاں ہے لوہن۔"

"میں حق تو ہو کر گئی ہے وہ آپ کے پاس سے۔ اس کے پیچے کی طبیعت کچھ غراب ہے۔ خالہ جان کبھی نہیں صحتی ساحرہ کو آنا گھر والو۔ وہ کبھی نہیں دوسری ہوگی۔ آپ کے پاس۔" شہلا نے استوں پر بیٹھی خاموش اور صحتی صحتی سا رو کر دیکھا۔

"حسن بھی آتے ہوں گے۔ میں اور ساحرہ پہلے جائیں گے خالہ جان آ جائیں گی آپ کے پاس۔

کچھ لیکن کی وجہ سے بھی آپ کو احاس رہے گی۔ ہے ہاں۔ "انہی بات اور ہے خالہ جان کی اور۔ وہ آپ کی صحتی۔ لیکن ہیں۔"

"وہ تو لیکن ہیں تم تو بڑیاں ہو۔ بیٹی۔ لیکن سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔" انہوں نے شہلا کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

شہلا اپنی ان سوچوں پر شرمندہ ہو گئی جو عالم بڑاری میں اس کے ذہن سے چلتی جاتی تھیں۔

"اور بیٹی۔ اسے اس کا دلہنا ہے۔" انہوں نے ساحرہ کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ دونوں۔ بیٹی نے سر میں لٹکھا نہیں لگایا۔ میں تم سب کی گنہگار ہوں۔" وہ کچھ کیر لے لیں۔ "لوہن۔ بہت سمجھاتی ہوں دل کو خدا کو کہہ۔ بہت بھلائی ہوں دل کو۔ لیکن جب اس کی شکل نظروں کے سامنے آتی ہے تو کایہ خون ہونے لگتا ہے کہ

"معلوم میری بیٹی کہاں کہاں گھر کر رہی ہوگی۔ اسے نہ معلوم اس نے کچھ کھا یا بھی ہوگا یا نہیں۔ اسے کہیں پیچے بھی کو چتر مار بیٹھے ہوں۔ اسے میری بیٹی کو چوت نہ لگ گئی ہو۔ اسے میری بڑیا۔ آپا کرتی تھی۔ اسے کہاں بیٹی کی۔

آپ کے پاس سے۔" وہ نہ پوچھتا کہ پھوٹ پھوٹ کر رہی۔

"ارے تمہارے چاچا کی کافی ہے کب سے کبھی چمی کر لے چلو کر اپنی۔ اس کا لکڑی کے کتبے بناتھا۔

بچپن میں لاکھ روپے لگا دیا تھا لیکن اب اسے بھولیں میں بھی تھی۔ "مستوں" سے بھی بڑی تھی آنکھیں

چمی رانی تھیں۔ رانی چمی اور چمی بڑی تھی تو کچھ بھی نہیں۔ چندی لکھ سکتی تھی۔

حسن کب سے کبہر ہاتھ کا پیر لے جائیں مگر ڈاکٹر نے کہا اس کی ضرورت نہیں خود جا کر پیر دیکھ لیا۔

تمہارے چاچا کو چکر لکھ گیا۔ اسے میری قسمت یہ دن بھی دیکھتے تھے۔ "دور ق جاتی تھی رانی جاتی تھی۔

وہوں نے بھی سے دیکھ رہی تھیں۔ خدا اس طور اس ماں کے دکھ کا دکھانا کر لیں۔

☆☆☆☆

دور قیرن نکلت پڑا اور آقا تھا کہ زیادہ سے زیادہ میں گفتگو کے بعد واپس آ جائے گا اور یہ مگر اسے مطابق

اس کے کردار نہ ہو جائے گا۔ مگر لکھائی کی حالت اتنی بگڑ گئی کہ وہ سب کچھ بھول گیا۔ اس کا دل کہتا تھا۔ واقعتاً اس نے ماں باپ

کی محبت کو بھول کر بہت سے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ لکھائی کو ایک رنگ تصور ہی تھا۔ دل کے عارضے میں وہ

بھٹا تھا۔ آنکھوں میں سوچتا آتا تھا۔ بلند پشیمانی تھا کہ پورے جسم پر درمیں درمیں نظر آتا تھا۔ سب سے بڑا

دکھ یہ کہ بیٹے کی صورت برسوں اوچھل رہی تھی۔

وہ روز بیک شہر کے ہاسٹل میں داخل ہو گئی تھیں۔ ملک لوار کی چوٹی لیکن رضیہ بھی سرسریل سے آئی ہوئی تھی۔

بعض اوقات تو لکھائی کی حالت اتنی بگڑ جاتی کہ رضیہ اور سب لوار کی بیٹی قرآنی آیتیں پڑھتے تھیں۔

رہ نواز نے قشقی کے ذریعے ہی سینٹ کینسل کروادی تھی۔ جب اسے مجبوراً ناصر صاحب کو نئی گرام پڑا

کہ وہ اس کی امریکہ کی جنگ آگے بڑھاویں۔ اب اس نے وہ عطا خود ارسلان لکھا تھا آخر بدل کر۔ جان بوجھ کر پست

کس میں نہیں ڈالا تھا۔ کیونکہ اس کا یہ گرام یہ تھا کہ یہ خط ان لوگوں کو اس وقت ملے جب وہ سرزمین چھوڑ چکا ہو۔

شری کی طرف سے اطمینان تھا کہ ڈاکٹر یا قرآن سے باہر نہیں نکال پھینکیں گے جب کہ ناصر صاحب انکس لکھا

پچے ہوں گے کہ میں ابھی پاکستان ہی میں ہوں۔ وہ انسان ضرور تھا۔ "ماں" نہیں تھا اس لیے ان احساسات تک پہنچنے سے

نامر تھا کہ لوار کی لکھائی کی ایک ماں کے لیے سختی بڑی قیامت ہوتی ہے۔

گاہوں تو ویسے ہی اس کو ہمیشہ بھڑا کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی زندگی گاؤں میں بے حد اذیت ناک ہو گئی

تھی۔ اور یہ "نات" ہو رہا تھا۔ دن تو اس کا ہمیشہ ہی کٹ جاتا تھا مگر رات کو وہ بڑا اشت کی عدول سے گزر جاتا تھا۔ ہر

تعلق ہر رشتہ اسے بوجھ محسوس ہونے لگتا۔

اسے احساس تھا کہ اس نے بڑاری ظاہر کی تو ماں کی حالت اور بگڑ جائے گی اور اس کی "قیہ" کی میرا دوا اور

ناہ جائے گی۔

تیار وقت کاٹ ہی رہا تھا۔ رات کو وہ مارے دشت کے کھیتوں کی طرف نکل جاتا۔ تیز دھڑکیں مارتی تھیں

مظاہر پرنگ کر پاؤں پانی میں ڈالے بیٹھا رہتا۔ زندگی نے اسے ایک نیا سبق اور پڑھایا کہ قطعاً اذیت ناک بھی ہوتے

تھا۔ لوہا پور سے ایک باوا چائی دن بعد جب لکھائی کی صحت پانی کی طرف سے یقین ہو گیا تو وہ بھی ایک لکھا کر کھڑا ہو گیا۔

ماں کے پاؤں چھو لیے۔ کہ خدا را اب مجھے جانے دیں میں جلد ہی آؤں گا۔ اس کے چہرے پر چائے کیسی

سہاگنی تھی کہ ماں ہمیشہ کی طرح مجبور ہو گئی۔



"ہر۔ گھر و سال۔ گھر و عورت اور عورتی اسے سے ہندی ایڈی و گھری میں گندی اسے مرضی کی کر لے ہر اس کے گئے" "گھر و گھری سے میں سے"۔  
 "چھوڑیں انہیں ہی۔ انہیں کرنی میں نے شادی وادی۔" اس کے لیے میں مخصوص سرگئی اور جھانست ہو کر آئی۔

"ہر۔ مرضی ہی کی کر لے۔" لکھائی نے وہ بارہ کہا۔ وہ ہمیں اس نے پہلے نہیں۔  
 "کرنی ہوئی تو کر بھی لیتا۔ جب کہہ یا میں نے نہیں کرنی شادی۔"

لکھائی کا منت حیرت سے کھلا کھلا رہ گیا۔ وہ تو کچھ رتی تھیں کہ اس نے مرضی کی شادی کرنے کی خاطر ہی جو کھلاق دی تھی۔ ان کا اندازہ درست نہیں لگتا تھا۔ وہ تعجب سے کچھ سوچتی رہ گئیں اور وہ انہیں خدا خائفہ کہہ کر باہر آ گیا۔ گاؤں آ کر ہمیشہ ہی اس کا موافق رہا ہوا تھا۔

انہیں پارت کی سست جاتے ہوئے اس نے بے حد سکون محسوس کیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا نئی زندگی ہو۔ وہ طبعاً شخص آرازی اور عمل آزادی پسند تھا۔ یہ تمام خوبی رشتے نگار کی طرح اسے اپنی شہرگ پر رکھے محسوس ہوتے تھے ایک مخصوص دائرے میں پکر لگاتے ہوئے۔

وہ ان اپنے و حیرتوں پر و گرا کر عمل ہونے پر ہی طرح الجھا ہوا تھا۔ اس بے خیالی میں اس نے جہاز میں سگریٹ سلگائی تھی۔ برابر والے صاحب کو کافی خوش کرتے ہوئی مساس انہیں ہوش میں نے بڑی دلچسپی ادا کے ساتھ اظہار سے نیکرٹ چھڑایا۔

وہ بے ساختہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ اس نے کیا حرکت کی۔ اس نے ایک پرچم میں سگریٹ مسل دیا۔ اور اشارے سے منع کیا کہ سگریٹ نہیں سلگائی۔  
 وہ خفیف سا ہوا گیا۔

"آپ جہاز میں پہلی مرتبہ نہیں بیٹھے۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ آپ نظر آئے ہیں۔

اس نے بکثرت نہیں تھا۔ حالانکہ وہ محسوس کر چکی تھی۔ یہ شاندار سامرو جب سے اس سیٹ پر آیا ہے جب سے نائب دماغی کے کھلے مظاہرے کر رہا ہے۔ یہ بھی کچھ گئی تھی وہ اس وقت شدید پریشانی کا شکار ہے۔ وہ اپنی تنہا جانے کو ایک میگزین لے کر بیٹھ گیا تھا۔

مگر چار بیٹے وہ خورشید کے کواڑ کا دروازہ کھٹکنا رہا تھا۔

خورشید اس پخت آگئیں ملتا ہوا باہر آیا۔ ملک نواز کو منہ اندر سے دیکھ کر وہ ہونٹیں ساہو گیا۔

"صاحب۔ آپ؟"

"چابی دو بار۔ اور گیت کھولو۔" صحن سے بڑا حال ہے۔ میں نے مجھ سے سوچا نہیں اچانک سے۔" اس نے بیزار کن انداز میں کہا۔

خورشید کی گویا گل و بگلی خرافت گیت کھول دو اور اسے کھولی کر کھڑکڑ کر تار و بوت ہی بن گیا۔

ملک نواز نے پوشل لباس تبدیل کیا۔ پھر کمر دو سیال شے کافی مقدار میں اپنے معدے میں داخل کر دیا۔

خافل ہو گیا تھا۔ اتنا سکون اتنی خوشی اتنی راحت اسے نصیب ہوئی کہ کمرے پر جنت کا گمان ہوا تھا۔

جب وہ خورشید نے اسے چنگا تو وہ چہرے کے پارہ بٹا رہے تھے۔

اس نے اٹھ کر غسل کیا اور باہر آ گیا۔

"صاحب! کسی ڈاکٹر باقر کا فون کی مرتبہ آ چکا ہے۔ چہرہ ہے تھے۔ آپ کب تک وہاں آئیں گے۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا جیسے ہی آپ آئیں انہیں بتاؤں گا آپ فوراً ان سے ملیں۔

اس نے سر جھکا کر ناموسی سے خورشید کی بات سنی۔

"خورشید! میری ہانگ صاف کردو۔ میں ڈاکٹر باقر کے پاس جا رہا ہوں۔" اس نے صرف ایک کپ چائے

پی۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

بپ ڈاکٹر باقر کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ چونک کر کھڑے ہو گئے۔

"خدا ہوگی ملک۔ تمہارا تو کچھ پانی نہیں چلا کر کہاں ہو۔" انہوں نے معاشقے کے لیے ہاتھ بٹھا دیے۔

ملک نواز نے ان سے ہاتھ ملایا اور ساتھ ساتھ ان کے چہرے کے تاثرات کا بھی جائزہ لیا۔

"ملک! اس لڑکی کی خرید لینے تو ابھی تک کوئی نہیں آیا۔" انہوں نے کرسی کی پشت سے خود کو کھینک لیا۔

کوٹھورہ دیکھا۔

"اچھا۔؟" (آتا بھی کیسے۔؟)

"میں نے اس کے لہجہ والی ٹیٹ تو لے لیے تھے۔"

"پھر۔؟"

"تا قابل علاج نہیں ہے۔" انہوں نے خوش خبری سنائی۔

"مگر ملک ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"

ملک نواز ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"یہ لڑکی۔" وہ روک گئے۔ پھر ہوا ہوئے "بہت زیادتی ہوئی ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ۔ یہ ماں بنے

والی ہے۔"

ملک نواز کو کڑوا سا لگ گیا۔

"باقر بھائی! وہ گھبرا گیا۔"

"یہ جگہ ملک۔ ملک۔ یہ کیسے ہوا۔؟" ڈاکٹر باقر کا سر جھکا ہوا تھا۔

"جی۔؟" سمجھے کیا معلوم۔؟"

"ملک۔ اتم نے اسے رات کیوں غمیر لیا تھا۔ اسی وقت کھینک کیوں نہیں لے آئے تھے؟"

"جی میں۔ اسی وقت کیسے لاسکتا تھا۔ رات ہو گئی تھی۔" وہ ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے ہلا۔

"وہ ہوش مند نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ زیادتی کرنے والا یقیناً ہوش مند ہو گا۔ ملک! ملک نواز۔"

ناموش رہا۔

"ہم اس مصیبت سے اس کا چچا نہیں چھڑا سکتے۔ وہ ہوش میں نہیں ہے۔ آنے والا ہے۔ بے حد بد نصیب

ہے۔ ملک! تمہارے دل میں رنج نہیں آیا۔"

ملک نواز نے شہنشاہی ڈاکٹر باقر کا چہرہ دیکھا۔

"ہم۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ ہی بتائیے۔؟"

"ہاں۔ تم اسے اپنے گھر میں غصہ کر سکتے ہو۔ اس کے لیے ہزاروں روپے خرچ کر سکتے ہو۔ اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہو بچہ کو پیٹنا جیم خانے میں ڈالنا پڑے گا۔ کتنے بدمعاش ہیں وہ باپ ملک! جن کے ہوتے ہوئے بھی ان کے بچے جیم کہلاتے ہیں۔ کتنے ظالم ہوتے ہیں وہ لوگ جو بچوں کو بھی نہیں جانتے۔ تم کہہ رہے تھے کہ اس کے گھر والوں کو مطلع کر دیجئے۔"

ملک۔ کیا سوچ رہے ہو بعض دل کے بوجھ جان لے لیتے ہیں۔"  
ملک نوٹانے بولکھا کر ڈاکٹر باقر کی سمت دیکھا وہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔  
"یار ملک برائے مالو ایک بات پوچھوں۔"

"جی۔"

"تم نے ایک بڑی رقم کا چیک ایک انجمن اور دینی ٹری کے لیے ایک دم کیسے دیا تھا۔ یہ مالو کرم

ایک مالدار غصے ہو۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں باقر بھائی! اس کا دل بیٹھنے لگا۔"

"تم خوب سمجھ رہے ہو ملک۔ معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔"

مسئلہ انہوں کے بعد ملک نوٹانے بالکل بدمعاش ہو چلا تھا۔ اس پر سے ڈاکٹر باقر کے تاخیر و سلاوت نے اسے مزید حال کر دیا تھا۔

اس نے سر جھکا کر بڑی آہستگی سے اقرار کر دیا۔ اسی لیے کہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دنی کی طرح بھڑک رہا ہے۔ اس کا دل اسے جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا کہ اب ملک شہبازی اور جیم خانوں میں بیٹھ گیا۔

"میں انصاف کا ڈاکٹر بھی ہوں ملک۔ میں سمجھ چکا تھا۔ تم نے بہت ساری باتیں ایسی کہی تھیں کہ دنگ تمہارے پاؤں پر نظر آ رہا تھا۔

تم پیچھے جی ہو ملک۔ کس نے تمہیں بتایا کہ عمار میں دھکیل دیا ہے۔ انہوں نے تاسف سے پوچھا وہ خاموش رہا۔ اس کے دل سے ایک بوجھ سا مضرہ سرک گیا تھا۔

اس نے تمام بات دھیمے دھیمے گوش گزار کر دی۔ ڈاکٹر باقر نے بے حد انہماک سے سن رہے تھے۔

چنگی جان ابھی تک ہاسٹل ہی میں تھیں۔ خالہ جان کی اور سارہ کی ڈیوٹی بدل بدل کر لگ رہی تھی۔ حالت بدستور تھی۔

وہ جلدی جلدی ہاسٹل جانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ گندو کو وہاں کے پاس چھوڑ کر صرف دنگ کو لے کر حسن کے ساتھ جاری تھی۔

وہ پورے دن میں آئی تو حسن نے ابھی تک گاڑی پار نہیں نکالی تھی۔

وہ بڑی تیزی سے اپنے گھر کی سمت آئی تھی۔ لیکن گھر سے کے دور درازے پہنچ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی تھی گویا۔ حسن کے ہاتھ میں ملک نوٹانے کا اقرار محبت لڑ رہا تھا۔ قدموں کی چاپ پر انہوں نے سر اٹھا کر جن نظروں سے شہاد کو دیکھا تھا۔ اس کا دل اصرار نہ کر سکا تھا۔

حسن نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر وہ بارہ غلط پر مڑ کر دیکھا۔

شہاد۔ زمین اپنے پاؤں تلے جتنی محسوس کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بہادری سے اس صورت حال کا مقابلہ کرے۔ لیکن مسن کی نظریں اس کا رخ چھلکانی تھیں۔ اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

حسن نے عمار کی پار جیمیں آرام سے دھکیں اور لگا کوٹ کی اندرونی بیب میں داخل کیا۔ بھر مار سے بیب چھینائی۔ گویا عمار کی موجودگی کا یقین کرنا چاہا۔

وہ اسی زون سے کھڑی تھی۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر پار لگانا چاہتا تھا تو وہ چنگی اور اس کے پیچھے لگی

وہ چاہتا تھا کہ وہ اس میں گیا تھا۔ دنا جھیلے نشست پر مال باپ کے انتظار میں کوفت بھرے دنا جاری تھی۔

شہاد نے ان کا اور وہ کھولا اور بیٹھ گئی مسن بھی ڈرائیگ سیٹ پر آ گیا۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ حسن نے پیچھے گردن موڑ کر دیکھا اور نہایت تیزی سے گاڑی چلائی۔

دو نظریں دوسروں کا پانڈو لے رہی تھیں۔ نظریں واپس دلا سکرین کی طرف موڑتے ہوئے۔

شہاد کو اتنا جتنی مسن بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ انہی کی سادہ بات۔

گورنر مقرر آئے۔ کن نظروں سے دیکھتے ہیں کہ بڑی شدت سے یقین آئے لگتا ہے کہ ہم غم میں ہیں۔

کیا تم جی اس پر یہ دوسری افکار۔ اور میری بھی قلعی ہے کہ میں نے اس طاقت سے کوئی نہ کوئی نہ کر دیا۔ قضا بھی اس پاس پکارتی رہی پھرتی ہے کہیں۔

"آپ واقعی ٹھیک کہتے تھے مسن! یہ غصے تو نہایت ہی حق تھا۔" آخر وہ بولنے میں کامیاب ہوئی گئی۔

حسن کے خون پر دھک لگے تھے۔ مسن کو انہوں نے جتنی سے پیچھے ہونے تھے اور نظریں مشتعل سامنے دیکھ رہی تھیں۔

"بھلا تائیے اسے اتنا عقائد پان نہیں کہیں گے تو کیا کہ ایک گڑبست صورت کو اس قسم کے دیکھتے ہائیں۔"

اس نے پھر مسن کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اسی طرح کا تھکا تھا۔

"آپ کو ایسی امتحان باتوں کا ٹوس نہیں لینا چاہیے۔ کچھ میں چکر بھٹکتا چھوٹ چھوٹا ہو جاتی ہیں۔"

وہ اب ایک مشتعل خاموشی۔

اسی وقت گاڑی دھچکے سے رک گئی۔ ہاسٹل اور گھر میں زیادہ دھماکا نہیں تھا۔

حسن نے غور اور وہ کھولا اور خود اتر کر پیچھے سے بیٹی کو اتار دیا اور تیزی سے لڑنے کی طرف پڑا۔ دنا ماں کے اترنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے اترتے ہی اس نے شہاد کی آگلی تمام لی۔

"امی۔"

"جی بیٹے۔"

"امی۔ بیٹا آپ سے ناراض ہیں۔" اس نے شہاد کو دیکھا۔

وہ دنی طرح ہونک گئی۔ "کیوں بیٹے۔"

"آپ بولے جارہی تھیں۔ بیٹا جواب ہی نہیں دے رہے تھے۔ پھر میں نے سر میں بھی دیکھا تھا۔ بیٹا

کاہرہ بیٹے! اور ہاتھ۔" اس کے اس انداز پر شہاد کا دل چاہتا تھا کہ اس میں چھپا لے۔ کتنی حساس ہے یہ عمار۔ اور اس کا استاد و کتا کما ہے۔ اتنی چھوٹی سی ہے میری بیٹی۔

"بیٹی کی ٹائی گئی ہوگی ہے ناں۔ اس لیے ان کا موڈ آف ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ باتیں کرتی ہوئی ماں کے کمرے تک آ گئی تھی۔



"لہن بھی آتی ہیں۔ ارے کیا پکڑ پڑا ہے اس کے پاؤں میں۔ اے اللہ مجھے ایک طرف کر۔"

"اسلام بیگم چچی جان۔" شہلا نے سلام کیا۔

"بھئی رہو۔" انہوں نے پوچی کا ہاتھ پکڑ کر خود سے نزدیک کیا۔

"ارے میری" جلی" بھی دعائیں کرتی کہ پھوپھو مل جائیں۔"

"میں روڈ آؤں گا کرتی ہوں دادی جان کہ اللہ کرے پھوپھو مل جائیں۔ دادی جان ٹھیک ہو جائیں اور پھر ہمارے گھر میں کوئی نہ رہے۔" متانے مصمم انداز میں تاپو چچی جان نے اس کی بیٹھائی پر ہل سی بے قرار ہو کر۔

"آخر شہلا کی بیٹی ہے۔ حساس اور ہمدرد۔ اور اتنی ہر کے بچوں کو ٹھیک طرح ہوش بھی نہیں آتا۔"

انہوں نے ایک بار پھر جھٹک کر حاک کی بیٹھائی چڑھی۔

"کچھ خبر چلی۔" انہوں نے آس بھری نظریں بننے کے چہرے پر بڑھائیں۔

"بتایا ہے ماں امی آپ کو۔ کہ انشاء اللہ جلد پتا چل جائے گا۔ بس آپ جلدی ٹھیک ہو جائیے۔" حسن اپنے خیالوں سے نکل کر ماں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ارے کیسے ٹھیک ہو جائوں۔ میرا علاج تو میری بیٹی ہے۔ ارے کب تازا گئے مجھے یہ خبر کرنا پڑی تھی۔"

"وکیس ای۔ پریشان تو سب ہی ہیں ماں! ایسے میں آپ کو چاہیے آپ خود کو سنبھالیں تاکہ ہریشی

میں کچھ تو کی محسوس ہو۔"

حسن نے اپنے مخصوص دھوک والے انداز میں ماں کی دلجوئی کی۔

"ارے میرے بچے! تو میرے دل کا حال کیا سمجھتے گا۔"

"مجھے احساس ہے امی۔ مگر دیکھیے ماں۔ جیسا تو ہے ماں۔ خود پر قابو پا کر ہی ہم مشکلات سے نمٹ سکتے

ہیں۔ اب وہ دیکھیے ماں کی چھٹی قسم ہو گئی ہے مگر وہ آپ کی وجہ سے نہیں جا رہا۔ حالانکہ اسے چلے جانا چاہیے۔"

"ارے کیوں چلے جانا چاہیے۔ میں پل پل بڑھتی ہوں اس کے لیے۔" ڈوڑھپ کر رہیں۔

"آپ کے جذبات اپنی جگہ امی۔ ٹھیک ہے وہ وہاں ملازمت نہ کرے لیکن ملازمت چھوڑنے کے لیے

جہاں ہوتے ہیں۔ اگر وہ باضابطہ ملازمت نہیں چھوڑے گا تو پاکستان میں اس کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے! ملازمت سے سوچیں۔ مشکل کے بعد دوسری مشکل جینا حرام نہ رہتی ہے۔ کوشش کیجیے کہ آپ ٹھیک ہو جائیں۔ بڑا کی جانشین

جاری ہے۔ انشاء اللہ آپ ابھی خبر نہیں کی۔" حسن نے ماں کے ہاتھ قلم کر اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر ماں کو سمجھایا۔

"حسن میرے بیٹے؟"

"جی۔ امی۔"

"خدا کے لیے مانی کو اب دور نہ جانے دو۔ اسے منع کرو۔"

"وہ جلد واپس آ جائے گا امی۔ اس کی قسمت پر روگ نہ لگائیے۔ اس گھر کا کوئی فرد تو اس آقیف

ماحول سے دور ہے۔ اور امی۔ اس کے بڑے سچو ہیں اس کے جسے کی مشکلات جھیلنے کے لیے۔"

شہلا نے حسن کی سمت حیرت سے دیکھا۔ آج سے چند سالوں کے بعد ان کے اسی انداز میں لیکن بھائی کے لیے

جذریوں کا انکشاف نہیں کیا تھا۔ حالیہ اور مانی اس سے بہت فاصلے پر نظر آتے تھے۔ کچھ فرسٹ کلاس کا بھی معاملہ تھا۔

"لہن۔" وہاں کیوں چھوڑ آئیں۔ لے آئیں گے امی۔"

"نہیں ہی تو وہ ہو کر گئی ہے۔ پھر آج ملازم بھی نہیں آئی تھی۔ میں نے سوچا۔ سارے بے چاری کیا کیا

کرے گی۔ گلوں دہانہ بھی بہت ہے اس لیے گھر میں چھوڑا ہے۔" وہاں۔

"انظر! کیا ہو گا۔" انشاء اللہ صحت مند اور خوش صورت ہے۔ باپ بچا ہے۔" حسن بھی بالکل صحت

منہ سے اس کے ساتھ تھیں۔ "پڑھ کر پھونک دیا کرو۔ ہر روزی ملازماتی ہے۔"

"جی۔"

"حسن! لہن کا خیال رکھا کرو۔ اپنی سہا سے بچھ کر کام کرتی ہے۔"

"ارے نہیں چچی جان۔ سب مل کر ہی کرتے ہیں۔ آپ میری طرف لڑ کر رہیں۔ اپنا خیال کریں۔"

اور چلنے وقت اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر وہ حسن نے اپنی کھانسی کرتے ہوئے کہا تھا۔

"چلو بیٹے۔" اور اس نے محسوس کر لیا تھا۔ یہ طوفان سے پہلے کا سکوت ہے۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے ملک۔"

"آخر بھائی میں بہت لاپرواہ ہوں۔ آپ بتائیے ہیں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"ملک۔ یہ ملے ہے کچھ ملازمتی ہے۔ اس مسئلے میں تو کچھ نہیں کیا جا سکتا اور اس بچے کے ذہن و ارقم

رہے اس کی تمام تر ذمہ داری تمہاری ہوگی۔"

میرا خیال ہے کہ تم اب بڑا بڑا کام دار بھی بن جاؤ۔" شہلا۔ یہی نام لے رہے تھے اس قسم۔

"جی ہاں یہی نام سن رہے۔" وہ نظریں اٹھانے سے قاصر تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے۔ ہم نے اس کے ابتدائی نمیش لیے ہیں۔ بلڈ ٹیسٹ سے یہ

بات آٹھارہ ہونے سے کہ اس کا باقاعدہ کافی عرصہ علاج ہوا۔ اس کے خون میں ابھی تک میٹابولک مینٹل ہو رہے۔

اس کی صحت یابی کے بعد تم اس سے علاج کر لینا۔ بچے کو طبعاً متواضع بنائے گا اور تم اس کا علاج کر

نے بچے کو چھوڑ دو۔" وہ قسم جیسے حساس آدمی کو یہ اندرونی جنگ مارا اس کی۔ یہ وہ جہ ہے جو اعتراض سے کم

نہیں ہوگا۔

وہ دوسری صورت میں وہ انکار کیاں جانی کے دہانے پر ہیں۔"

ملک تو ان کا شوموش بیٹا رہا۔ ڈاکٹر باقر اسے انٹرنل سے قول رہے تھے۔

"ہمارے ملک کے قانون کے مطابق یہ وہ جرم ہے جس کی سزا سزاگن اور اذیت ناک ہے۔"

"مجھ پر شک نہ کرو ملک۔ میں سب کا مہلا چاہتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ میں تو قصص یہ بتا

رہا ہوں۔ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں خود کروں گا باقر بھائی۔ براہ کرم آپ اس کا علاج جاری رکھیے۔ اور پلیز باصر صاحب کے

ماننے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو ملک۔ حد کرتے ہو۔"

"اچھا۔ میں چلتا ہوں۔"

"ملک۔ مزید کو دیکھتے چلو۔ قصص اس کی خبر گیری کرتے رہتا چاہیے۔"

اذا کڑ باقر کے لہجہ میں جانے کیا تھا کہ وہ پلٹ کر ان کی سمت دیکھ نہ سکا۔

"روم نمبر سات ہے۔"

"شکر ہے۔" اس نے قدم باہر بلا حادہ لیے۔

روم نمبر سات پر متعین نمبر نے اس کی رہنمائی کی۔

اس نے دروازہ پیش کیا۔ سامنے سیاہ کپڑوں میں ڈھپکڑا کرٹ کے بل سو رہی تھی۔ اس کے سرخ ریشم پہرے سے لڑوی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی تروتازہ جلد اسے فلک سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے لمبی بال سرخ کپ میں جھپٹے تھے۔ "یہ سو رہی ہے سسٹر کسی انکشن کا اثر ہے۔" اس نے پلٹ کر نمبر سے پوچھا۔ "نئی ازسلیپنگ سڑ" (یہ سو رہی ہے) مار تھا بغیر نے ادب سے کہا۔

"کب سولی تھیں۔"

اس سے قبل سسٹر کوئی جواب دیتی۔ ڈھپکڑا نے سوئی جاتی گزریا کی طرح پلٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ لمبے ملک نواز کو گھورتی رہی پھر عجیب سی چیخ مار کر بستر سے کود پڑی اور ملک نواز کو بری طرح جھجھوڑنے لگی۔ "آپ انہیں آئیں۔ آپ انہیں نہیں آئیں۔ تم کہہ رہے تھے آپ انہیں آئیں گی۔" وہ اس اچانک مصلے سے ہلکا سا گیا۔ بمشکل اسے قابو کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اب اس کے سینے سے لگی بچوں کی طرح سسک رہی تھی۔

اس نے روم مال لٹا اور اس کے رخسار پر ٹھنڈا الے۔ بلی کا نصیب مسکرا اٹھا۔

"ڈھپکڑا۔ میں آپ کی تلاش میں گیا تھا۔ میں نے نہیں بہت احوال۔ جب تو اتنی دیر میں آئی تھیں۔" وہ کیوں نہیں تھیں۔ "اس نے چہرہ اٹھا کر ملک نواز کو دیکھا۔ وہ کسی "حق" کی طرح اس کے ذرا یک تھی۔ اس نے اس کے اٹک پوچھ کر "تو سے واری" کی قبولیت کا اظہار کر دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے بل جائیں۔"

"جی۔" اس نے ملک نواز کو بے یقینی سے دیکھا۔ اس کی خواہش صورت چلوں پر اٹک موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ بچوں جیسی حیران آنکھیں دیکھ کر ملک کا بی جا ہاس ستم رسیدہ کی چلوں پر بے موتی اپنے لوہے سے چن لیے۔

اس نے سر موڑ کر نمبر کی سمت دیکھا۔ وہ مکر سے باہر جا چکی تھی۔

اسے تھا سے ہوئے بس تک لایا اور اٹھا یا اور خود اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے اسے بہلا رہا تھا۔ ڈھپکڑا نے اس کے اوپر سے رشتے ہو گئے تھے۔ ایک۔

ازیت "کار شد ایک شہلا کار شد۔"

کافی دیر بعد جب وہ مکر سے باہر آیا تو نمبر سامنے بے آفس سے فوراً باہر نکلی آئی تھی اور ڈھپکڑا اس کے جیب سے نکالے سگریٹ ایسٹر سے کھیل رہی تھی۔

آج وہ مکر میں داخل ہوا تو باہت کھلاڑی کی طرح تھا جو ہمارے مالتازہ سمجھوتا آفری لیتا ہے۔ گلت وقار کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

"خوشید۔"

"نئی صاحب۔" وہ آس پاس ہی گھس گیا۔ فوراً سامنے ہو گیا۔

"نئی صاحب۔" وہ حیرت سے بولا۔ جب سے وہ ملازم ہوا تھا ملک نواز نے کبھی کھانے پینے سے

حق اس کو رائے نہیں دی تھی۔ جو اس نے پالا ملک نے ناموشی سے کھایا۔

اسے یاد تھا شروع شروع میں اس نے خود ہی اس سے کھانا پکانے کے بارے میں پوچھا تھا تو ملک نواز جھوٹا جواب دیا تھا۔

"کھانے میں پکانے کے کھالوں کا۔ سخت کولت محسوس ہوتی ہے مجھے ان باتوں سے۔ پابندی پسند نہیں ہوں۔" اور نہ چڑوں کے سامنے کتاب۔ ہر چیز میرے بعد ہے۔ میں کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتا کہ میری راہ ہو۔ ہے۔

خوشید جو اپنا ناموش ہو گیا تھا۔ روتی ہوئی آیا تھا پوچھے۔ "صاحب وہ کون سی راہ ہے۔"

"صاحب میں نے پچھلی فرامی کی ہے۔ آپ کتنے تو کچھ اور۔" انہوں نے۔

"چھوڑو۔ پچھلی ہی بٹلی کے کھانے پینے میں لڑنے تو بیچوں والوں کو ہی سوت کرتے ہیں تم کھانا لگاؤ میں بھی آتا ہوں۔ کپڑے بدل کر۔"

وہ کپڑے تبدیل کر کے آیا تو گیت بج اٹھا۔ ہاتھ کون ہے جو جاں نل بہانے گیت تو زور ہاتھ۔ تمام کے ملازم سات سو رہے تھے۔

خوشید بگن میں تھا۔ وہ حیران ہو کر پتھری کو تھا اپنی ناک بھتا پھ نظر آ گیا جو گیت سے پکا ہوا کھڑا تھا۔

صحت مند اور خوبصورت بچہ اسے ڈری ڈری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"نئی دینا۔" اس نے جھجک کر بچے کی لمبوزی چھوئی۔

"انگل۔" وہ پیش کا کہ۔ "وہ ہٹکا یا۔"

"ارے بیٹا۔ اندر جڑے میں کھینٹے ہیں آپ۔"

میں تو نہیں کھیتا انگل۔ وہ زار آئی کی توبہ ہے ہاں وہ کھیل رہی تھی آپ کے لان میں فٹل کا ک پیچک

دی ہے۔ اب میں صبح کو کیسے کھیلوں گا۔"

"آؤ میرے دور اندیش شیرازے۔ میں دوسری لائن بھی آن کرتا ہوں۔ احوال ہے جی فٹل کا کہ۔"

بچہ جھجکا اور اس کے پیچھے چلا آیا۔ ملک نواز نے پہلے برآمدے میں جا کر لان کی تمام لائٹس آن کیں پھر فٹل کا ک مشکل احوال کی جو رات کی رانی کے پودے کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ بچے کی آنکھوں میں خوشی روشنی بن کر

نورانی۔ اس نے فوراً فٹل کا ک اٹھالی۔

"انگل۔ یہ رات کی رانی ہے۔"

"ہاں بیٹا۔ یہ رات کی رانی نہیں لگانا چاہیے۔"

"کیوں بیٹے۔"

"مکی کتنی جیساں رات کی رانی ہوتی ہے وہاں سانپ آ جاتے ہیں۔"

"ہاں۔" ملک نواز نے مخصوص انداز میں بہت دنوں بعد صبح رقبہ لگایا۔ "آپ نے یہ نہیں پوچھا

مکی سے۔ پادسہ تو جڑا رہے ہوتے ہیں لیکن سانپ رات کی رانی ہی کے پاس کیوں آتا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں آیا تھا۔ اب پوچھوں گا۔" اس نے مصومت سے کہا۔



ملک نوادے نے بے ساختہ بچے کا رخسار چوم لیا۔ بچے نے ناگواری کا اظہار کیا۔

”مجھے آدمیوں کا پیار کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔“

”ہائیں۔“ ملک نوادہ کچھ بھونکا۔

”آدمیوں کو مونچھیں اتنی سخت ہوتی ہیں بڑے زور سے جھجکتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس لیے بچے کو نہیں چاہیے۔“

ملک نوادہ کا بچہ چاہا اس مضموم کو ایک مرتبہ اور چوم لے کر۔ اسے بچے کی ناگواری یاد آئی۔

”اچھا بھئی۔“ اس نے اپنی مونچھوں پر انگلیاں چلائیں۔

بچہ اچھلتا کودتا باہر نکل گیا۔ لیکن ملک نوادہ کو ایک عجیب سے احساس نے دوچار کر دیا۔ اسے یاد نہیں پڑتا کہ اس نے کبھی بچوں میں دلچسپی لی ہو۔ لیکن آج اسے اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک نیا انگ لگا رہا جو اس کا سب سے قریبی رشتہ بننے والی تھی۔ وہ اس روح کا شکر ہو گیا تھا۔ رشتے قرطاس پر اتر کر ہی افسوس نہیں ہوتے۔ رشتے خون میں دوڑتے بھاگتے ہیں۔ اور ایک باغیر با احساس شخص کتنا ہی پرانا چاہے۔ رشتے آئیپ لائو کر ان کی جان سے پیچھے رہتے ہیں۔

شریاء کا اس سے کیا تعلق ہے؟ کچھ نہیں۔ لیکن اب وہی اس کی سب سے بڑی متعلق ہے۔ کپڑوں داری ہے شریاء؟ کوئی نہیں۔ اور وہی اس کا سب سے بڑا رشتہ۔ ایک بڑے خزانے جیسا۔ اپنے وجود کی گولڈ میں لیے شیشی ہے۔

حالانکہ یہ خزانہ طلسمی ہے۔ فریب ہے۔ ظلم ہے۔ تاریکی ہے۔ زیادتی ہے۔ اسے ان میں ٹھکسٹا نہیں وہ کلکار یاں سنائی دینے لگیں۔

”اچھا ہی تھا مانی اگر تم ساحرہ کو بھی ساتھ لے جاتے۔ جس دن سے شادی ہو کر آئی ہے کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اس نے۔ ذرا اس ماحول سے لگے گی تو اچھا اثر پڑے گا۔“

”میرا وہاں رہنے کا اب بالکل ارادہ نہیں ہے مانی۔ ضروری معاملات سے نفرت کر میں میرے ہی بچے وہاں آ جاؤں گا۔ یہاں اتنی پریشانی ہے۔ میں وہاں کیسے رہ سکتا ہوں۔“

سب کھانے کی میز پر کافی دنوں بعد جمع ہوئے تھے۔ زور پکڑوں میں نہانی دھوئی خاموشی ساحرہ کے اندر ایک چھنا کا سا ہوا تھا۔

وہ عام روایتی انداز میں سرسراں سے ملکہ ہو کر رہتا نہیں چاہتی تھی لیکن ایک خواہش اس کے دل میں گردش کرتی تھی کہ وہ اپنے شریک سفر کے ساتھ امریکہ کی سیر کرے کہ تمام تر سہولت میری ہی تھی۔ اس نے خاموشی سے آل کا فیصلہ سنا اور سر جھکا لیا۔

”مانی مانی۔ بڑی بھابی ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ آپ چھوٹی بھابی کو ضرور ساتھ لے جائیں۔ کم از کم کم ٹینشن تو کم ہو گا رہی شریاء کی بات تو دیکھیے کوشش تو ہو رہی ہے ناں۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ تو سامنے آئے گا۔ خدا کرے وہ خیریت سے ہوں۔ زندگی تو گزارنا ہے۔ یہ حادثہ ہم سب کیلئے بہت بڑا ہے۔ مگر زندگی تو گزارنا ہی ہے۔ حالانکہ ساتھ ایک چھائیں کی طرح دل میں اٹکا رہے گا۔ اسی کو بھی آخر کچھ قرار دی جائے گا۔ حقیقت کو حقیقی انداز میں چھلے مانی مانی۔“ عالیہ نے اپنے بچے کو جھج سے سب ملاتے ہوئے مردہ داری سے کہا۔

”مگر خانی نہیں ہونا چاہیے عالیہ۔ ابھی عمر بڑھا چاہتے ہیں۔ مقدمہ جا کرنا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ ملکا بچہ ہل کر کچھ سکون مل جائے۔ میں چاہتا ہوں ان کی خواہش پوری ہو جائے۔ اس کی حالت ہی سے کچھ نہیں کر بہت عرصے سے کام لے رہے ہیں۔ تمام تر راستے اختیار کر چکے ہیں۔ کچھ نہیں آتا اسے تو شرم میں شریاء کی کہیں چپ لگی ہیں۔ ایک تھکے بعد دیکھتے ہو جائیں گے پھر۔“

”تم بچہ کا منہ نہ ڈالو مانی۔ میں یہاں ہوں۔ اطوار ہی تو اصول لاتی ہے جو کبھی بھی قسم کی ہو سکتی ہے۔ اور کوئی بھی وصول کر سکتا ہے۔“ حسن نے ٹپکھن سے ہاتھ پوچھے اور کڑی تحسین کرکڑا کر بولے۔

”میں اب کسے کمرے میں ہوں۔ عالیہ ایک کپ چائے بگولہ بنا۔“ وہ جن سے کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔

وہ اور۔ ساحرہ۔ مہمانوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ اور مہمان بھی نوادہ۔ جیسے اس گھر میں عالیہ امن اور مانی ہی ہیں۔ اور یہ باہر سے آئی ہوئی ابھی عورتیں۔ عالیہ بچے کو کڑی پرہیز کر رہی تھیں مانی تھی۔ تو کم عمری ساحرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”رہنے دو عالیہ۔ اپنے بچے کو سنبھالو۔ میں صاف کر لیتی ہوں ٹیبل۔“

”سارا دن آپ ہی دونوں تو لگی رہتی ہیں۔ میں کیا کرتی ہوں۔ صدمہ کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی کونک سے دیکھ لے آتی ہو ایسا لگتا ہے پہلوانی کے مقابلے کی تیاری کر کے آئی ہو۔ میں کبھی ہوں میں کیا کروں۔ میری بھابیوں جیسے مل کر پائی نہیں پینے دیتی۔“

وہ بچے بھابی۔ اب نے ہم لوگوں سے تو کوئی ذکر نہیں کیا؟ عمر کے بارے میں۔“

”نہیں کیا تھا۔ پر سوں جب میں انہیں چائے دینے لگی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ تمہاری بیٹی کی طبیعت خجیل جائے تو عمر و کرنے جاؤں گا۔“ شہلا نے شیشے کے صاف گلاس اٹھا کر دھار میں نصب شیشے کی خوبصورت انداز میں لگاتے ہوئے کہا۔

ساحرہ کیلے ہاتھوں کو جوڑنے کی شکل میں پلٹے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کے اس انداز پر عالیہ کو یاد آ گیا۔

”چھوٹی بھابی۔“

”ہوں۔“ وہ چونک پڑی۔

”آپ مانی بھابی سے خد کر کے ان کے ساتھ چلی جائیں۔ درنا کیلے میں تو وہ زیادہ ہی پریشان ہو جائیں گے اور آپ کے ذہن کو بھی کچھ ریٹ لے گا۔“

”خد کر کے۔“ میں خد نہیں کر سکتی۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

”بچے۔ ایک آپ ہی تو ان سے خد کر سکتی ہیں۔“

”عالیہ۔ میں ان سے جانے کے سلسلے میں کیسے بات کر سکتی ہوں۔“ جب کہ گھر میں اتنی پریشانی ہے

انداز کی جان بدستور بیمار ہیں۔ میرا بھائی ان حالت میں بالکل مناسب نہیں۔“

”میں تو اس خیال سے کہہ رہی ہوں کہ۔“ وہ تھجائی میں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ بہت پریشان ہیں۔“

نہیں کسی کی نظر کھانسی ہمارے بچے گھر کو۔“ مانی آتسو عالیہ کے رخساروں پر لڑکھاک آئے۔

ہاتھ دھوئی ہوئی شہلا اس کی دست پٹی اور اسے گلے سے لگا لیا۔

”دوسروں کی ہمت بندھائی ہو اور خود روٹی ہو۔“

عالیہ کے شہدائے تمام ہندو مت لگے۔ وہ چھوٹ چھوٹ کر رہی۔

"بھائی۔ آپ نے سوچا تھا مانی بھائی بھی ایسے ہو جائیں گے۔ ان کی اتنی صورت دیکھ کر ہر ماں روتا ہے۔" شہلا کی آنکھیں بھر آئیں۔

"چندا۔ تجھے بھائیوں کی فکر ہے۔ اپنی نہیں؟" حیران بھی تو ایک گھر ہے۔ ہاں۔ اپنے آپ کو سنہاں عالیہ۔ ایسے نہیں کرتے۔ کڑھنے سے مٹی کو بڑا روک روک لگ جاتے ہیں۔ برقعہ مست جس قہار اور۔ مہر ہے والا خدا ہے۔

مادے انسان کی قوت برداشت سے بڑھ کر ہوتے تو انسان صدیوں پہلے ختم ہو چکا ہوتا۔

اس نے سسکتی عالیہ کی پشت پر ہاتھ پھیر کر دلا سا دیا۔ "مادی ایسی بات نہیں۔"

"اتنے دن تو ہو گئے بھائی۔ اسی کی طرف دیکھتی ہوں تو مر جاتے کوئی چاہتا ہے۔"

شہلا کچھ نہ بول پائی۔ جیسے تمام الفاظ اپنی حقیقت کھو بیٹھے تھے۔

\*\*\*

وہ اس کے آنے سے پہلے ہی سوچا ہوتا تھا یا پھر سوتا ہوتا تھا۔ اب وہ بھی ان اداؤں کی عادی ہو چکی تھی۔ کچھ گھر میں پریشانی بھی انگ نہ دیتی تھی۔ دماغ بیک وقت کئی جگہ مصروف رہتا تھا۔ محبت نامہ۔ "مشتق نامہ" ایک پہاڑی طرح اس کے سر پر ٹوٹا تھا لیکن تین دن بھر یہ تکرار کرنے کے بعد بھی بات اپنا جاتی معلوم ہو کر رہ گئی تھی۔

رات دو بجے کا عالم تھا جب اسے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ ہمارا ہے۔

اس نے پاؤں پہلو کی سمت دیکھا۔ منہ کی خند کھری تھی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں بھائی۔"

"ہائیں۔" مانی کی آواز سن کر اس کا دل پھیل کر مطلق میں آ گیا۔

وہ بمشکل دروازے تک آئی۔ دروازہ کھولا۔ سامنے مانی تھا۔

"بھائی جان کواٹھا دیں بھائی۔"

"مانی۔" شہلا کی آواز کا پگھلاؤ۔

"خیر عت تو ہے ناں۔"

منہ کی آنکھ ہاتھوں کی آواز پر کھل گئی تھی۔

"کیا بات ہے مانی۔" اس نے سوتے سوتے انداز میں پوچھا۔

"پاجامہ پہنا رہا ہے بھائی جان۔ پیچھے آ جاتی ہے۔"

"خیر عت۔"

"ڈاکٹر خان کا فون آیا تھا ابھی۔ اسی کا۔ ڈاکٹر خان کہہ رہے تھے۔ قلب کی حرکت اچانک۔"

فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "اب کہاں ہیں؟"

"میں نے ابھی انہیں نہیں دیکھا۔"

اور شہلا کے پاؤں تلے سے گواہت کھینچ لی گئی تھی۔

دونوں بھائی آگے پیچھے چلتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر کر چلے گئے۔ وہ اس دروازے کے کمرے میں گئی۔ عالیہ کے کمرے میں لے گئی وہشت بڑا مانی کس کا بھی ہوا وہاں تو جی ہوئی انگلیوں میں اگلے ہاتھ۔ یہ کمرہ مانی کی لڑکتی ٹاک آواز میں سنائی دے رہا تھا۔

منہ مانی اور چچا جان کا ماحول چاہیے تھے۔ وہ عالیہ کو سنہا لے میں لگ گئی۔

"بھائی۔ میری امی۔"

"ہوش کرو عالیہ۔ خدا کے لیے گھر کے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھو۔"

"بھائی۔ اللہ کا عذاب اترا تھا تو پانی کی صورت میں۔" وہ اس کے ہاتھوں میں چہرہ چسپا کر چھوٹ چھوٹ کر رہ گئی تھی۔

"مکرمات کا فون سے۔ عالیہ۔ ایسے نہیں کرتے۔"

"بھائی۔ شری پانی پینا ہوتا ہے میرا جانتا تھا تو کتنا اچھا تھا۔"

سامرو ایک کونے میں بیٹھی عالیہ کے نوٹس میں نہ آ سکی۔ اٹھ کر دونوں کے قریب آ گئی۔

"عالیہ صبر کرو۔ خود کو سنہالو۔ اب ہی کا خیال کرو۔"

"چھوٹی بھائی کہہ کر کتنا آسان ہے۔ کیسے سنہالوں خود کو۔" بڑے میری امی۔ "شہلا اور سامرو عالیہ کو سنہالے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

"امی۔ میری پیاری امی اگر مجھے معلوم ہوتا یہ سب ہونے والا ہے، میں آپ کے پاس سے نہ ہٹتی۔" بڑے میری ماں۔ کوئی بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ ان کا کیا حال ہو گا۔

عالیہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی۔ سامرو کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ سامرو بوجھ شہلا کے سر پر تھے۔ عالیہ کا دینا شہلا کا اپنا بیٹا ہی تھا۔ سامرو کے دروازے پر کھانا اور تھی تھیں۔

ابھی پوچھی نہیں گئی تھی اور گھر میں ایسے لگے۔ ہاتھ کبھی رات ہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک کھینے بعد جنازہ آ گیا۔ اور عالیہ ماں کو دیکھ کر چیخ کر پڑی۔ منہ بمشکل اسے اٹھا کر اندر لایا تھا مانی باپ کو سنہال رہا تھا۔

"مانی۔"

"مٹی ابو۔"

"تمہاری ماں اتنی خاموشی سے چلی گئی۔" اسے مجھ سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ میں تو اس سے معافی مانگتی تھیں مانگ۔ گا۔" ان کی آواز ابھرا گئی۔

"جو۔" مانی نے ضبط سے ہونٹ کاٹے۔

"ڈاکٹر اسی بہت بڑے ہنگامہ کھڑا کر رہی تھی۔ اتنے بڑے سفر پر نکل اور اتنی خاموشی سے پھر پریشان کیے ہوئے۔ میں اسے بولنے کے طے پا کر تھا۔" برامان گئی۔ مانی تمہاری ماں۔

"خود کو سنہال لے جو۔" مانی کی آنکھیں چمک پڑیں۔

"سنہال تو رہا ہوں۔ مانی تجھے نہیں تمام عمر میں رشتہ منہ کی ضرورت اسی وقت شدت سے محسوس ہوتی



ہے مانی تیرے تو وہ بہت لڑا اٹھاتی تھی۔ بیٹے تیرے دل میں کیا خیال آ رہا ہے۔ جب تو اس کے چلا گیا تھا۔ ساتوں کو بے چین پھرتی تھی۔

میں نے اسے سمجھایا کہ دنیا کی اولاد باہر جاتی ہے۔ تو کہنے لگی۔ "مگر کیا ہے۔ وہاں بیٹا تو بہت بڑا رہتا ہے۔"

"میں نے انہیں بہت پریشان کیا ہے۔"

باپ نے اسے بیٹے سے لگا لیا۔ "پریشان رہنے کی تو اس کی عادت تھی۔ پریشانی سول بک رہی ہوئی تو، غریب لاتی۔ ذرا لڑائی باتوں پر ہاتھ پاؤں پھیلاتی تھی۔

شیریا۔ تیری ماں مرگئی تھی۔ کہاں ہے تو۔ وہ دور ہے تھے۔ مانی اپنے مضبوط باپ کی فکری دیکھ کر غم ہوا ہمارا ہاتھ۔

سب جگہ اطلاع کرادی تھی اس لیے جنازہ شام تک روک لیا گیا تھا۔ چندی سے خالہ خالو صبر و غیرہ آ گئے تھے۔ کراچی سے شہلا کے امی ابو۔ صبور بھائی آ گئے تھے۔ پٹارہ سے ساروہ کر والد آئے تھے۔

شام پانچ بجے جنازہ اٹھا۔ جب شہلا ضبط نہ کر سکی تھی۔ وہ دیر سے ٹک کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ وہ ہر سے حادثے کے بعد تو گویا وہ دیر سے وحشت نوٹ کر بکھرے لگی تھی۔ گھر میں مہمان بھرے ہوئے تھے۔ روز ختم قرآن اور ہاتھ۔

لیکن اتنے سنگین حادثے کے بعد بھی حسن کے انداز نہ بدلے تھے۔ وہ اپنے ضروری کام ساروہ سے کروا رہا تھا۔

ایسے میں شہلا لگا جی چاہا وہ امی کے ساتھ کراچی چلی جائے پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔ اس کے رویے سے مزید اذیت محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ ہمیشہ کی طرح اس نے اسے بائیں میں چھپی کی تھی مگر اس نے بری طرح نظر انداز کر دیا تھا۔ جب اسے محسوس ہوا تھا وہ بالکل تباہ ہے۔

اس نے اسی دور ان ملک تو اڑکا کا مطالعہ کرنے اور تکلف کرنے کی بھی امکان بھر کوشش کی تھی۔ لیکن اسے وہ خط نہیں مل سکا تھا۔

اس نے سوچا چند دنوں بعد۔ وہ اس سے اس موضوع پر بات کرے گی۔ اور کہے گی کہ مجھ سے یہ یکطرفہ مذاہب نہیں ہے جانتے۔

ایک کسی سے دانسی پروہ اکٹر باقر کے پاس چلا آیا تھا۔

"کیسے ہو ملک۔" انہوں نے فطری خوش اخلاقی سے ہاتھ ملایا۔

"گزارہ ہا ہوں۔ باقر بھائی۔" وہ مسکرا دیا۔

"ماہی کی باتیں نہ کرو ملک۔ اب تو انشا مائدہ گھر بنے گا۔" وہ قائل رہنے کے مسکرائے وہ خاموش رہا۔

"میں تم سے یہ کہتا چاہا ہ تھا۔" لیوری میں ابھی فقریہ سیاست ماہیاتی ہیں۔ تم اس کے چارے ہو۔ میرا صبر دیکھو جیسے جانے دے رہا ہوں۔"

"شکر ہے۔"

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ میں سریندر کو اسٹیت بھوانے کی چوڑی کروں گا۔ وہ تم وہاں کا نظام کرے گا۔"

"اسے سلسلے میں دشواری تو بہت ہوگی باقر بھائی۔"

"یہ تو سکتی ہے لیکن میں اس کے لیے جتنی جھنجھکی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ میں دوسروں کے اس قسم کے مسائل سلجھانے کا یقین تو نہیں دلا سکتا ہوں۔ لیکن چند لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا یہ ہوتے ہوئے کوئی جبر وقت چاہے ہوں۔

ایلی اسے داری بھگتا ہوں۔ اگر سریندر وحش مند ہوئی تو سرے سے یہ مسئلہ ہی قائم ہو جاتا۔ لیکن اس سریندر کو ہم اگر اپنے فائدے کی خاطر ٹریٹ منٹ دے بھی دیں تو اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔ اگرچہ یہی الوقت ایک ذکاوت مند ہے لیکن

میں خون باقی الہی کروں پر کے کر تمام عمر جبر کی عدالت میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور تم جیسے انسان کا تو کہ جس کی ضروری ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی صحت مند انسان حالات کی زد میں آ کر خود کشی کا مرتکب ہو۔ تمہیں اپنے اور

سریندر کے لیے بروقت تعاون کرنا ہوگا تاکہ تم ایک پرسکون زندگی گزار سکو۔"

"میں آپ کو یقین دلا چکا ہوں باقر بھائی۔" وہ نظریں اٹھاتے بغیر بولا۔

"تم سمجھو انسان ہو۔ سریندر کے صحت یاب ہونے کے بعد تم اس سے اپنی سلامیت کے مطابق ذلیل کر لینے۔ کم از کم اس معاشرے کے ایک بچے کو تو تاریک راستے نہیں۔

"اپنا گھر۔" نام نہا ہے۔"

"جی نہیں۔ میں سمجھ نہیں۔" ملک نور انگریز آ گیا۔

"یہ ایسی میٹرسٹ کا کارنامہ ہے۔"

"ایسی میٹرسٹ؟" ملک نور نے الجھ کر پوچھا۔

"تم کافی عرصے سے باہر ہو لیکن تم نے ممتاز سماجی کارکن "عبدالستار ایڈمی" کا نام ضرور سنا ہوگا۔ یہ انہی کا

قائم کردہ ادارہ ہے۔ اس میں بے گھر لوگوں کو پناہ دی جاتی ہے۔ اور ایسے بچوں کو جن کے شقی القلب والدین لاپتا ہوتے ہیں پرورش کیا جاتا ہے۔ بے اولاد لوگ ایڈمی ٹرسٹ سے رابطہ قائم کر کے ان بچوں کو گود بھی لیتے ہیں۔ ملک

میرے ذہن میں ہمارا سوال اٹھتا ہے۔ جب بچوں کو بڑے ہو کر یہ معلوم ہوگا کہ ان کے حقیقی والدین نہیں ہیں تو ان کی روحانی حالت کیا ہوگی؟ بالغ ذہن کو بھی ہو جائے گا۔ کمون نگہ کراچی زندگی پر شرمندہ ہوگا۔ جنگی بھر جائز ان پائیک

ریجنل انکوائری ہوگا۔ ایک روشن مستقبل کے خواب دیکھنے والے کا۔ انسانی انجام۔ بچوں کا قصور نہیں ہوتا؟ سزا ان کو کتنی ہے۔ قہار ایشیا یا ایشی۔ قہار ہر صحت کے نیچے جینا چاہیے ملک۔"

"آپ کے خیال میں مجھے پاکستان کب تک آ جانا چاہیے؟" ملک نور ازی آواز بے حد محرم تھی۔

"انکو برے آفر تک۔" ڈاکٹر باقر نے جواب دیا۔

"یہ میرے پائرسٹ کا ایڈریس ہے۔ اور یہ آپس کا۔" ملک نور نے دو کارڈ ڈاکٹر باقر کی سمت بلا حاشے۔

"آپ بے فکر رہیے میں رابطہ رکھوں گا۔"

"تم نہیں رکھو گے تو میں تو بہت حال رکھوں گا۔" انہوں نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیے۔

"اب میں چلتا ہوں؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں۔" ڈاکٹر باقر کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"روم نمبر سات میں۔" وہ وقت آجیڑا انداز میں مسکرایا۔

"وہ پاگل نہیں ہے ملک۔ معمولی دماغی مریض ہے۔ اسے کپڑے پہنے، اپنے سنورنے کا بہت شوق ہے۔ میں ابھی راونڈ پر تھا تو دیکھا مار تھا اسے تیار کر رہی تھیں۔ وہ بہت خوشی سے کپڑے تبدیل کرتی ہے۔ لپ اسٹک لگاتے اسے بہت شوق ہے۔ جاؤ دیکھو۔ مار تھا نے کمرے میں لپ اسٹک کی دکان کھارہی ہے۔ اسے مریض کی معمولی سے معمولی خوشی کو بھی اولیت دینا پڑتی ہے۔"

وہ دم بھر سات میں چلا آیا۔

"مگلا ایک سر۔" مار تھا نے سوچا کہ اذکار باقر کے عزیزی کی حیثیت سے اسے ملے سے بہت عزت ملتی تھی۔ ٹریا ہسٹری پر بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ آتش ٹھالی کڑ سے بولے سوٹ میں وہ شعلہ بن کر دیکھ رہی تھی۔ مار تھا نے اس کی دو صورتوں پر چٹیاں بنائی تھیں۔ آنکھوں میں کاجل کے ڈورے اور ہونٹوں پر خوش رنگ لپ اسٹک کی تھیں۔ ملک نواز کو دیکھ کر اس کی سبز آنکھوں کی چمک بڑھ گئی جو بہت سا دیکھ رہا تھا۔

"میں نے لال کپڑے پہنے ہیں۔ میں لیکن ہوں نا۔۔۔"

وہ بستر سے چھلانگ مار کر اتر آئی۔

"اوکاڈ۔۔۔ سلوٹریا۔ (آہستہ ٹریا) مار تھا گہرا کرا کے بڑھی۔

"میں لیکن ہوں۔ میں ہار بھی بیٹوں کی۔" وہ جھکی۔

"نہیں سر۔ شی الزلنگ براؤ (یہ لیکن لگ رہی ہے)۔" مار تھا نے خوش ہو کر کہا۔

وہ آہنیے کے سامنے لہر لہرا کر خود کو دیکھ رہی تھی۔ واقعی مار تھا نے لپ اسٹک کا حیران کر رکھا تھا۔

"یہ کبھی تھی ہارو دکان۔" اسے۔ مجھے دکان سے ہار لا دوں۔" اس نے ملک نواز کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"اچھا کل آؤں گا تو رے کراؤں گا۔ تم بیٹھو۔"

"میں نہیں بیٹھوں گی۔ میں اس لڑکی کے ساتھ تھی پکڑنے باہر جاؤں گی۔"

ملک نواز گرنے کے انداز میں بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ مار تھا سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد بدستور مصروف تھا۔ کاندوں کا تصویروں کا ڈھیر لگاتے جانے کس تاریکی شے کی تلاش میں تھا۔ خورشید کام و غیر سے رست کر اپنے گوارٹر میں جا چکا تھا۔ اس نے ایک اخبارداروں رسالوں کو اٹھایا اور باہر نکل آیا۔

لوہے کا ڈسٹ بن برآمد سے اٹھا کر کچ لان میں رکھا اور اندر سے ماتیں لایا۔ سارا ڈھیر دست بن گیا ڈال کر آگ لگا دی۔ تھوڑی دیر میں شعلے اونچے ہو گئے۔ وہ اونٹ بیٹھے شعلوں کو غور دیکھا رہا تھا۔

"میں غریب کی لنگ لہار پا ہوں ٹریا۔ مجھے پتا ہے قدرت نے مجھے دھوکے دیے ہیں اور میں جھیں دھوکے دیتا ہوں گا۔" ٹریا۔ وہ غیر نہیں ہے تمہاری بھابی ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے۔ میں اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور ہوا ہوں۔ ورنہ شتے تو مجھے انیت ہی دیتے ہیں۔ اڈوہ کی پیکاریں لگتی ہیں مجھے تعلقات کی کڑیاں۔ کیسا موزا آیا ہے میری زندگی میں۔ میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ تین تھنوں کا طلسم مجھے تاحیات بکڑے رکھے گا۔ شادوش کے لفظ۔

وہ ایک تک دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ شعلے ختم ہو گئے۔ اور وہواں اٹھنے لگا۔

"آج پہلے سفر کی انتہا کی ہے میں نے۔" نیا سطر۔ بوسکتا ہے اس سے بلا کر میری روح پر دم لگے۔

ہر ایلیاں صاحبہ مخلص آسان ہو جاتا چاہئیں۔" وہ جھڑپ انداز میں مسکرایا تھا۔ ایسی جھڑپ انداز رہا تھا۔

آج۔ آخر کار وہ بیسٹن روانہ ہو رہا تھا۔ جانے سے پہلے وہ اذکار باقر سے ملا تھا۔ مار تھا کو کچھ قہری تھی کہ وہ بڑا کے لیے مارو غیر ملے آئے۔

مار تھا نے معنی خیزی سے پوچھا تھا کہ وہ ہارو کیوں نہیں لایا۔ اس نے چمک کر مار تھا کی شکل دیکھی تھی۔ (ہارو بھائی۔ بھید نہ کھلے۔ ورنہ ساری زندگی معاف نہیں کروں گا آپ کو۔) مار تھا نے بھی ہارو کا رستہ چھوڑ دیا تھا۔

"میں نے کبھی اس قسم کی چیز نہیں خریدی۔ اور نہ مجھے اچھا لگتا ہے۔" اس نے ملک نواز میں جواب دیا تھا۔

ٹریا آہنیے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک دیکھ رہی تھی۔ لپک کر ملک نواز کے پاؤں کی تھی۔ "تمہارے سر ٹی

لگاؤں۔"

آپا کبھی ہیں آدمی سر ٹی نہیں لگاتے۔ اونہ کیوں نہیں لگاتے؟ تم بھی لگاؤ۔ بڑی ابھی ہے۔ ۲۲ اس نے گردن ہلاتی۔

"نہیں۔ آدمی سر ٹی نہیں لگاتے۔" اس نے ہارواری سے ٹریا کا ہاتھ ایک طرف کیا تھا۔

"آدمی کیا لگاتے ہیں بھر۔" ٹریا نے تعجب سے سوال کیا تھا۔

"شاہ۔ دارغ۔ یا پھر روگ۔ تو خیر عورتیں بھی لگاوتی ہیں۔" وہ جھکی سے مسکرایا تھا۔

وہ خدا حافظ کہہ کر ائیر پورٹ چلا آیا تھا۔ ایک۔ ایک کس اور ایک چھوٹا سا سوٹ کس اس۔ پھر اندر

تھے۔ ناصر صاحب اور اس کی دو دست ائیر پورٹ پر اس سے ملنے آئے ہوتے تھے۔

"اب کتنے سال بعد دیدار کر آؤ گے۔" ایک دوست اس کے ہاتھ گرگوشی سے دبا کر بولا۔

"چند پہلوں بعد ہی۔"

"ارے خیریت۔" ناصر صاحب کو تعجب ہوا۔

"ساتھ خیریت کے جانے دیں۔ سوالوں کی مارت ماریں۔"

وہ خفیف سا ہونک رہا تھا ملاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ ناصر صاحب نے خصوصاً تہذیب لگا کر اسے گلے سے لگا لیا

تھا۔ وہ پیشہ ہی سے اس کے عاشق تھے۔ اس کے سفر سے انداز۔ انہیں بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ بھی ان کا بے حد

احترام کرتا تھا۔ ان کی معنی خیز باتوں پر لطیف چٹنوں پر وہ شرمندہ سا ہونک رہا تھا تو انہیں بے حد اچھا لگتا تھا۔ جن چار

مائل تک وہ بیگزین میں ان کی معاونت کرتا رہا تھا۔ یوں اور بھی قریب ہو گیا تھا۔

جس طرح طوفان کی توڑ پھوڑ کے بعد ایک خاموشی سی چھا جاتی ہے۔ خیر اس آ جاتا ہے۔ ورنہ اسلام

میں بھی آ گیا تھا۔ لیکن۔

اس دن ٹھیک چھ بج گئی جس دن بیسٹن سے رجسٹری آئی۔ امریکی قانون غلام غلام کے تحت۔ انسان مذہب

کی غیر امتداد اندر دین پرورد تک لپٹا تھا۔ کہ اسے اپنے کے اندر اندر لپٹی گراف کے مرکز میں عاشق ہی دے کرستانی پیش

کرنا ہے۔ وجہ بات کی تحریری شکل گونا گونا ہے۔ ورنہ گورنمنٹ آف پاکستان کے قروا نکش لیا جاتا ہے گا۔ ایک ذمہ دار

آفسر کی غیر ذمہ دار حرکت پر ہماری جرمانہ لگایا جاسکتا ہے جب کہ انہم دستاویزات بھی مختلف آفسر کے قلم سے



ہیں۔ یہ لیٹر پاکستان کی ٹیلی گراف کی معرفت تھا جس پر متعلقہ جگہ کے اعلیٰ آفیسر کے ریمارکس ملتے تھے۔  
 "ایک پاکستانی کی غیر ذمہ دارانہ حرکت شاید پالیسی پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ اور ملک کا دفاع و سلامتی  
 اس سے مستزاد زیادہ کو خطرہ یا جانتا ہے کہ وہ قلعہ کی تلاقی فی الفور کریں۔"  
 ایک کھلی سی جگہ تھی۔

حسن نے ناراضگی سے پوچھا تھا۔ "تم نے درخواست کیوں نہیں بھجوائی تھی۔"

"مجھے دھیان نہیں رہا تھا۔" اس نے بڑے احتیاط سے کہا تھا۔

"مافی۔ لائف بہت پر کنٹرول ہونی چاہیے۔ زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزرتی۔ اگر سخت ایکشن  
 لے لیا گیا تو جانے ہو گیا ہوگا۔"

"جانتا ہے مجھے۔"

"مجھے تم سے اس قدر رفاقت کی توقع نہیں تھی۔ میں یوسف کو فون کر کے سیٹ بک کرا تا ہوں۔ جو میلے سے  
 معاملہ بناتا۔"

ساحرہ نے جلدی جلدی اس کا سامان تیار کر دیا تھا۔ اس کی حالت بہت خیر ہو رہی تھی۔ اس کو روکا دیکھا اور  
 جھلکایا تھا۔

"ابھی سے رو رہی ہو مجھے۔"

ساحرہ نے سہم کر آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ اسے مافی کا لہجہ اپنی سادگیاں تھا۔

شاید محبت کے بعد ہلکی سی بے رخی بھی جان کو آ جاتی ہے۔ کہیں یہ بھی اوروں کی طرح مجھے۔

"امان۔" اس کی آواز کا تپ رہی تھی۔

"آپ ناراض ہیں۔"

"دامخ خراب ہے میرا۔"

اس ترش روئی پر تو ساحرہ کا گویا ہارت ٹپل ہوتے ہوتے رو گیا۔

وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

جب پورے ٹیکو میں سب کھڑے ہوئے مافی کو رخصت کر رہے تھے۔ مافی کی نظروں نے ساحرہ کو تلاش کیا اور  
 وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

دوسرے جھکائے بند کرنے پر تکی ہوئی انگلیاں ہلکی رہی تھی۔

"ارے بھئی خدا حافظ نہیں کہو گی۔"

ساحرہ نے روئی روئی آنکھیں اس کی سمت کیں۔

وہ اس کے قریب چلا آیا۔ "یہ کیا بات ہوئی ساحرہ؟ ایسے نہیں کرتے کیا ہو گیا ہے۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چہرہ چپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

مافی پریشان سا اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "ساحرہ۔ جان۔ زندگی کے ساتھی کو مزاج کے موسموں میں

بھی ساجھی ہوتا چاہیے۔ اب آدی ہر وقت تو خود رومان طاری نہیں رکھ سکتا کچھ حادثے بھی اس تسلسل سے آئے ہیں کہ  
 ذہن پریشان ہو گیا ہے۔"

جس میں عمارت چاہیے کہ کس شخص پریشانوں سے تھرا آ رہا ہے۔ چار ماہوں دو چار گھنٹہ چاہیے۔"

"آپ مجھ سے کھڑے کھڑے کیوں رہتے ہیں۔" وہ بھری ہوئی آواز میں بولی۔

"اور۔۔۔ شادی حیات بھی انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی۔ میں تم سے کھڑا کھڑا کیوں رہا گا۔ دامخ خراب  
 ہے میرا۔"

"آپ نے مجھے ڈانکا کیوں تھا؟"

"شامت نے دھکا دیا تھا میری۔ بھئی ایسی ذلت آپ تو چلتی رہتی ہے۔ یہ وہ نہیں کرتا چاہیے۔ وہ جو

ہماری بھابی ہیں اس ۲ بھائی جان کے پیچھے پرچہ تک نہیں ہیں اور بھائی جان ان کی اداسی قلعہ پر سخت مست رہتے ہیں۔

جس میں تو جانتا ہے بھائی جان کا حراج۔ وہ بھائی جان کے حراج ہی میں نہیں اس گھر کے حدود پر اس میں بھی رقی اس گھر

ہیں۔ یہ ابھی نہیں کرتیں۔ بس اپنے فرائض کی اہم اور ہی میں لگی رہتی ہیں۔ بھائی جان بیٹے دشوار ہیں میں تو ان کا

سایہ بھی نہیں ہوں۔ پھر بھی تمہارا یہ حال ہے بھئی مافی ترش تو زندگی میں آتی رہتی ہے۔ رہتے آتے کھڑے ہو گئی ہیں کہ

ان معمولی باتوں سے ان میں دراڑیں پڑ جائیں۔ کیا جیسے میری پریشانوں کا ذرا بھی اور اک نہیں۔ ۲ چلو مجھے بیٹے

سکراتے رخصت کرو۔ اگر میں جلد نہ آتا تو بلوالوں کا جھپٹا۔ گھر والوں کا خیال رکھنا۔ میری غیر موجودگی میں جیسے

مستزلان اور مستزادان دونوں کی ذمہ داریاں بھائی ہیں۔ آیا مجھ میں۔"

ساحرہ آنکھیں پونچھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کچھ ہو تو نہیں جائے گا امان۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"یہ تم ہی بہتر جانتی ہو۔" اس کی آنکھوں میں گہرے شہادت لہریں۔ ساحرہ نے جھپٹ کر رخ موڑ لیا۔

"اچھا دوست۔ خدا حافظ۔" مافی نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیرا دیا۔

ساحرہ نے اپنا لرزتا ہوا بازو زک سا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ جسے امان نے پورے جذبوں سے دبا دیا

فد۔ اور ہر نکل آیا تھا۔

صبر بھائی۔ جیسے کہ لہجہ تاثیر چہرہ پر ملیں گے۔ سب کو سلام کہہ دیا۔ "شہلانے گاڑی کا پتہ تمام کر

اند بھانگا۔

حسن اسے کو سیرا تیر پورٹ لے کر جا رہا تھا۔

"بس اماں اب تم برتن دھو کر چلی جاؤ۔"

"صاحب چائے کو کہہ گئے تھے بی بی۔"

"حسن۔"

"بی۔"

"اچھا تو۔ پھر پہلے نہیں چائے دے آؤ۔" شہلانے چائے بنانا شروع کر دی۔ چائے بنا کر نوکرانی کو

اٹا۔ وہ چائے دے کے آئی تو شہلا بیچوں کے کمرے کا رخ کرنے لگی تھی۔

"بی بی۔ صاحب آپ کو مار رہے ہیں۔"

"مجھے۔" شہلا کو شہید حیرانی ہوئی۔ تین ماہ بعد آخر کار حضور کا موزہ خود بخود ٹھیک ہو گیا۔ وہ رخ

بال کر اپنے کمرے کرنے لگی۔

آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔ سرسئی شلو اور قمیض میں مسن راہیچہ بخیل کے ساتھ ہی کھڑا ہوا تھا۔  
شہلا کا دل عجیب انداز میں دڑکنے لگا تھا۔ میاں بیوی کی صلح چھاؤنی۔ ہمسریا اچھی لگتی ہے اور محسوس لگتی ہے۔  
اسے مسن کا کمرے ہو کر انتظار کرنا عجیب سا لگا تھا۔

وہ اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

حسن نے بیٹ کرانے سے گہری نظروں سے دیکھا۔

وہ نزدیک چلی آئی۔

"خیریت۔"

"جوانگروں پر پڑتے ہیں ان کے ہاں خیریت نہیں ہوتی۔" اس کے لہجے میں گہری جھنجھٹ۔

"یہ اس ملک کا قانون ہے محترم۔ کر لڑکیاں مال کو ملتی ہیں اور لڑکے باپ کو۔"

حسن۔ "شہلا کا دل دھڑکنا بھول گیا۔"

"مگر میں تیرا بیٹا نہیں ہوں۔ ہاں تاکہ مجھے قانون کی زنجیر میں الجھاتی نہ پھر۔"

"میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔" وہ بیڑی لڑتی ہوئی۔ "بہ پانی کری پر اسے لگی۔"

"حالانکہ یہ بات آسان ہے۔"

ہماری شادی کو کتنے سال ہوئے شہلا۔

"تیرے سال۔"

حسن تیزی سے اس کی سمت آیا تھا اور ملک نواز کا محبت نامہ اس کے سامنے بلی دیا۔

"یہ اپنی عاشقی کے چند رسالہ کا ذکر کر رہا ہے۔"

"پاگل ہے یہ شخص۔ سنا آپ نے۔ دیوانہ ہے یہ۔"

"ہاں جانتا ہوں یہ دیوانہ ہے۔ تمہارا بزدل صورت۔ تم نے اس کی زندگی بھی مذاہب کی اور میری بھی۔"

"ہوش میں رہ کر بات کیجئے حسن۔" وہ چیخا پڑی۔

"شہلا۔ شادی کو تیرے سال ہوئے۔ منگنی کو چودہ۔"

دو سال کا حساب دو شہلا۔

"نہیرے پاس آپ کی دیکھ باتوں کا کوئی جواب نہیں۔"

"تمہیں معزز بننے کا ایسا ہی شوق تھا تو اسے اس راہ پر کیوں لائی تھیں۔"

"میں آپ کی بیوی ہوں حسن۔ ہوش میں رہ کر بات کیجئے۔"

"تم نے بہت ڈراستہ رچائے کی کوشش کی۔ اپنی نام نہاد عزت کا مجرم رکھنا چاہا۔ بے روح جسم میرے

پر دکر کے تم نے میری مردانگی کا تیرے سال مذاق اڑایا۔"

"آپ کو انسانوں کی پرکھ بالکل نہیں ہے حسن۔ میں نے اپنی عاشقی ناک کر لی۔ لیکن بے سود۔ میں نے

اس گھر کے ہر فرد کو ایست دی۔ اپنی انا مذہب والی۔ آپ کی خاطر بعض اوقات بہت کچھ سن کر بھی چپ رہی۔ اور

اور۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ شہلا تم نے سافٹس مجرم مان بھٹکا ہے۔" حسن کے لہجے میں جھنجھٹ۔

اب نہ ہو گی جی۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں۔" وہ میرا عشق ہے۔ میں نے اسے غلط سمجھا۔ مجھے آپ سے نفرت تھی اس سے محبت تھی۔

ہے۔ میں نے اسے محبت نامہ بھیج کر کوئی غلط کیا۔ اسے اپنے گھر لایا۔ سنا آپ نے۔ میں نے اسے ہمارا گھر لایا۔

حالت اٹھایا۔

حسن رات میں اس کی سمت بڑھا تھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"کوئی حق نہیں ہے آپ کو کہ آپ میرے قریب بھی آئیں۔" حسن نے اسے دیکھا۔ "وہ اپنے آپ میں

نہیں جی۔

میں اسی کی وجہ سے خاموش ہو رہا تھا۔ ورنہ اس خط کے بعد ایک ہفتہ میں اس گھر میں نہ رہتا۔

تھوڑے پاس دو سال کا حساب نہیں۔ میرے پاس جہیں بیوی کی حیثیت میں رکھنے کا جواز نہیں ہے۔"

"کہاں ہے طلاق نامہ۔" وہ پوچھا۔

"میں جہیں طلاق نہیں دوں گا۔ میں جہیں اس کے لیے آزاد نہیں کروں گا۔ جو بیوی ایک بیٹہ نہ

ہو۔ وہ ادارت ہو اسے اپنی راز گز کر زندگی گزارنا چاہیے۔" حسن کے لہجے میں دہشت و سلا کی جھنجھٹ۔

شہلا کو اس کے اوجھ چرے سے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے بھی اس ذات کا توہم بھی نہیں کیا تھا۔ جو شخص تیرے سالوں میں اپنی بیوی کو نہ پہچان سکے اس کے ساتھ

ایک لہجہ ہونا بھی انسان کے اوپر ظلم ہے۔

"اس کے یہ" محبت نامے "مستوروں کی طرح تیرے سر پر سے سر پر ہوتے رہے ہیں۔"

محترم۔ اب نہ ہو گی ہے۔ اور بات کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ تم نے بھی شک آ کر حقیقت سے پردہ

اٹھا دیا ہے۔ میں وہ مرد نہیں ہوں جو محض بیوی کی صورت سکھانے سے بھل جائے۔ مجھے ہر چیز خاص چاہیے۔ جیسا

میں خود ہوں۔ یہ فیصلہ تین ماہ قبل ہو چکا۔ اب اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔

میں جب چاہوں بچوں سے مل سکتا ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلی جاؤ۔"

"تم ایک بے رحم انسان ہو۔" وہ آپ سے تم پر آ گئی تھی۔

"جہیں اپنے اندر سے جذبات میں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ دوسرے لوگوں پر ان فیصلوں کا کیا اثر پڑے

گا۔ کہ ایک بوڑھا باپ۔"

"مت کرو میرے بوڑھے باپ کی فکر۔ اور بند کرو یہ ایلاک۔" وہ جھٹکتے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

یہ بات اس کی نہیں تھی کہ بالی جاتی۔

بہت دور و کریم جان ہو گی تو بچا جان کے پاس چلی آئی تھی۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا۔" ان کی آواز کا پگھلاؤ تھا۔

"انہوں نے ایسا کر دیا ہے بچا جان۔ اب وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

"دماغ خراب ہے اس کا۔ اسے تمہارا تو کبھی جھگڑا بھی نہیں ہوا ہے۔"

"یہ میرا گھر ہے بچا جان۔ ورنہ ان تیرے سالوں میں بہت کچھ ہوا ہے۔"



"شہلا۔ میری بیٹی۔ تو میری سگی بیٹی ہے۔ بھائی کی اولاد دینی اولاد ہوتی ہے۔ تو نے مجھ سے ایک ہاتھ کہا ہوتا۔ دیکھا میری پٹنے رہیں تو سورج بن جاتے ہیں۔" انہوں نے لڑکتا ہوا ہاتھ شہلا کے سر پر رکھا۔ وہ بڑبڑا کر نکلی ان کے گئے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"وہ تجھ سے معافی مانگے گا۔ میں دیکھ لوں گا۔"

"وہ کچھ نہیں کہے گا۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ اور کچھ بات کہوں اب میں ایسا ہوں گی جتنی نہیں۔"

وہ چمک گئی۔

"ہمارے ہاں خاندان ہی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ ہماری سات چستوں میں یہ نہیں ہوا۔ ان ہاتھوں کا ہمارے ہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔" جیسوں نے ہاتھ چاہیے شہلا۔

"بچا جان۔" تیرہ سالوں سے خاندان میں رہی تھی تو کیا کر رہی تھی؟ کہ آپ کو بھی اپنے ہر دکھ سے لاطم رکھا۔ اسے نہایت نہیں کہتے تو پھر کسے کہتے ہیں۔"

"شہلا۔ میری بیٹی۔ ان ہاتھوں کی بڑی فحش ہے ہوتی ہے۔ وہ یہ زیادتی کیوں کر رہا ہے۔ مجھے اندازہ میرے میں نہ رکھو۔"

"بچا جان۔" وہ جھجک کر رک گئی۔ "انہیں میرے مورل کیریکٹر۔" وہ شادی شدہ عورت تھی اور بھارت بھی کڑا تھا۔ اسے کچھ منہ سے نکالنا پڑا۔ وہ پیش میں کھڑے ہو گئے۔

"میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اس کی اتنی ہمت کیسے ہوتی۔ وہ ہے کہاں؟" اس سے پہلے وہ کچھ بھگتی وہ ہاتھ لگ گئے تھے۔ وہ کسی متوقع حادثے کے خیال سے ان کے پیچھے بھاگی۔

وہ اندر کمرے میں پہنچا اور دھڑکے سے دھڑکے گئے۔

"شرم نہیں آئی اسے آپ کو بتاتے ہوئے۔ اس کے لیے بہتر تھا وہ خاموشی سے چلی جاتی۔"

وہ اس گھر سے کبھی نہیں جاتے گی۔ یہ گھر ہی کا ہے۔ جیسوں نے شرم نہیں آتی یہ اہلیات ہاتھیں اس سے منسوب کرتے ہوئے۔ اسے بڑے بچوں کے باپ ہو۔ کوئی کھنڈر ہے۔ لڑکے ہو؟ تم نے اس کی بے عزتی کی ہے۔ وہ ہمارے خاندان کی تمام بچیوں میں مثالی اور لائق احترام ہے۔ اس سے گئی ہر کے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ اور تم۔"

"اسی احترام نے تو اس کی جان بھابھ میں کر گئی ہے۔ وہ کوئی من پسند قدم اٹھانے سے اسی احترام کی وجہ سے تو بھروسہ ہی ہے۔"

"میرا ضبط تیار رہا؟ حسن۔"

"او۔" یہ سراسر سبکیاں بولی کا معاملہ ہے۔ آپ کو تمام باتیں معلوم نہیں۔"

"خوب جانتا ہوں میں۔" بچتا ڈگے۔ یہ اسے صرف اس پر نہیں۔ ہم سب پر لگے گا۔ وہ اس گھر سے نہیں جاتے گی۔"

"کیوں نہیں جاتے گی؟"

"میں کہہ رہا ہوں اس لیے نہیں جاتے گی۔ تم اس وقت جذبات میں اندھے ہو رہے ہو۔ اب یہ طوفان جسے گاہ جب جیسوں احساس ہوگا۔ جیسوں تو اس گھر پر کڑے والے حادثوں کا بھی احساس نہیں۔"

"میں ان حادثوں کا سبب نہیں ہوں۔ آپ لوگوں کے لیے جو مجھ سے ہو گا میں کروں گا۔"

"اگر تم اپنے الفاظ واپس لینے پر آمادہ نہیں۔ تو میں تمہارے ہاتھ سے پانی پیا حرام کہتا ہوں۔" ان کی آواز نے سے کاپ لگی۔

"آپ اس کے سر سے آڑ نہیں ہیں اس لیے مجھ پر زیادتی کر رہے ہیں۔ میں آج تک نہ سے دستوں پر چلا ہوں۔ اب سب کچھ میری ہواشت ہے باہر ہے۔ شوق سے آپ اس گھر میں رہیں۔ میں خود اپنے تمام کمرےوں کا۔"

"بہت شوق ہے۔ جہاں ہنگامہ ہو گا میں اپنے چلے جاؤں۔ غرور کر رہی آ رہی ہے۔"

"آپ حقیقت سے اکت نہیں ہیں اس لیے یہ طرز عمل۔"

"تم اپنی جھینٹوں سمیت یہ گھر چھوڑ دو۔"

"بھرت۔" میں اپنے بچوں سے ملنے آ رہی ہوں گا۔ اسے میری کمزوری یا شکست نہ سمجھا جائے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ میرا معاملہ بددیانت سے ہے بچوں سے نہیں۔"

وہ اندر ہٹا کر سے میں چلی آئی تو نے ہونے قدموں سے۔

اس بچے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"ہا۔" "حسن کی آواز تھی۔"

وہ تیزی سے اندر کمرے میں چلی گئی۔ وہ اندر آ گیا تھا۔

"ہا۔" جیسوں نے ہم پر چارے ہیں۔ گندہ کو ہمارا بیارہ سے دینا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" "ماتے بیٹے پر کھڑے ہو کر باپ کے گھر میں بازو ڈال دیا۔"

"دیکھو بیٹا۔ باتیں پھر لاؤ گے۔" "وہ بڑے گندہ مائی ڈانڈا۔" وہ پھر نہیں تھا۔ شوہر کو دل گھٹنا پڑتا تھا۔

جانتا ہو سکتا ہے۔ باپ کا دل آفتاب ہوتا ہے جس کی روشنی و حرارت ایک ہی ہوتی ہے۔

اس کے ہماری بیٹیوں کی آواز دور ہو گئی تھی۔

ماتے جب اے پاؤں اندر جھانک کر ماں کو روٹے دیکھا تو فوراً اٹھا کھڑا اور دی۔

"ہا ہا ہا۔" اسی روز ہی ہیں۔"

وہ دونوں اندر چلی آئیں۔ ماتے اس کا شانہ چھوا۔

"امی۔" بچا دور گئے ہیں آپ اس لیے روزی ہیں۔" اس کی رو ہانسی صورت دیکھ کر شہلا نے اسے

چلنے سے گایا اور یہی طرح روزی تھی۔

باہر شہلا بارش ہو رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے آٹھ ہاتھ میں مصروف تھا۔ کرفن کی گھنٹی بج گئی تھی۔

فرانی پانی پینے لگا۔ اندر کھڑا اور تیزی سے فون کی سمت آیا تھا۔

"ہیلو۔" او۔" اسلام علیکم۔"

"بالکل خیر ہے۔" شہلا نے غصہ ہے۔ ہمارا ہا ہا ہا۔"

"ہا۔" ہا۔" جیسوں نے نہیں۔ اکڑ سکتا ہوں۔ وقت ضرورت۔ موسم مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔"

موسم انسان کے اندر ہوتے ہیں۔ اول تو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ۔"

"آپ کے فون سے ہی میں کچھ گیا تھا۔ کہ آپ نے بلا ہوا اتنا غریب ہواشت نہیں کیا ہے۔ بلکہ سب ہے

شروع۔ جی۔ ۲۔ اکتوبر میں کیسے آسکتا تھا۔ آپ سے رابطہ تو برابر رکھا تھا۔ میں۔ ۲۔ نام میں خود کو نہیں لکھا۔

”تو کب پہنچا رہے ہو۔“ ۲۔ ”اکٹر باقر کی آواز میں میں ابھری۔

”جلدی ممکن نہیں ہے۔ باقر بھائی اپنا دراصل۔“

”فیک ہے۔ فیک ہے۔ تم نے کام جو رکھنا چاہو مجھے فون کر کے بتا دینے۔ اور ذرا جلدی۔“

”بے فکر ہیں باقر بھائی۔ اور ہاں وہ۔“ وہ جھجک کر دکا۔ مگر گویا ہوا۔ ”وہ کسی ہے؟“

”فیک ہے ملک! اس نے تمہارے لیے قدر تکلیف اٹھائی ہے تمہاری جہت میں کر سکتے۔ بلکہ مجھے تو اس کے بچا جانے کی خبر تھی۔ میں نے تمہارے بچنے کی پیدائش سے پہلے اس کی کئی تصاویر اتاری ہیں کہ تمہاری دیکھو اور اپنی فطرت کا جان لیں۔ اور اگر تازہ نہ ہو۔ شاید وہ جیسے میری بات اچھی نہ لگی ہو۔ اس کا دل دلچسپ تھا تاہم یہ کہ وہ کسی ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ بہر حال ایک خبر یہ بھی ہے کہ اس کا علاج شروع ہو چکا ہے۔ اور ابھی باقی آدھ دنوں پر۔ نام چھپا سارکنا۔ شاید اس کی ماں کو تم کچھ نہ دے سکو۔ کم از کم بچے کا اچھا سا نام ہی دے دو۔ خدا حافظ۔“ فون رکھ دیا گیا۔

”خدا حافظ۔“ باقر بھائی! اپنا نام دے رہا ہوں دونوں کو یہ کیا کم ہے۔ لوگ تو اس نام پر ہر گئے معاذ اللہ سے بھر جاتے ہیں۔“ اس کے کزور گیس نے غور سے سوچا۔

پھر وہ نام کے پتھر میں پڑ گیا۔ اس کی زندگی ہمیشہ سے بے ترتیب تھی۔ کسی پروگرام اور سوچ نے اسے مار نہیں کیا تھا۔ اس نے تصویر بھی نہیں کیا تھا کہ وہ بھی صاحب اولاد ہوگا۔ اس نے تمام واقعات سامنے رکھتے ہوئے بچے کا مستقبل تک جان کر لیا۔ ایک تصویر اتنی مضبوط ہو جان کو سامنے بٹھا کر اس پر نام سنا جانے شروع کیے۔ اگر اسے خیال ہوتا کہ نام کے صحرے سے بھی گزرنا پڑے گا۔ تو بہت پہلے سوچ لیتا۔ وہ خانگی زندگی سے بے بہرہ۔ غافل انسان۔ اسے کیا معلوم تھا۔ میاں بیوی کے درمیان کا مٹھی یہ خوبصورت سی الوی سی مسرت ہوتی ہے۔ جب دونوں فرائض کے ملوک اتار کر سکون کے ستر اوڑھ کر مستقبل کی باتیں کرتے ہیں تو اپنے بچوں کے بڑے خوبصورت نام بھی سوچ ڈالتے ہیں۔

اسے یہ کام تنہا کرنا پڑا تھا۔

آخر میں بچوں کی مائیں مر جاتی ہیں ان کے نام بھی تو ان کے باپ ہی دیکھتے ہوں گے۔ اسے ایک منظر سے نام کی تلاش تھی۔ آخر وہ کامیاب ہوئی گیا۔

صبح جلد بیدار ہو کر معمولات سے منت کر اس نے اطمینان سے پاکستان فون کیا۔ کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر باقر کی آواز بھی تھی۔

جب مخصوص روایتی آداب و سلام سے فارغ ہوئے تو اس نے بڑے اہتمام سے بتایا۔

”میں اس کا نام شہر تجویز کیا ہے۔“

”دیکھو بھئی، میں ادنیٰ لحاظ سے بڑا ادنیٰ قسم کا شخص ہوں۔ یہ کیا نام ہوا۔“ ۲۔

”اس کے معنی ہیں وہ بڑا پر جو پرندے کو اٹھاتی ہے اڑنے کی طاقت اور بہت دیتا ہے اور مخالف ہوا میں استقامت دیتا ہے۔ میرا خیال ہے اسے ان چیزوں کی ضرورت آدھ زندگی میں پیش آسکتی ہے۔“ اس کا لہجہ تھجھکاؤ۔

”گلد۔ بہت اچھا اور منکر نام ہے۔“

”ہوئے! اٹھ کر کل تمہارا سے بچے کا رخصتیت تیار ہو جائے گا۔ ملک شہر ہو گا۔“

”جی۔ آپ نے میری جہ سے بے حد تکلیف اٹھائی۔ اس کا مجھے شہرت سے احساس ہے۔ اس نے سنا لیا۔

”یہ حق میرے سامنے قلب کا اطمینان ہے۔ میں دیکھا ہر چھانے علم و ادب کی کے سب سامنے نہیں ہو کر سکتا۔ مگر جو میرے اختیار میں ہے۔ میں اس سے غم پیش نہیں کر سکتا۔ ملک! ان دنوں نہ است است! آواز میں تھی ہے۔ اور کراہہ مکی۔ برقیہ پر اس کا حق کو بے انتقاد کر رہے ہیں۔ سکون نشے میں نہیں دل کے اطمینان میں ہے۔ دل کے اطمینان سے بچانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ امید کرتا ہوں کہ جلد آنے کی کوشش کرے گا۔ جو باقی رو گیا ہے اسے بھی اچھا ہو گا۔ تم نے بچے کو بڑے طرف کے ساتھ۔ نام اور سب میں شریک کر لیا ہے۔ یہی قدر کا منتہا ہے۔ اور یہی خانگی زندگی کا مقصد۔ تاکہ ہر انسان اپنی واضح شناخت کے ساتھ زندہ رہے۔“

”میری تمام تر کوشش ہے کہ میں وطن جلد پہنچوں۔“

”میں نے تریاکی اور بچے کی تصاویر ارسال کی تھیں۔“

”ابھی تک تو نہیں ملیں۔ آج کل میں شاید مل جائیں۔ اچھا خدا حافظ۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

نام کے مرحلے سے گزر کر اسے سکون سا مل گیا تھا۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے ڈیسک پر گئے اور وہیں پلٹ آیا۔ اور سامنے ہی ایک عمارت کے سادہ سے اپارٹمنٹ کی بلبل بھائی تھی۔

ایک نگار عورت نے پہلے کھڑکی سے باہر جھانکا پھر ملک نوٹ کر دیکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

”لو۔“ مسٹر ملک! ”وہ بڑے بھونکے انداز میں مسکرائی اور اسے جھپٹے کو کہا۔

”جیسے مادام! فیضوں کا نہیں۔ بس یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ میرا کوئی خط تو نہیں آیا جزا۔“ ۲۔

اس کے جواب میں مادام مارنے سے تین لمحات اس کے سامنے ڈال دیے۔

”یہ لفافہ جزا تھا۔“ اس نے انگشتیں میں کہا۔ اور وہ لفافہ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ وہ شہر یاہ ادا کر تیزی سے اپنے اپارٹمنٹ میں آیا تھا۔

تیزی سے پہلے وہی لفافہ چاک کیا جو مادام مارنے سے جزا بتایا تھا۔

کئی تصاویر پھسل کر پیچھے گر پڑیں۔ اس نے جھک کر اٹھائیں اور صوفے پر اتر کر جھاسا لیت گیا۔ بے حد خوبصورت اور صحت مند بچے کی تصویر اس کی آنکھوں کی پوروں میں لرز رہی تھی۔ بچے کی آنکھیں بند تھیں۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا بچے کی آنکھیں نیلی ہیں بالکل غائر گلتا ہے۔ اس نے پر شوق انداز میں بچے کی ایک ایک تصویر دیکھی لیکن اس کی آنکھیں ہر تصویر میں بند تھیں۔ البتہ ٹھوڑی کانگڑا خانیاں تھا۔ ملک نوٹ نے بے اختیار اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی پر پھیرا۔

”گواہی لے لی آئے یار۔“

تریہ کی تصاویر بھی تھیں۔ وہ بہت سادہ دیکھتا رہ گیا۔ گھاس پر پاؤں پھینا کر بیٹھی ہوئی تریہ کی بھاری بھر کم سی گہری تھی۔ ہاتھوں کو پیچھے کر کے گھاس پر بٹھا رکھا تھا۔ یوں جیسے کرتے کرتے تسخیر کر رہی ہو۔ عجیب تھا کہ اس کا سادہ اور قدامت میں سسر اس کے بال سلجھا رہی تھی۔ اور وہ خانگیاں کمرے کی طرف بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

ایک تصویر میں وہ اس قدر حسین و کھائی دی کہ وہ ٹھٹھک سا گیا۔ حالانکہ سرخ لڑھی ہوئی چادر میں اس کا وجود چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنے بچہ بھی سمیٹ کر صوفے میں دھنسا رکھے تھے۔ پورا سراپا سرخ چادر کے دھار میں تھا۔ گواہی



گالی پاؤں اور گالی چرو چار کی حد سے باہر تھے۔ اس کی ہنر آٹھوں نے تصویر کو شہرہ بڑا دیا تھا۔ اس سبب شلف ہار میں اس کا حسن غیر معمولی ہو گیا تھا۔

ایک تصویر کو دیکھ کر اس کی نظریں شہنا کر رہ گئی تھیں۔

وہ کیلے بالوں کے سرواٹا بالائی بالائی میں کھڑی تھی۔ سسٹر قریب بھی اس کے ساتھ تھی۔ اخیر ۱۱ بند کے لٹ کی قہقہے پہنچے ہوئے۔ اس کا سراپا بھاری اور بے ڈول ہو رہا تھا۔ اس نے تصویر میں بار بار دیکھیں۔ اس نے تصویر کو اور بھی قائلین پر پڑی بار بار دیکھیں۔

معا اس کی نظریں قائلین پر پڑی۔ ایک تصویر اور بھی قائلین پر پڑی ہوئی تھی۔

اس کے آگے جھک کر اٹھائی۔ اس میں بڑا کاصرف چہرہ تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ غائب۔

تصویر کے پیچھے آکڑ یا فخری تحریر تھی۔ سب بڑا کوسوت کے پینے آ رہے تھے۔

وہ اندھ کر بیٹھ گیا۔ ایک شہید دکھائی گئی اس کے پورے وجود میں اور ڈھکی تھی۔ اس کے پیچھے مزید لکھا تھا۔

اس تصویر کو سنجال کر رکھنا۔ ہوش میں آنے والی وہ اس کے طور پر۔

”ابھی تک آپ کو مجھ پر شک ہے یا قریبائی۔ کمال ہے۔“ اس نے تصویر میں سائید نیل پر اہل دیں۔ اور کچھ

سے مسکرا دیا۔ باقی دو خطوط اسی طرح بند پڑے تھے۔

احساس شگفتگی اسے دن میں ہزار بار تو چھوڑ کر رکھ دیتا تھا۔

اسے کسی بات کا ٹم نہیں تھا۔ اسے ساری زندگی اسی بات کا تعجب ہوتا تھا کہ آخر مروت کو شک کی نظر سے

کیوں دیکھتا ہے۔ تم تھا تو یہی کہ اس سے کس قدر ایک اہم منسوب کیا گیا۔

کیا مروت اتنی احمق اور اعلیٰ ہوتی ہے کہ اس کے لیے اتنی گری ہوئی بات سوچنا چاہئے۔ آج کی مروت نعیم

بانت اور آگاہ ہے۔ اور بے حد خوددار اور اپنا پرست۔

وہ سوچ ضرور لیتی ہوگی۔ کسی چہرے کے بارے میں۔ لیکن ہڈیوں کی تسکین کے لیے آج کی مروت مرد

کے سامنے گھٹنے جھکنے کے بجائے کسی فیکٹری میں مشین کا پیپر چلانے کو ترجیح دیتی ہے۔

آج کی مروت فیشن روہ ہے لیکن آبرو باندھ نہیں۔ اس نے آگئی حاصل کر لی۔ اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ وہ

کمانے لگی ہے۔ اسے کمانا اور خود پر خرچ کرنا اچھا لگتا ہے کہ طرح بار احسان سے جو مل نہیں ہوتا۔ مروت بھٹی آگاہ ہوئی

ہے۔ اتنی ہی شدت سے پارسا اور مسوز کھلانے کی شوقین ہوتی ہے۔

جہالت کے خلاف میں لپٹی مروت کا ذہن محدود ہوتا ہے۔ اس کی خواہشات ابتدائی زمانے کی خواہشات

سے دور نہیں ہوتیں۔ اس کا ذہن۔ شور۔ آنا۔ مرد۔ اور بچوں سے باہر نہیں آتا۔

یہ خواہشات مستعد اور مہذب مروت میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر مروت اپنا پرست بہت ہو گئی ہے۔ اسے جس

کے تقاضوں سے آنکھیں چرا نا خود کو مشروط دیکھنے کی ضمانت لگتا ہے۔ اس کے لیے یہ احساس ہی باعث افتخار ہے کہ لوگ

اسے مشروط سمجھیں۔ چھی۔ چھی۔ اسے تصور کر کے ہی جھرجھری آگئی۔ وہ تو سمجھتی رہی کہ وہ انتہائی مشروط اور مسوز نظر

آتی ہے۔ کوئی اس سے اتنی گراہٹ کی توقع نہیں کر سکتا۔ شوہر سے بڑھ کر وہ کی کو پر کھنے کی سہولی کون اور سکتا ہے؟

کاش حسن احم پر دیکھ اہم من سے نکالے بغیر راہ لگ کر لیتے۔ کہ میں اب تمہارے سامنے سے بھی ہٹا

جاتی ہوں۔

ہزار بار سوچا ہے۔ لوگ مروتوں پر گھناؤنا الزام کس طرح لگا دیتے ہیں؟ کیا مروت کو وہ لسانی خواہشات کا

باج مانو رکھتے ہیں۔ اس نے نہیں پڑھا تھا۔ مروت مروتوں کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ کی نہ کی ہے اسے احساس

کسری میں دکھانا ہوتے ہیں۔

تم میں کس چیز کی کمی ہے حسن۔ تمہاری شہین آج تک۔ میں ہی تھی جیسی تیرے سال پہلے تھیں۔ مروتی ہمارے

دراپاں مجھے تھکا دیتی تھیں۔ مگر تم۔ میں صحت کر ٹولی ہوئی شاعر کی طرح ہنسنے لگا کر گرا تھیں مروت کی تو تم کہہ رہے تھے۔

کر رہے تھے۔

بہت بڑھ گئی ہو گئی۔ اتنی دیر سے انتظار کر رہا تھا۔

آج اپنے میں تمہاری شہین مجھے بعض اوقات دہل گئی تھیں۔ تم خوبصورت ہو۔ صاحب جانید اور۔

ایک معزز عہد سے یہ فائز ہو۔ میں نے کسی نہ کسی طور اپنی جاہت کا ہزار بار اعتراف کیا۔ تمہیں کیا احساس کسری ہو سکتا

ہے۔ میری کچھ میں نہیں آتا۔

میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے۔ میں آزاد ہوئی۔ پانڈی

کے احساس سے بے نیاز ہو کر اپنے بچوں کو پرورش کروں گی۔ میں ان پودوں کی پرہیزگاروں کی۔ اس بات سے بے

نیاز ہو کر انہیں درخت کی صورت دیکھنا چاہوں گی کہ مجھے ان کا سایہ یا پھل نہیں گئے۔

بچے تو مجھ نے چھوٹے کھلوے ہوئے ہیں۔ ان میں جذب ہو کر ان سے اس طرح کیلینا چاہیے کہ کھیل

کھیل میں کارنامے سرزد ہو جائیں۔ میں فواد سے نہیں اعلیٰ ہوں حسن احم نے تاک کر میری روح پر تار باندھا دیا ہے۔

میں نے اپنا معاملہ خدا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ لوگ جیگر کی بیوی پر انگشت ثانی کر سکتے ہیں۔ میں کیا بیچ ہوں۔

اس نے آنسو پر مجھ کر تھکا ہوا کاج نظام وار اور ب میں لٹکا دیا اور بھٹی تو یہ دیکھ کر چہرے لگی کہ کچھ جان دہرا سے

میں مکر رہے ہیں۔

”اندھا آجائیں بچا جان“

”ہی۔“ اس نے کہنے آیا ہوں کہ بھائی صاحب اور بھائی کو کچھ نہ کچھ بیٹھنا۔ میں ان سے تاحیات نظرت لگا

سکوں گا۔“

”آپ بے غرر ہے بچا جان میں نے انہیں بھی کچھ نہیں۔ کھلا اور ذرا ب کھوں گی۔ انہوں نے مجھے

پرورش کیا تعلیم دلائی۔ آئیڈیل گھر ملے ماحول دیا تاکہ ہم اکتساب کر سکیں۔ اپنی دولت میں بہترین شخص چن کر میری شادی

کی۔ میرا بطن گواہ ہے کہ میرے والدین نے اپنا ہر فرض بہ حسن خوبی ادا کیا۔ اب آگے کے تمام جھگڑے مسائل میری

امداد میں ہیں۔ میں اب مزے ہو چکا ہوں امداد میں ان کی کمر نہیں جھکاؤں گی۔ سب کچھ جھیل لوں گی۔“

انہوں نے آگے بڑھ کر شہلا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

”میری بیٹی اوتھ۔ میں تمہارے میرا اور حوصلے سے طاقت پکڑتا ہوں۔ تم بچی حیثیت سے میرا انتخاب

تھیں۔ تم نے مجھے بچا نہیں کیا۔ میں نے بار بار بھائی صاحب سے کہا ہے کہ آپ نے جس پودے کو پرہیز کرنا چاہا۔ اس

کے پھل میں اور میرا کھار کھا رہا ہے۔ وہ انتہائی احمق ہے۔ تم غم نہ کرو۔ ایک دن تمہارا میرا رنگ لائے گا۔ مجھے صدمہ بھی

ہے اور حیرت بھی۔ حسن سے میں بھی یہ امید نہیں کر سکتا تھا۔ خیر تم غم نہ کرو۔ جو خدا پر توکل کرتے ہیں۔ حالات ان کی

گرفت میں رہے ہیں۔

”بہنو! ابھی بھی گرفت میں ہیں حالات؟“ اس کے ذہن نے استہوا کیا۔

☆☆☆

اس نے ڈاکٹر باقر کے کہنے کے مطابق یہاں انتظامات کرنا شروع کر دیے تھے۔

ڈاکٹر باقر نے لکھا تھا۔ انہوں نے چند ضروری کوائف خود مل کر کے ضروری کاغذات کے ساتھ منسلک کر دیے ہیں اور میڈیکل رپورٹ ان کاغذات کے حوالہ ہے جس کے مطابق وہ بچپن ہی سے وٹنی مریض ہے۔ اس لیے اس کی شناخت کی کوئی سند تیار نہیں ہو سکتی۔

انہوں نے مزید لکھا تھا کہ انہیں اس سلسلے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہ کہ وہ جلد پاکستان پہنچے لیکن وطن واپس پہنچنے سے پہلے وہاں انتظامات کرتا آئے۔

اس لیے کہ اس کی غیر موجودگی میں کام ناقص رہے گا اور اپنے وہ تمام کاغذات جو امریکی اور پاکستانی سفارت خانے سے تصدیق شدہ ہوں۔

انہوں نے ڈاکٹر باقر کے کہنے پر حرف پر حرف عمل کیا تھا۔

ڈاکٹر باقر نے مزید لکھا تھا۔ بچے کے بارے میں وہ خود فیصلہ کرے ساتھ رکھنے کا یا نہیں اور دیکھنے کا جو مناسب سمجھے کرے۔ اور اگر ساتھ ہی رکھے تو آئندہ کی کافی پریشانیوں سے بچ جائے گا۔

”یہ بھی مسئلہ ہے۔“ اس نے سر کھپایا۔

”مسئلہ؟ یہی تو اصل مسئلہ ہے۔“ کوئی اس کے اندر جھانک کر شرارت سے مسکرایا۔ لیکن وہ اصرار میں گزرے آخر کار اس نے ہر مسئلے کا حل نکال ہی لیا۔

بارہا سے خود پر حیرت ہوئی تھی کہ آیا وہی ملک نواز ہے۔ خانہ بدوش۔ بھارہ۔ جو اک جگہ کا جماع کر کے آشیانہ بنا رہا ہے۔

”ملک نواز کتاب بدل گئے تم۔“ وہ قہقہے کے اوپری ہنسنے لگے تھے۔

میں برسوں سے اس اپارٹمنٹ میں تھا ہوں۔ مگر کبھی احساس تنہائی نہیں ہوا اور اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے۔ گھر والے نہیں گئے ہوئے تھے۔ اب واپس آنے والے ہیں۔ وہ غسل کی نیت سے پتھر روم میں کھس گیا۔

ابھی اسے پاکستان جانے کے لیے سیٹ کنفرم کرائی تھی۔ مگر یہ خورشید کو فون کر کے اطلاع دینا تھی۔ اور شاہنگ سٹریٹ جا کر کچھ خرید و فروخت کرنا تھی۔

اس نے جلدی جلدی غسل کیا سب سے پہلے شاہنگ سینٹر کا رخ کیا۔ اپنے کچھ کپڑے وغیرہ لینے تھے اور کچھ روزمرہ کی ضروری چیزیں۔

خوبصورت چستی بچکانہ بیوی سات دیکھ کر وہ آگے بڑھا تھا پھر خود ہی رک گیا تھا۔

”یار۔ کیا معلوم تمہارا سائز کیا ہے۔ اماں اور بابا تو تمہارے پہلو انوں سے ڈرا ہی کچھ کم ہیں۔ اب تمہارا بچا نہیں۔“ اس نے ”وہ ہاؤس“ سے رخ موڑ کر دل میں کہا تھا۔ ”بچا نہیں اسنے سے بچے کو“ کوئیز ”اور کیڈز“

(CANDIES) کھاتا ہے۔

”معاف کرو دینا یا اپنے باپ کو۔۔۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ تمہارے لیے کیا لیا جائے؟“ وہ بیکٹ اٹھا کر

اپنی گاڑی کی سٹ چلا آ رہا تھا۔

خورشید گیت کھولے اس کا پتھر سی تھا۔

آف وہ ہانٹ سوٹ نکالی آنکھوں پر گلاسز چھانے۔ صاحب کو کچھ کس کی خوشی کی حد نہ تھی۔

ملک نواز جیسی کار کیا اور اکرے لگا۔ خورشید نے بہت پتہ سامان اندر کھنڈ شروع کر دیا۔

وہ اندر چلا آیا۔ خورشید نے شاید انتہام سے متعلق کا انتظام کیا تھا۔ اس لیے کہ گھر کچھ زیادہ ہی گرم تھا۔

گیت بھی چمک رہا تھا۔ ٹائپ اس نے خود ہی گیت پر تنگ کیا تھا۔

”کیسے ہو خورشید۔“

”بالکل ٹھیک ہوں صاحب۔“

”ہاں ابھی پنجاب کب جا رہے ہو؟“ اس نے ریت واپس آ کر کارپس پر رکھی۔

”ابھی دورب نواز بھائی نے خط لکھا تھا کہ تمہاری ماں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہے۔“ اس نے خورشید پر

ہنسی کی آنکھ ڈال کر نکالی سے گردن آزاد کی۔

”جی صاحب! خورشید مارے شرم کے دو ہرا ہوا گیا۔

”بھائی نے لکھا تھا جب میں پاکستان پہنچوں تو خورشید کو پورا پنجاب دانا کروں۔

پھر؟“ کب روانہ ہو رہے ہو؟“

”صاحب! ابھی تو نہیں جاؤں گا۔ دن تو گلیں گے۔ اور شادی تو اگلے ماہ ہے ابھی تو نہیں۔“ اس نے

صاحب کے جوئے اٹھا کر وار وار ب کے پچھلے خانے میں رکھنا چاہیے تو ملک نواز نے ٹوک دیا۔

”بھئی! ابھی تو میں نے اتارے ہیں۔ ابھی نہیں ہوا گئے دو۔ اور بیک میں ایک کھالی ہے۔ اب تو میں ہے

اس میں۔“ بس خورشید کو اتنا تاننا ہی کافی تھا۔ اسے معلوم تھا جوتوں میں اندر لوش لگا کر پھر کھانے پر کھنڈ ہیں۔

وہ صاحب کی فطرت سے بے حد مرعوب تھا۔ خود بھی صاحب کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ خاص طور پر

اس وقت جب صاحب کے آنے پر ہفت بھر کے لیے گاؤں جاتا۔ جب ملک نواز اڑھیل م سے تک وطن نہیں آیا تو اس کی

ماں اپنے بھائی کو اس کے متبادل کا کہنے کو بلا لیتی تھی۔ یہ اور بات کہ اس کا دل گاؤں میں نہیں لگتا تھا۔

گھر جا کر صبح شام غسل کرتا۔ صاحب کی بخشش ہوئی خوشبو بات چیز کتا۔ مجال ہے جو بغیر جاکم پاؤں پھرتے تھے

چھانے۔ نہات پتہ نہیں کرتا تھا۔ کہاں یہ خورشید جو راز راز فٹ لگا آتا تھا۔ بالکل پانی کا جانور بن گیا تھا شہر جا کر

”سوٹ کیس کھولو خورشید!“ اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی۔

اس نے دوڑا تو ہو کر۔ بڑی احتیاط سے سوٹ کیس کے لاک میں چابی اٹھائی۔

”صاحب اس کے نمبر تو آپ ہی سیٹ کریں گے۔ لاک تو کھل گیا ہے۔“

”نمبر اس کے سیٹ ہی ہیں۔ دیکھو آٹھ صفری آخر آ رہا ہے۔“

”جی۔“ خورشید نے ہنسنے پٹل کیے اور کھنا کھناک سوٹ کیس کھول کر صاحب کے سامنے کر دیا۔

اوپر ہی سفید اٹارے بیسی وہاں مثال رکھی تھی۔ ملک نواز نے تیزی سے اٹھا کر ایک طرف کر دی۔

”بہت خوبصورت مثال ہے صاحب! لکائی کے لیے لائے ہیں؟“

”ہوں!“ اس نے بے خبری کے انداز میں ہٹا کر ابھرا۔



"بہت پسند آئے گی انہیں۔"

"دیکھو خورشید۔ یہ تمہارے کچھ دوست ہیں۔ ایک میں ٹیپ رکھا ہوا ہے۔ نکال لیں۔ تمہیں کانوں کا بہت شوق ہے ان۔" ملک نواز سے نگاہ کا پیکٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

خورشید کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ ملک نواز پاؤں کے اڑے۔ ہل کر ایک ایک اپر سے۔ لہو نکال کر پیچے رکھتا ہوا۔ خورشید وہ ڈوڈر کب چڑیوں دار رنگ ٹیبل پر رکھتا ہوا ہاتھ۔

"خورشید!"

"جی صاحب!"

"دیکھو کھانا دانہ میں کھا چکا ہوں۔ چائے کافی اس لیے نہیں پیوں گا کہ پھر خورشید اڑ جائے گی۔ اس تھاکو سوؤں گا۔ صبح آٹھ بجے تک اٹھاؤں مجھے ٹھیک؟ میرے کپڑے پر بس کر کے دارا روپ میں لگاؤ بنا۔"

"آپ کلن کریں۔"

وہ ڈار رنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھ کر کچھ سوچ رہا تھا۔

"آپ تو انتظار کر رہے ہوں گے باقر بھائی۔ مگر رات ہو چکی ہے اور پھر۔۔۔ دل کو بھی سنبھالنا ہے۔"

"بات سے بات لگھل چاتی ہے ملک!" ڈاکٹر باقر نے مسکرت لگاؤ۔

"تمہاری خواہش کے مطابق کونسی کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ میں نے مسئلے پر یہی غور کیا ہے کہ مادہ جاتی طور پر مرینر۔۔۔ ذاتی تو ان کو تین گھنٹہ بھی ہے۔ چند ماہ قبل۔۔۔ اس لیے کہ بچے کی پیدائش ایک ذاتی مرینر کے پاس۔ کوئی معمولی واقعہ نہیں پھر عورتیں تو بات بڑھا چکی حاکم پریش کرنے کے مواقع کی منتظر رہتی ہیں۔ اس لیے مجھے جلدی تھی۔ تمہارے آنے کا شدت سے انتظار تھا۔"

"آپ کا بے حد شکریہ باقر بھائی! آپ کے قصاص طرز عمل نے مجھے سکون کی نیندیں دیں۔"

"اور ہاں ملک۔۔۔ اب ہاسٹیل کے مسئلے کو بھی معلوم ہے کہ تم اس ذاتی مرینر کے شوہر ہو۔" ملک نواز نے چونک کر ڈاکٹر باقر کی شکل دیکھی۔ سسر ماں کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ ایک خلیفہ سے احساس نے اسے آگھیرا۔

"بچہ ہم مرینر کے سامنے نہیں لائے ہیں۔"

ڈاکٹر باقر نے برقی قمیٹی کا فن پیش کیا۔ اسی دم ایک ٹھکین سے پیر سے والی نرس نمودار ہوئی۔

سسر رشتہ۔۔۔ اشیہ کی گولس کو کو بچے لے کر آئے۔ شہر کے والد آگئے ہیں۔"

"اوہ!" رشتہ نے پر شوق نگاہوں سے ملک نواز کو دیکھا۔

"بہت کیٹ ہے بے بی سر۔ کوگر بھویشن۔" رشتہ کے انداز میں بے ساختگی تھی۔

"شکریہ!" ملک نواز کو ناچار کھانا چڑا۔

ملک نواز کے اس انداز پر ڈاکٹر باقر کو سسر بہت زیادہ مشکل ہو رہی تھی۔

رشتہ کے جانے کے بعد تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا تھا۔

پانچ سات منٹ بعد ایک اور عورت تیلے کپڑے میں لپٹی ذی روح کو سینے سے لگائے اندر داخل ہوئی۔

اور دونوں کو سلام کیا۔

"میں آندا یہ شہر کے والد ہیں۔ سسر ملک نواز۔"

"بیٹے میں سراسر بہت مل رہے ہیں۔ خاص طور پر بیٹی اور نقوش بالکل سیم ہیں۔" سسر آندے نے باپ سے کی ست بار بار دیکھ کر کہا۔

ڈاکٹر باقر نے اشارہ کیا کہ وہ بچہ ملک نواز کے نزدیک لائے۔

سسر آندے بچے کو اس کے قریب لے آئی۔ بچہ تھکا ہوا صورت اور صحت مند۔ آئینے میں سناٹا تھا۔ ہاتھ پاؤں مہلے گویا کسی کے بازوؤں میں نہ ہو جھولے میں ہو۔ بچے کی آنکھیں نیلی کچی تھیں۔ گوشت سے بھری ہوئی خوبصورت گلاٹیاں۔ پھولے پھولے ہاتھ۔ اس نے بچے کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور اس کے دھار چوم لیے۔ یہ اتنے خوبصورت اور حسین بچہ یہ اتنا صحت مند اور مسکراتا بچہ اس کا بچا تھا۔ اسے یقین کرنے پر اس کی نظریں سیر نہیں ہو رہی تھی۔

"دیکھا ملک! کیا سا تھکا ہوا تھا ہے۔ فکر یہ ضرور یاد کرتے جانا اس کا۔"

گو پاؤں ڈاکٹر باقر نے گفتگو انداز میں بڑا دیا تھا کہ وہ بچے ہی میں گمن نہ ہے۔ بچے کی ماں کو بھی دیکھتا ہے۔

"باقر بھائی! میں اپنے ملازم کو پر سوں تک و جناب بچکا رہا ہوں۔ تم دن بعد میں اسے لے جاؤں گا۔"

اس نے بچہ سسر آندے کی گولس دیکھ کر ہنس دیا۔

"در اصل ملازم میرے اپنے گاؤں کا ہے۔ اس کے سامنے لے کر جاؤں گا تو مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"اوکے۔ جیسے تمہاری مرضی۔"

سسر رشتہ نے کافی کے گک لیے اندر آگئی۔

"تمہارا بیٹا تمہارا نقش ہے ملک! کیوں؟"

جواب اس کا سر جھکا ہوا۔

"تمام کارروائی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ بعض اہم کاغذات کے ہمراہ تمہارے گوالف شملک ہوں گے۔ وہ ہاں تو

مارے انتظامات کرتے ہو ہیں۔"

"جی۔۔۔"

"اچھا ابھی میری دماغیں نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ میرے خیال میں ٹریٹ منٹ اور پین

واٹف میں آخری آڑیہ سال تو لگ جائے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ مانگیں آ رہی۔

اپنے نام کے ایک ہی ہیں۔ اعلیٰ ترین سرجن اور ماہر نفسیات۔ میں نے ان کے ہمراہ ستر سال کام کیا ہے۔ یہاں جو

میرے کام کی دھوم ہے۔ سب انہی کی شاگردی کا نتیجہ ہے۔ وہ کیا چیز ہیں۔ میں ہی جانتا ہوں۔"

"بلاشبہ باقر بھائی! باقر بھائی! مجھے تاحیات اس بات کی شرمندگی کی وجہ نکال لائے۔ ویسے ملک ایک بات

تلاؤ یہ تمہیں شرمندہ رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟" وہ جھینپ کر رہ گیا۔

"کافی خضدی ہو رہی ہے ملک!"

وہ آہستہ قدموں سے اس کے کمرے میں آیا تھا۔

مارقا۔۔۔ بڑے گمن انداز میں تنگ میں مصروف تھی۔ ملک نواز کو دیکھ کر چونک پڑی۔

"گڈ لون۔۔۔ سر۔"

گڈ لون۔۔۔ سسر! وہ بھی مسکرایا۔

"اور سر۔۔۔ اکر گئے لیٹن۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی نظریں سوئی ہوئی تھیں۔

"یہ سوری ہیں؟"

"بس سر۔۔۔ ٹھیک ہے ریٹ پلیز۔" مارٹھا نے کرسی کھسکائی۔

وہ اس سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ مارٹھا شامی قمی کہ یہ بات کیوں پھپھائی گئی کہڑیا اس کی دائف ہے۔

"میں سمجھا تھا ڈاکٹر پاتر نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔"

مارٹھا نے بطور غصہ پوچھا تھا کہ یہ ٹریڈی اس کے ساتھ کب ہوئی؟

وہ مارٹھا کے سوال سے بے چین سا ہو گیا تھا کہڑیا نے کروت بدلی۔ وہ سنبھل گیا کہ بیٹھ کی طرف دیکھیں

مارٹھا کو آپا پکرے گی۔

اس نے چوتھوں سے تڑیا کی سمت دیکھا۔ اس کی جرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ جاگ چکی تھی۔ اور ٹکر ٹکر

نواز کو دیکھ رہی تھی۔

مارٹھا نے ان سلامتیوں سمیت پس اور باہر چلی گئی۔

وہ حذر و ساقا کہ وہ اپنی سے کیا بات کرے۔ انداز سیمائی اسے سمجھ نہیں آئیں گے۔ بخار اسے ہے نہیں کہ وہ

اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مارتے کی خوش خبری سنائے۔ اسے تڑیا کی خاموشی پر جرت ہو رہی تھی۔

لہذا وہ خاموشی سے بیٹھا اپنے جوتے دیکھتا رہا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بیٹے کے پھول تھے۔

"وہ کس نے دیے ہیں؟" اس نے اس کی سمت دیکھ کر مشتاقانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے خود جوڑے ہیں۔" اس نے پھول اٹھا کر ٹاک کے قریب کیے۔

"اچھے لگتے ہیں تمہیں؟"

اس نے گردن ہلا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ تکی لٹا کر مگرے گلے کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ خوبصورت ہال

پہلے ہوئے تھے۔ پھول سوگھتے ہوئے وہ ایک ایسے اٹھائی دے رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے باہر اس کے دو صبا

بازو بے حد کش لگ رہے تھے۔ ٹھیک تو اس نے غصوں کیا وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ تر تازہ اور صحت مند ہے۔ چہرے پر

بھی خوبصورت کی چمک ہے۔

"تم دور کیوں چلے گئے تھے۔ میں روئی تھی۔" وہ اتنی مصومیت سے بولی کہ وہ بے ساختہ اس کے قریب چلا آیا۔

"تم کیوں روئی تھیں؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"بس میں روئی تھی۔ اب دور مت جانا۔" اس نے بے نیازی سے اپنا سر ٹھیک تو اس کے شانے سے ٹکادیا۔ کیا

انداز اپنائیت تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"تمہیں میرا نام معلوم ہے۔ اس کے وجود سے اچھی مہک اس کا دماغ قراپ کرنے لگی۔

"نام۔۔۔ یہ کون ہے۔" وہ عجیب ہوئی۔

"جیسے تمہارا نام تڑیا ہے۔ جس میں تڑیا کہتے ہیں ناں۔" یہ تمہارا نام ہے؟"

"اور تمہیں" سر کہتے ہیں۔ یہ تمہارا نام ہے؟" اس نے بھولپن سے پوچھا۔

"سر۔۔۔" تب جبران ہونے کی باری ٹھیک تو اس کی تھی۔

"وہ تڑیا جس میں سر کہتی ہے ناں۔" اس کا اشارہ مارٹھا کی جانب تھا۔

اس کا "سر" ہوں تمہارا نہیں۔" ٹھیک تو اس نے اسے خود سے الگ کرنا چاہا۔

"میرے کیا ہو مگر۔" اس کا انداز بے نیازی قابل ہے تھا۔

(تمہارا۔۔۔ گنگنا رہوں۔۔۔ غلط کار ہوں۔۔۔ اور۔۔۔)

"اب تو سب کچھ تمہارا ہی ہوں۔" اس نے گھر اسٹس لے کر اس کی مہک اپنے وجود میں بندھ گئی۔

"تم کا نے بھی شقی ہو؟" مارٹھا کو اس کی کیسٹ پیئر پر پڑی۔

"وہ تڑیا (مارٹھا) شقی ہے۔ گانے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مجھے گانہ سنانا۔"

(ابھی سے) "بے دام" (مارٹھا ہی ہو) اس نے اٹھ کر ایک کیسٹ لگا دی۔

ربیع کی آواز ابھری۔

لوت آئی صدا میری گمراہ کے پہاڑوں سے

اجڑی ہوئی دنیا کے سنان کناروں سے

کیا اہلی تیرا تھی۔ کیا سامنے آیا ہے

ٹوٹے ہوئے غراہوں نے ہم کو یہ سکھایا ہے

دل نے جسے پلایا تھا آنکھوں نے گنویا ہے

وہ اس کے شانے سے لگی ہوئی بدستور رہے خبر تھی۔

"تمہیں پسند آ رہی ہے تڑیا۔"

اس نے لٹکی میں سر ہلایا۔ اس کے ذہن میں اچانک خیال آیا۔ اس نے احتیاط سے اسے خود سے جدا کیا اور

تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر ڈاکٹر پاتر کے سامنے تھا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے پاتر بھائی؟"

ڈاکٹر پاتر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب تو وہ مسئلہ ہی تم ہو گیا ہے۔ بچے میرے پاس ہے کیوں نہ ہم اس کے گھر پہنچا دیں۔"

"بہت خوب ٹھیک بہت شاعرانہ آئیڈیا ہے۔ یعنی وقت اور پیر و دنوں کی بچت۔" ٹھیک تو اس کے لہجے

پر چمک اٹھا۔

"میرا مطلب ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ٹھیک تمہارا مطلب۔ مجھے تم سے زیادہ اور تڑیا سے زیادہ بچے سے ہی خبر دی ہے۔

اب سے میں نے امریکہ میں اور یہاں بھی ناں باپ کے موجود ہوتے ہوئے بھی جیم و میریجے دیکھے۔ یقین جانو

ٹھیک امیراتی چاہتا تھا کہ کہیں مجھے یہ شقی القلب والدین مل جائیں تو میں انہیں درندوں کے سامنے ڈال دوں۔" ان کے

لہجے میں اور بھی عمو کر آئی۔

"تمہیں ماسر نے بتایا ہوگا کہ ہمارے والدین بھیجن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ ہمارے حقیقی چچا نے ہم



تینوں بھائیوں کو پرورش کیا۔ ان اپنی بھی اولاد تھی۔ میں دیکھتا تھا اور محسوس کرتا تھا۔ مجھے ان ساتھیوں پر شک آتا تھا جو اپنے والدین کے ذریعہ سایہ پرورش پا رہے تھے۔ جب شعور کی منزل پر قدم رکھا تو دیکھا اس دنیا میں ان بچوں کی بھی کمی نہیں جو والدین کے ہوتے ہوئے بھی یتیم و گریب ہیں۔ میں حیرت سے سوچا کرتا ہوں۔ انسان اتنا بدمعاش کیوں ہو سکتا ہے۔

”باقربھائی! آپ غیر معمولی ذہن رکھتے ہیں۔ یونہی دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ میں ایک معمولی سا انسان ہوں۔ آپ لفظ سمجھ رہے ہیں۔ باقربھائی! میں نے غباروں کی طرح زندگی گزار لی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں یہ شے کیا سکون کا۔ اس لیے آپ ہمہ گیر انداز میں سوچتے ہیں۔ میں ڈھنگ سے اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔“

”ٹھیک! اگر تمہارے بچے کی ماں ہے۔ تمہاری زیادتی کا داغ اپنے وجود پر لگائے ہوئے۔ اب تمہارا اتفاق عین جانا چاہیے۔ اور شاید اس خاندان کا حقیقی فرو کھانے کی حقدار ہوگی ہے۔ خود غور و دیکھو ٹھیک! اگر مجھے رتی برابر بھی شہ ہوتا کہ اس کے ٹھیک ہونے کے امکانات معدوم ہیں تو بھی میں تمہیں یہی مشورہ دیتا کہ عائلی زندگی کا لطف اٹھاؤ۔ یہ دوسری بات کہ مجھ میں تریا سے نہیں کسی اور خاتون سے شادی کرنے کا مشورہ دیتا۔ مگر یہ بتانا ہے۔ تو کیوں نہ حقیقی رشتوں ہی کو یکجا کر کے گھر بنایا جائے۔ یہ شہر کی خوش نصیبی ہوگی کہ وہ اپنے گھر میں۔ اپنے حقیقی والدین کے ذریعہ سایہ پرورش پائے۔“

”باقربھائی! ایک اور مسئلہ کے بارے میں بھی سوچا آپ نے؟“ اس نے ایش ٹرسے میں سرگرمی ملایا۔

”کون سا مسئلہ؟“ ڈاکٹر باقربھائی۔

”ٹھیک ہے شہر کو تو یقین دلایا جاسکے گا کہ تریا اس کی ماں ہے لیکن تریا کو کیسے یاد کر لیا جائے گا کہ شہر اس کا چچا ہے؟“ ٹھیک تو اڑکی آواز دھرم تھی۔

”تو اسے بتایا ہی کیوں پائے کہ وہ بچپن ہی سے چچی مریمزری ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے دوران اس کے ساتھ یہ ٹریڈ میڈ ہو گئی تھی۔ اور کیوں کہ اس کی برین وائٹنگ ہوئی ہے۔ اس لیے وہ پچھلے واقعات یاد نہیں کر سکتی۔“

”آپ کے خیال میں اسے یقین آ جائے گا۔“

”اپنے ارد گرد معالج اور مشینیں دیکھ کر بے اختیار یقین آ جائے گا۔“

”بہنوں نے ریلوے اسٹیشن پر پشٹ سے ٹھیک لگا کر ٹھیک ڈاکٹر کو غور سے دیکھا جو انہیں بے حد رنج کر رہا تھا۔“

”کھان کے بارے میں اسے یہ دلیل دینا۔ کیونکہ وہ تمام پچھلی باتیں بھول چکی ہے۔ اس لیے کھان کی تہذیب کرانی لازمی ہے۔ بس تمہیں اتنی احتیاط کرنا ہوگی کہ سے تمہارا رہنے دیا جائے۔ تمہاری ایک اس کے ساتھ اٹھا ہونی چاہیے اس کی تعلیم میں دلچسپی لیتا۔ تم دیکھنا وہ بالکل مائل ہو جائے گی۔ اگر تم انسانی دماغ کے بارے میں جانتا چاہو اور اس کے مدارق سے واقفیت کرنا چاہو تو مانگیں آدھر تمہیں حیرت انگیز حقائق بتا سکتے ہیں یہ دماغ جو ہے۔ ہاں۔ یہ اسٹرکچرل کھوپڑی میں تیر رہا ہے۔ کھوپڑی کا ایک حقیقی حصہ۔ پانی سے بھرا ہوا ہے اس پانی میں یہ آفت چیز یعنی دماغ تیر رہا ہے اس میں کھوپڑی خلیے کام کرتے ہیں۔ اور خلیے اکٹھے کام نہیں کرتے بلکہ بتدریج کام شروع کرتے ہیں۔ تریا کے خلیے بچپن میں ایک حد تک متحرک ہوئے۔ پھر اسے چل کر گویا دور از دور لاکھ ہو گیا۔ اب طالع دراصل اسی لاکھ دور از دور سے کھولنے کے لیے ہوگا۔ خلیے متحرک کیے جائیں گے۔ اور وہ داخل ہو جائے گی۔ یہ تو میں نے سرسری تمہیں بتایا ہے۔ دماغ ایک قوت اور سب سے زیادہ جاندار شے ہے۔ سر مانگیں آدھر نے اس پر نہایت گہری تحقیق کی ہے۔ تم ان سے کچھ معلوم کرنا چاہو گے۔ تو وہ بھی مکمل سے کام نہیں لیں گے۔ بہت علی جڑ ہیں۔“

ڈاکٹر باقربھائی کے لہجے میں عقیدت چمک رہی تھی۔

ٹھیک تو اڑکھ کھڑا ہوا۔ اسے ہر طرح سے لاجواب کیا گیا تھا۔ اب وہ ڈاکٹر باقربھائی کے گھر گئے۔

جہاں وہاں اس نے گھر بار چلا آیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو اشتیاب انگیز خوشبوؤں نے اس کا دلہانا استقبال کیا۔

”کیا دعوت کی ہے کسی کی۔“ اس نے کچن کے دروازے میں کھڑے ہو کر غور شدہ کوٹھڑی کہا۔

”جی صاحب۔ دعوت ہے۔ آپ کی۔“ اس نے کچن سے ہاتھ صاف کیے۔

”کس خوشی میں؟“ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”آپ بہت بدل گئے ہیں صاحب۔“

”کیا مطلب؟“ وہ پھر حیران ہوا۔

”صاحب اب آپ خوش رہنے لگے ہیں۔“ اس نے اڑتے اڑتے اس کا بٹن اپنی صاحب کا چہرہ دیکھا۔

”اچھا تو کیا پہلے روتا رہتا تھا۔“ وہ اڑتی ہنس پڑا۔

”نہیں صاحب پہلے آپ بہت بے چین اور پریشان نظر آتے تھے۔ ہر وقت۔“

”اے بھئی تم تو کوئی انداز جسم کی چیز ہو۔“ وہ مسکرایا۔ ”ابا کرو کھانا جلدی سے لگاؤ۔“ وہ توجہ ہی گئے ہیں اور

ہاں منور شدہ میں نے تمہارا رنگ منگولیا ہے۔ میرے خیال میں تم پر سول تک چلے جاؤ گے۔ پھر ایک ماہ مکمل تمہارا ہے۔“

”صاحب! آپ کو بہت پریشانی ہو جائے گی۔“

”نہیں۔ نہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مائی تو آتی ہی ہے پھر گورنس بھی ہوگی۔“

”گورنس؟“ ”خوشید حیران ہوا۔ آس پاس کونھوں میں بہت سی گورنس کام کرتی تھیں۔ لیکن اس گھر

میں گورنس کا کیا کام۔“

”ہاں بھئی گورنس۔ عورت ہی ہوتی ہے۔ ہر کام کر سکتی ہے۔“ وہ جھٹک گیا تو خوشید اڑ کر چپ ہو گیا۔ ٹھیک

تو فصل کی نیت سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

”ٹھیک ہی کہتے ہیں باقربھائی! ہر چند کہ اس لڑکی کے پاس اب میری کسی زیادتی کی علامت باقی نہیں لیکن

یہ میرے بچے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ اور یہ بھی درست ہے کہ تریا کی شہلا کے گھر والوں سے زیادہ۔ ان میں ضرورت

اوکی۔ کچن کا کچھ پتا نہیں۔ اگر مجھے شادی کرنا ہی پڑی تو پھر۔ کسی نہ کسی سبب تو بہتر یہی ہے کہ میرے سب بچوں کی ماں

ایک ہی ہو۔ اس قتل کے نتیجے میں ہو سکتا ہے۔ مجھے میرے بیٹے سے معافی مل جائے۔ دوسرا چھوٹا سا بچہ تو نہیں رہے

گا۔ لیکن کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس راہ میں قحط ہے ہم سب کا۔“

”خوشید! یہ سامنے والا کرو صاف کر دینا۔ ضروری فرنیچر شام کو آ جائے گا۔“

”آپ کے کوئی دوست آ رہے ہیں؟“

”اپنے کام سے کام رکھو تم۔“

”یہ کمرہ کچن کر نزدیکی بھی ہے لیکن مناسب رہے گا۔“ وہ جیسے خود سے بولا۔

”اور ہاں شام کو کھانا مت بھانا۔ میں دیر سے آؤں گا۔ مجھے امریکی تو فصل خانے جانا ہے ضروری کام سے۔“

”نہاں! آؤں بھی آئے گا۔ تمہارا رنگ لے کر۔“

"صاحب! وہ جھجک کر روک گیا۔"

"ہوں؟"

"آپ میری شادی میں۔ مطلقاً سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ خورشید اتم بے فکر ہو۔" وہ سیف میں چابی کھمکتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔  
"مگر تم نے شاپنگ وغیرہ کرنا ہو تو کل صبح کر لیتا۔ یہ تو کچھ پیسے ہیں۔" اس نے یکھنٹ اس کی طرف اشارہ کیا۔  
"پیسے ہیں صاحب! وہ شرمناک بولا۔

"رکھ لو بھئی۔ ہماری طرف سے دھن کے لیے کچھ خرید لیتا۔ لوٹے لو بھئی۔" خورشید نے جھجکتے ہوئے پیسے لے لیے۔

"صاحب! آپ آئیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"کوشش پوری کروں گا کہ تمہیں اس خوشی سے محروم نہ رکھوں۔" اس نے کھاناک سے ریل کیس کو لئے ہوئے چلت بھرے انداز میں جواب دیا۔

\*\*\*

وہ چچا جان کے پاس ضروری کام سے آئی تھی۔ دونوں بچیاں اسکول جا چکی تھیں۔ ساحرہ اپنے کمرے میں تھی۔ میرے اوپر بہت سے پیراؤں نے ہیں۔ اس ایک ڈیڑھ سال کے عرصے میں میں نے بہت بڑے بڑے کام اٹھائے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر تمام رکھوں سے نہ ہے۔

تمنا مست ہو حسن! اور نہ میں تمنا بناؤ۔ تمہیں میرے بڑے چاہے پر بھی رحم نہیں آتا۔" چچا جان کی آواز ابھرا گئی تھی۔

"ساحرہ ہماری بہو ہے ہم نے ابھی اسے اس عادت کے بارے میں نہیں بتایا۔ یہی کہا ہے۔ تم ضروری کام سے گئے ہو۔ وہ ہمارے گھر کی بچی ہے۔ اور ہمیں اس کے سامنے ان تمام جھگڑوں کا ذکر کرتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ تاہم باہر سے اٹھا کر کیسے چلیں گے۔ میرا ضبط آزاد مانی ہے۔"

"کیا؟" ٹھیک ہے جب تم میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو پھر تمہارے ساتھ میرا رہنا ہی نہیں تھا۔ تو مجھے اتنا دانا وہ کون سی بات ہے جو تمہاری برداشت سے بڑھ کر ہو گئی ہے۔

تم اپنے مزاج اور زبان دونوں کو قابو میں رکھو۔ عرش بھی قرا لیتا ہے بے بنیاد بہتان طرازی سے۔ تم لڑا کہ رہے ہو۔ میرا اس سے سرو بہو بچا جتنی کارشتہ نہیں باپ بنی کارشتہ ہے۔ یاد رکھو والدین کو وہ اولاد دے کہ عزیز ہوتی ہے۔ جو ان کے سر بلند رکھتی ہے۔ تاہم اعداد ہوتی ہے۔ بعد کا مان بڑھاتی ہے۔ حسن وہ میری بیٹی ہے۔ یاد رکھو تم سے بعد ہے۔" انہوں نے فون رکھ دیا تھا۔ وہ بنا چاہا واپس چلی آئی تھی۔ کاش چچا جان یہ جنگ میں تباہ لاتی۔ آپ شل ہو جائیں گے۔

اس نے کمرے میں آ کر اس حسن کے پورٹریٹ کو دیکھا۔

کاش حسن! آپ نارمل ہوتے۔ اسنے شدید اسنے انتہا پسند نہ ہوتے۔

ایک روز بہنوں کے بارے میں تقریباً مطالعہ کر رہی تھی حسن شیوہ بنا رہا تھا۔ اس نے پڑھا تو بہن میں پیدا ہونے والے لوگ شدید انتہا پسند ہوتے ہیں۔ بطور شوہر وہ تنگ نظر اور حاسد ہوتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی کی طرف

جھگڑتی ہیں اہل اسے تو اس کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

جب اس نے حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"حسن! آج کے تعلیم یافتہ دور میں کون ایسی اعتقاد حرکت کر سکتا ہے۔"

"محترمہ! عاشق صادق ہوتی ہوتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"اگر یہ عشق صادق ہے تو خدا سب کو ایسے عشق سے اپنی بناؤں میں رکھے۔

"میرے ذہن میں یہی کوئی شیطانی حرب ہے کہ عشق کسی عقلی چیز کو اپنی شادی و ملاقات نہیں سے سوچا جاتا ہے۔"

اپنا اپنا خیال ہے۔ یہ تعجب میرے اپنے ذہن سے بہت قریب ہے۔" اس نے توجہ سے چہرہ بڑھاتے ہوئے اسے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

"خدا ذکر ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا۔ جس پر وہ ہنس دیا تھا۔

اس کی آنکھیں پھلک گئی۔

"تمہارے بھائی میری زندگی کو مکملی ہے حسن! کاش تمہیں اندازہ ہوتا لیکن اب میں خود پروردگار کو یاد کروں گی۔ اس لیے کہ تمہارے ہاتھوں نے مجھ پر پھینٹے اڑائے ہیں۔ میں اب کبھی نہیں چاہوں گی کہ تمہارے آلودہ ہاتھ کبھی میرے وجود چھو سکیں۔"

"بھائی! ساحرہ! چاکل سی امداد گئی۔

"ہوں۔"

"کیا بناؤں دوپہر کے لیے۔"

جو تمہاری مرضی ہو۔ بنالو۔ وہ اسی طرح رخ پھیرے کھڑی تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بھائی!؟" وہ سامنے آ گئی۔

"ہاں! کچھ ایسے ہی سر ہماری ساہو رہا ہے۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"جب بھی بھائی جان دور سے پر جاتے ہیں سر ایسے ہی ہماری ہوتا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"کچھ ساحرہ! کچھ عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے۔" وہ ساحرہ کے مذاق پر رونے کو ہو گئی۔

"جائے بناؤں آپ کے لیے۔ آپ ٹیبلٹ لے لیجیے اور کچھ دیر آرام کر لیجیے۔" وہ اتنی سنجیدہ ہو گئی۔ اس کا سنا سنا ہوا سہرا بکھر کر۔

ساحرہ کے گلے کے بعد وہ بستر پر گر گئی۔ دوبارہ سوچوں کے جنگل میں بھٹکے گی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ساحرہ چائے کا کپ تھا سے اندر چلی آئی۔

"یہ لیسن بھائی!؟" اس نے کپ سے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

وہ آہستہ آہستہ چائے کپ کے ٹھونٹ بھر رہی تھی۔

وہ بھائی! میں آپ کے پاس ضروری کام سے آئی تھی۔"

کہو۔"

"وہ بھائی! کچھ دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہو گیا؟" وہ کھوٹے کھوٹے انداز میں پوچھنے لگی۔



"اسی کا توڑ ہے۔" وہ بچھا ہونٹ پا کر مسکرائی تھی۔

شہلا چونک پڑی۔

"ارے تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ مانی کو بتا دیتا تھا۔"

"انہیں۔" ساحرہ نے یوں کہا جیسے بہت اچھے کی بات ہو۔ "انہیں تو میں کبھی نہ بتاؤں۔ بھائی اویسے ہی اچھے لگتے کرتے ہیں۔"

"ارے۔ بہت بے وقوف ہو ساحرہ۔ ابھی۔ ابھی اچھی خبر اس سے چھپا کر ظلم ہے اس پر۔"

"کچھ بھی ہو۔ تم مجھے تو شرم آتی ہے۔" وہ بیہوش کر بولی۔

"یہ تو۔ ابھی بھی شرم آتی ہے؟" وہ مسکرائی۔ جس پر ساحرہ اور بچی کٹ کر رو گئی تھی۔

"آپ نے کیا بھائی جان کو بتا دیا تھا؟" وہ سادگی سے بولی تو شہلا بے ساختہ ہنس دی۔

"اچھا تو اس بھائے تم میرے راز اٹھوا رہی ہو۔"

"دیکھو۔ تم مانی کو اشارہ لکھ دو۔ ویسے بھی ان پر بیٹانوں میں یہ خوشخبری اس کے لیے طاقتور تاکہ ثابت ہوگی۔"

"آپ لکھ دیجیے۔"

شہلا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ارے ساحرہ! حد کر دی ہے تم نے بھی۔ یہ اٹھائیں برس کہاں گواہیے تم نے۔"

وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"حیرے کی بات نہ تازوں۔ اس لیے بتا رہی ہوں تاکہ تم ذرا واضح انداز میں شوہر کو خوشخبری سناؤ۔ دکانی دکان میں مسن ٹرپ پر تھے۔ میں نے اشارہ لکھ دیا تھا کہ آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اور دل بڑے زور سے دھڑکتا ہے۔ وہاں سے فوراً فون آ گیا۔ نصیحتیں کچھ اس طرح تھیں۔"

"تمہارا دھن بڑھ گیا۔ اور تم کھانے میں کبھی زیادہ مقدار میں ڈالتی ہو۔ یہ دل کی شریانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور دل کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اپنا دھن کم کرو۔ صبح و شام ورزش کیا کرو۔ دلی کو دلے سے بھی دھن کم ہو جاتا ہے۔ اگر سب کے سامنے شرم آتی ہے تو بند کمرے میں رہی کو لیا کرو۔" اپنا سر پیٹ کر وہ گئی تھی میں۔ تم ذرا سلیپنے سے لگے دینا۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ وہاں دھن اٹھنے کا مشورہ آ جائے۔"

اس نے کپ سا نڈ بھل پر رکھتے ہوئے بات مکمل کی۔

ساحرہ بے حاشا ہنس رہی تھی۔ جب وہ آئی تھی اس گھر میں شاید پہلی مرتبہ مکمل کرپنس رہی تھی۔ قدرتی فہمی کی جھٹکا سے شہلا کو بھی طمانیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے میں وہ بچی جان کا ذکر کرتا چاہا رہی تھی۔ مگر ساحرہ کا مسرت سے ٹھنڈا چہرہ دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

انہیں کتنی شدید خواہش تھی کہ مانی کے ہنسنے کیلئے بچے دیکھیں۔ آہ جب کاشف پیدا ہوا تھا انہوں نے پائے کی پیشانی پر دم کر کہا تھا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے اس نے من کو پیدا دیا۔ میری تو اب سچی آرزو ہے کہ مانی کے بچے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے دیکھیں۔ ارے اس کی اولاد تو دیکھ لیکن اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہوگی۔ اٹھائیں برس کا ہو گیا ہے شہرے۔"

بیکور میں چٹکا ہے۔ زنگاری بھر کو زبان تالوٹے چٹکتی ہے۔" من کے لچکے میں محبت سی محبت تھی۔

ان کی یاد سے طول کر گئی۔

ساحرہ کھانے کے انتظام کے لیے باہر جا چکی تھی وہ آنکھوں پر ہار لگے مگر کچھ سوچ رہی تھی۔

"اچھا۔ خدا حافظ۔ امان سی سے کہنا پڑتا ہے نہ ہوں۔ جلدی آؤں گا۔"

وہ چلنا ہو چکی تھی کی دردی گردانی کر دیا تھا کہ غور شدہ عافیت کہنے لگیا تھا۔

"صاحب! میں گھر میں ہوں کہ آپ کو بہت پریشانی ہوگی۔"

"میں بھی۔ وہاں امریکہ میں بھی تو سب کام خود ہی کرتا ہوں۔" اس نے غور شدہ کے ہنسنے کو بے حد مسکرائی سے محسوس کیا تھا۔

پھر وہاں تو آپ کی ذرا فرصت نہیں ہوتی ہوگی۔"

"کچھ بھی کیا ہے یا فرصت میں۔ اچھا ہی ہے کہ کام میں مصروف رہا جائے۔"

اش و اش سے برتن صاف کر لیے۔ دیکھ کر کپڑے سے کارپٹ صاف کر لیے۔ ایک دن کے کام ہی کتنا چھٹی والے روز کپڑے اٹھائے۔ باہر مشین میں کتنے ڈالے۔ کپڑے صاف ہو گئے۔

"وہاں مشین باہر لگی ہوتی ہیں۔" وہ حجب ہوا۔

"باہر ہی لگھو۔"

"وہاں سکوں سے کپڑے دھوتے ہیں صاحب؟" غور شدہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بھئی۔ کتنے تو اس فائدے کا معاوضہ ہیں جو ہم مشین سے اٹھاتے ہیں۔ وہاں اکثر کام مشین ہی کرتی ہیں۔ وہاں اتنی فراغت کبھی کوئیں نہ کھڑا کر ایسے کے سکے۔ سی وصول کرتا رہے۔"

حیرت کی کوئی بات نہیں ہے غور شدہ انسانی دماغ بی بی اعلیٰ اور اشرف جڑ ہے۔ آج کے دور میں چست بنانا ہے۔ ست حیران ہوتا ہے۔ حالانکہ دماغ دونوں کے پاس ہے۔ ایک کام لیتا ہے۔ دوسرے کا دل نہیں چاہتا۔ غور شدہ اس طرح سر ہلایا کہ یاسب کچھ لگھ گیا ہو۔

وہ خدا حافظ کہہ کر جیسے ہی نکلا۔ ملک تو اڑنے و اکرنا تو کر رہا تھا کیا کتا ج شام وہ شہر کو لینے آ رہا ہے۔

اور مگر یہ کی امان سے کچھ پہلے وہ اس چھوٹے ہاسٹل میں سسٹر آمت کر رہا تھا۔ چار پانچ ماہ کے شہر کو سسٹر آمت نے نکلیں کے سہارے بٹھا رکھا تھا۔ وہ سسٹر سے بے ترتیب آوازیں نکال کر اپنے ہاتھوں سے کھیل رہا تھا۔

اس نے اپنی لمبی لمبی ٹانگیں اٹھا کر ایک لمبے کو باپ کی طرف دیکھا۔ پھر وہ پارہ اپنے ہاتھوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس بے نیازی پر وہ مر رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اسے اٹھا کر سر سے اوچا کر دیا تھا۔ یہ اور بات کہ بعد میں اپنی اولادت پر غور ہی حیران ہوا تھا۔

"یار آمت تو گھاس ہی نہیں ڈالتے۔" اس نے اسے دو بارہ اچھالا۔

"آپ نے ہی کتنی مرتبہ ہیں سر۔ اتنی امان تو اچھا ہی ہیں۔ اس کے لیے۔" سسٹر آمت مسکرائیں۔

"کتنے دنوں میں جان پہچان ہونے کا امکان ہے؟" وہ سسٹر آمت کی طرف متوجہ ہوا۔

"نیو تو آپ کے رویے پر منحصر ہے۔" انہوں نے بیک میں شہر کا سماں ڈالتے ہوئے شائستگی سے جواب دیا۔ وہ اسے اٹھائے ہوئے سسٹر آمت کے مہراہ باہر نکل آیا تھا۔ سامنے ایک نرس کو آتے دیکھ کر اس نے شہر کو





اس نے لباس تبدیل کرنے کا ارادہ کر کے ڈریسنگ روم کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ شہر کی شہرہ آفاق بھتی آواز کانوں میں پڑی۔

"بھئی! یہ گورنرس تو بہت رلاتی ہے۔" وہ گورنرس سے بدگمان ہوا۔

شہر کے کمرے میں آیا تو وہ ہاتھ پاؤں بچک بچک کر رہ گیا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا آیا۔ پہلے اسے کمرے کے بڑے بڑے مختلف آوازیں نکال کر۔ چٹکیاں بجا کر۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے جھٹک کر بیٹے کو اٹھایا۔

"مت تنگ کر یا۔" وہ منت سے بولا۔

مائی جو سسر آمنہ کے کہنے پر پک کر آئی تھی۔ دونوں باپ بیٹے کو دیکھ کر وہ ایس پلٹ گئی تھی۔ شہر باپ کی گھر میں آ کر بہت رنج چپ ہو گیا۔

"واہ۔" یہ بات ہوئی تھی۔ اس نے جھٹک کر شہر کا رخسار چوما۔

اسے بچہ چپ کرانے کا انوکھا تجربہ ہوا تھا۔

وہ اسے دیکھ کر لگتا تھا وہاں بھر زور زور سے رونے کی تیاری شروع ہوئی۔

"یار ہم تمہارے پاس ہی ہیں۔" اس نے درد از سے کیست دیکھا کہ شاید گورنرس آ رہی ہو۔ اس نے شہر کے رخسار چھونے کا شعوری طور پر اس نے اسے حسین بیٹے کا باپ بننے پر غلط فہمیوں کا کیا تھا۔ شعوری طور پر تو وہ "خیر" نہیں کر سکتا تھا۔

"بچہ پھر چپ ہو گیا تھا۔"

"بھئی تم تو اپنی ماں سے بھی زیادہ پریشان کرنے والی تھے ہو۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"سسر آمنہ" اس نے گورنرس کو آواز دی۔

شہر نے منہ بسور لیا زور زور آواز سن کر۔

"نہ۔ نہ۔ نہ۔" یہ بھی جیسے کچھ نہیں کہہ رہا ہے۔ وہ اسے استقامت کی چیز ہو۔ گو میں آتے ہی چپ۔ ایسے بیٹا بات یہ ہے کہ ہم ہیں ہی محبت کے آدمی۔ نفرت نہیں کرتے کسی سے۔ نفرت دل کو سیاہ چہرے کو گھرو کر دیتی ہے۔ البتہ ایک شخص پر ہمیشہ شک آیا ہے۔ یہ جس کی ذرا صاف ستھری شکل ہے اور وہ واحد شخص تھا اناموں ہی ہے یار۔" گھر و دو عورتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پہلے اسلام آباد گیا۔ وہاں امریکی سفارت خانے سے اہم کادفات کی تصدیق کروا کر۔ وہ صرف ایک دن کے لیے گاؤں پہنچا تھا۔ خورشید کی شادی میں بھی شرکت ضروری تھی اور ماں سے ملاقات بھی اہم۔ کہ جب خورشید گاؤں پہنچا ہو گا تب سے وہ دن گن رہی ہوگی۔

خورشید واقعتاً اسے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح وہ صاحب کے قدموں میں کھڑا جائے۔

اسے جانے کیوں صاحب سے اس قدر محبت تھی؟

حالانکہ اس قدر محبت اور خود غرضی سا انسان۔

جس کا لہجہ آکڑا تھا اور چوتن پر موم نائل ہوتے تھے۔

جو سیدھی سادی بات کا جواب بھی پھاڑ کھانے والے انداز میں دیتا تھا۔

یہ محبت۔ مضطرب۔ لیکن بے پناہ محبت۔

شادی۔ کڑوا۔ لیکن درد مند۔

بے حد پارسا۔ اور بے انتہا ہوا۔

کس قدر عجیب و غریب شخصیت تھی۔ عجیب محبت سے بھرا انسان تھا۔ مگر کون کونسا جادو تھا۔ اور کونسا اسے کس قدر پیارا تھا۔

اس نے بھی صاحب کی ڈانٹ پٹکار پر برا نہیں مانتا تھا۔ اس پر اسے حیرت بھی تو تھی۔ اب جو صاحب کو دیکھا تو خوشی سے پھولا نہ پایا۔

بچہ انتہائی خاطر مدارت کی۔ جس پر وہ دل سے اس کی محبت کی قدر بھی محسوس کر رہا تھا۔ سب ہی لوگوں نے مجھ مجھ سے انسان سے محبت کی ہے۔ کس قدر محبت ملی ہے۔ پھر بھی تنگی ہے کہ "وہ" ان میں شامل نہیں ہے۔

کمرے کے طور پر محبت میں بیٹوں کیسے نہیں دالے چٹک۔ جس پر خوش گمانی بھی ہوئی تھی۔ بیٹا وہ وہاں میں تم تھا۔ پھر خورشید کے گھر کے دکان میں بہت سے لوگ چلے آئے۔ ہر کوئی اپنے اپنے سر ہے۔ مقام اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے مل رہا تھا۔

گاؤں کے لوگ اسے اپنی گمشدہ شے سمجھ کر جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ گاؤں کے بھارتی اور اس کے رشتے کے ماموں نے اسے زور سے بازوؤں میں لے کر سمیٹا۔

"لوئے۔" ٹکڑوں کے آخری تاجدار۔ کہاں کھو جاتا ہے۔ ایک جھٹک دیکھا کر؟

"ایسے قوت نہیں ماموں اچھے۔" وہ مسکرایا۔ "آخری تاجدار میں کہاں ہوں۔ بھائی رب نواز کے وہ بیٹے بھول گئے؟"

"اور تو نے تو اس سلسلے سے نام ہی کٹا لیا۔ اوئے شادی وادی کر لے۔ مگر گواہی تو نے تو۔" وہ محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چٹک پر چٹک سے چٹک پر بیٹا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"نواز یار۔" تو گاؤں چھوڑ چکا ہے۔ رہتا نہیں ہے۔ پھر بھی لوگ تجھے کس قدر محبت سے یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں رہتا ہے۔ انہی محبتوں نے تجھے سر چڑھا دیا ہے۔"

اس نے محبت سے ٹکڑوں کو دیکھا۔ جو اس قدر بیٹل بڑے کے میں بھی سب سے الگ اور منظر و نظر آ رہا تھا۔ تو وہ وقت خورشید کے ہاں گزار کر وہاں کے پاس چلا آیا۔

آتے ہی اس نے ماں کو بتا دیا تھا کہ وہ رات ہی کو واپس چلا جائے گا۔

ماں کو بھی شاید مبرسا آ گیا تھا۔ وہ شاید بیٹے پر پھر رکھتی تھی۔ بیٹھی روٹی رہی۔ لیکن اسے روکا نہیں۔

ماں کی یہ خاموشی۔ اس کا دل بڑا پیکی۔ اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔

"اماں جی۔ بس چند دنوں کی بات اور ہے میں آپ کو خود آ کر امریکہ لے جو جاؤں گا اپنا گھر بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اماں جی۔ پھر آپ میرے گھر میں میرے گھر والوں کے ساتھ رہیں گی تو سب زیادتیوں معاف کر دینا کی میری۔"

"خیرت گھر والے۔" "مکانی ہو تک پڑیں۔"

"آپ ہی تو بھتی ہیں گھر بنا۔ ایک جگہ تک کر بیٹھ۔ کوشش کر رہا ہوں آپ کی بات مان لو۔"

"کون ہے وہ؟" مکانی نے اسی کی چٹکتی چوٹائی پر نظریں جمادیں۔

"ابھی کہاں۔ ابھی تو کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن آپ یقین کریں۔ میں آپ کو ہلدی لینے آؤں گا۔ میں آپ کی طرف سے غافل تو نہیں ہوں۔ بس میری مجبوریوں ہیں۔"

"ہاں جی۔" مجبوریاں تو میری بہت ہیں۔ تجھے کھانے پینے کی بہت گھی ہے۔ ہر گز تیرے پاس نہیں۔" وہ طرہ پر یوں۔

"سارے دکھ کھانے پینے۔ پیسے کے ہی نہیں ہوتے لاش جی۔" اس کا لہجہ بھرتح ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے کیونکر مگر فون کر دیا تھا اپنی وابہی کے بارے میں اس لیے سسڑاؤ نہ اس کا انتظار کر رہی تھی مگر کھولنے کی ذمہ داری چوری کر کے وہ وہاں اپنے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ اس نے پہلے ہی روز انہیں باور کرا دیا تھا کہ وہ رات دس بجے کے بعد کسی قسم کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ کتنی ہی اہم بات کیوں نہ ہو اس کے کمرے میں اس بجے کے بعد آنے سے پرہیز کیا جائے۔

وہ چپ چپا تو ہوا تھا جس کی "چلا کٹی" ہوتی ہے دس بجے کے بعد۔ مگر وہ خاموش ہو رہی تھی۔ کہ یہ صاحب کا حکم تھا۔

ملک نواز کو بھی سسڑاؤ نہ کی یہ بات بہت پسند آئی تھی کہ وہ آنکھوں میں کھوج و تجسس لیے نہیں پھرتی تھی۔ اور ایک بہترین منتظر کا کردار خوش اسلوبی سے ادا کر رہی تھی۔

ملازمت ان کی اہم ضرورت تھی۔ کہ اس دنیا میں وہ بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہا تھیں۔ پہلے بیڑہ جوڑنے کی نیت سے ملازمت کی تھی۔ جب تک بیڑہ تیار ہوا مگر دھوکا دے گئی تک چڑھی بھائیوں سے نجات کا اندر ستھا کہ وہ نرسنگ کر لیں تاکہ ہاش کا مسئلہ بھی نہ ہو اور در بدری کا اندیشہ بھی نہ ہو۔ یہ ان کی قسمت کی مہربانی ہی تھی کہ انہیں ملک نواز جیسا "آقا" مل گیا تھا تو انہوں نے اتنی ہی دل رہی تھی جتنی ڈاکٹر باقر کے ہاسٹل میں ملے ہوئی تھی۔ لیکن اسے کے ساتھ ساتھ انہیں تمام تر گھریلو سہولتیں حاصل تھیں۔ انہیں ملک نواز کے گھر میں چلنے پھرتے بھی اپنے ملازم ہونے کا احساس نہیں ہوا۔ کہ خود تو "سز" گھر میں گم ہی نظر آتے تھے۔ اور وہ جزوقتی ملازمین سے ضروری کام لینے ہوئے خود کوئی گھر کی مالکین تصور کرتی تھیں۔ ابھی بھی گیت کھول کر انہوں نے سلام کیا تھا اور بے ادب سے تک آتے آتے اس کی ضروریات کے بارے میں پوچھا۔ گلی میں جواب پا کر اپنے کمرے میں واپس چلی آئی تھیں۔ ایک نظر کاٹ میں لینے ہوئے شہپر پر ڈالی اور ستر چور ڈھک کر پرسکون سے انداز میں آنکھیں موند لی تھیں۔

صبح کو جب وہ مکان میں کمزری شہپر کے لیے "سیر پلک" تیار کر رہی تھیں تو مانی نے آکر کہا۔

"بی بی! صاحب۔ کہہ رہے ہیں ایک منٹ کے لیے بات سن لیں۔"

وہ اچھا کہہ کر باہر آئیں تو خیال آیا شہپر روئے نہ لگے اس لیے انہوں نے سوچا وہ اسے بھی عمر لے لیں۔ سو انہوں نے پہلے شہپر کو اپنے بازوؤں میں سیٹا پھر ملک نواز کے کمرے کا دروازہ "ٹاک" کیا۔

"ہوں۔" اندر سے آواز آئی۔ گویا اس ہاں میں اجازت تھی۔

"السلام علیکم۔" سسڑاؤ نہ نے حسب توقع دھلے دھلا سے ملک نواز کو کچھ جو آسانی ہاتھ کاؤن میں بال بکھرا لے بیٹھا تھا۔ "گو یا ابھی بھی 'خشل' فرما کر لگے تھے سر۔"

اور اصل ایک ضروری بات گرجی آپ سے۔ بھر پور کیجیے۔"

اس نے قریب قریب کی طرف اشارہ کیا۔ بچے کو اپنی بیٹی اریس میں کھڑی کر لیں کی گود میں بیٹھا چلا جائے۔ بہار تھا۔ اس نے سراجا کر باپ کی طرف دیکھا۔ اور سکر لایا۔

ملک نواز اپنی بات بھول گیا۔

شہپر نے ہلکا سا شروع کر دیا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی گود میں لے لیا۔

"جی سر۔" سسڑاؤ نہ نے ملک نواز کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"ہاں۔" اس نے واصل آپ کو اس لیے بلا دیا ہے کہ آپ سے پوچھوں کیا آپ ہمارے ساتھ ہر گز جا

سکتی ہیں۔؟"

"جی۔" سسڑاؤ نہ کو حیرت سی ہوئی۔

"بات یہ ہے سسڑ۔ بچے کو تو وہاں کورس مل سکتی ہے۔ لیکن مسئلہ جو ہے وہ شہپر کی "جی" کا ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے علاج کے بعد کوئی مستقل ان کے ساتھ رہے۔ جو ہم زبان و ہم وطن ہو۔ دیکھئے ہاں میرے لیے تو یہ مشکل ہو گا کہ میں ان کے عرصہ پر وقت رہوں۔ پھر "ہیلڈ رفرٹس" بھی ہے۔ آپ قانون ہونے کی حیثیت سے ان کیلئے زیادہ مہذب ہیں۔ گی۔ مختصر یہ کہ آپ شہپر اور شہپر کی می دونوں کے کام آ سکتی ہیں۔ ایک وقت اگر آپ کے اپنے مسائل ہوں جن کی بنا پر آپ ہمارے ساتھ نہ جا سکتی ہوں تو بھی کوئی بات نہیں۔ کری لیں گے پھر کوئی نہ کوئی بندوبست۔"

"سر میں۔" تنہا عورت ہوں۔ اگر میں آپ کے کام آسکوں تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

انہوں نے بے تحاشا خوشی چھپا کر لیا۔ (اکثر خواب ٹوٹنے ہیں۔ امریکہ دیکھئے کارمان ہی پر راہو جانے کا) "آپ مجھے آج ہی اپنے کواٹر دے دیں تاکہ انتظام کیا جاسکے۔"

کیوں کہ میری چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں اس لیے میں تڑپا کوئے کر تھو پارک جا رہا ہوں۔ انہیں وہاں اپنے منٹ کر دیا کہ میں چلا جاؤں گا۔ آپ کو اور شہپر کو ہیں رہیو کروں گا۔ بس یہی اہم بات تھی جو آپ سے کرنا تھی۔

لہر کوئی مسئلہ نہیں۔؟ اس نے ہلکے شہپر کو اپنے ہاتھ کے گھیرے میں سمیٹ کر گویا ملازم کے مسائل جانتا ہے۔ "کوئی نہیں سر۔ تو تک ہو۔" وہ منتظر کے جذبات سے مطلوب ہو گئیں۔

"سر۔ ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔" وہ جھجکیں۔

ملک نواز کا دل اندر دھڑکنے لگا۔ (پھر کوئی کھوج۔؟)

"ہاں۔ ہاں۔ پوچھیں۔" اسے کہنا پڑا۔

"سر آپ کہاں امریکہ میں ملازمت کرتے ہیں۔؟"

"ہوں۔" ا۔

"سر! میں نے تو سنا ہے آپ لوگ زمیں دار ہیں۔ گزروں کی اراضی کے مالک۔ پھر آپ کیوں ملازمت کرتے ہیں۔؟" میرے خیال میں تو۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ گزروں کی اراضی کے مالک ہیں ہم۔ بعض اوقات کام صرف پیسے ہی کے شوق میں نہیں کیے جاتے۔ میں آپ کو بتاؤں۔ میں نے ناصر صاحب جو ڈاکٹر صاحب جو ڈاکٹر باقر کے چھوٹے اور حقیقی بھائی ہیں۔ کے ساتھ ایک بڑے سپے معاون مدد کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ناصر صاحب نے اپنے بچے کو لاکھ پور لایا۔ تھوڑا سا کام کیا



جتنی میری گواہی اس سے دو گنا میرے اعتراضات تھے آخر وہ "نہ میں داری" کے یہی مہر ہوں صحت تھے۔

"تو سر آپ نے کیوں ملازمت کی تھی؟"

"میرا شوق۔ صرف شوق۔ شہر وہ اب موسیقی۔ ان ہی چیزوں کے گرد اب تک گھومتی رہی ہے میری زندگی۔

بہت غور کیا ہے ان سب نے فل کر مجھے۔"

اس کے لہجے میں حتمی انداز آئی۔

"اور جو امریکہ میں ملازمت کر رہے ہیں۔ یہ بھی شوق؟" وہ کھڑی ہوتی ہوئی پوچھیں۔

"نہیں۔ یہ مجبوری تھی۔ میں یہاں رہ نہیں سکتا۔ یہاں میری قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔" وہ

جیسے خود سے کہہ رہا تھا۔

اس کی اس غریب کیفیت پر سسز آمنت شہر کو گود میں بھر کر کمرے سے باہر آ گئیں۔

اس نے چچا جان کو اپنے کالج میں تقریر کی خبر سنائی تو دوسرے جگہ سے بکھو سوچتے رہے۔

"کیا سوچ رہے ہیں چچا جان؟" اس نے ان کی خاموشی سے تشویش ہوئی۔

"کچھ نہیں بنی۔" وہ ایک شخص کی سانس بھر کر لے۔

"آپ کو اعتراض تو نہیں؟"

"نہیں۔ مجھے کبھی بھی تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں ہوا۔ تم تو میرا مان ہو۔" ان کے لہجے میں آزار کی

تھی۔ "اچھا ہے تم طوفانِ غمیر نے تک بھل جاؤ۔"

"کتنا یقین ہے آپ کو طوفانِ غمیر نے؟" اس نے حسرت سے سوچا۔

"گاڑی دیکھتے تک چلوگی؟" آج ہی چلو تو بہتر ہے۔ ڈیوری جلد مل جائے گی۔"

"آپ؟ حق اسے پیسے خرچ کر رہے ہیں۔ کون ہے اب گاڑی چلانے والا؟ آپ کو تو ڈاکٹر نے ڈرائیونگ

سے منع کر رکھا ہے۔"

وہ ان کے سامنے سے اعتبار اٹھا کر تہہ کرنے لگی۔

"فی الحال تو ڈرائیور رکھ لیں گے۔ اس دوران تم ڈرائیونگ سیکھ لینا۔ یہ گاڑی تمہارے لیے ہی لے رہا

ہوں۔ بچوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اسکول بس کافی دور اترتی ہے انہیں۔ حسن۔ بیٹے تم نے اپنی بچیوں تک کا خیال

نہیں کیا۔" ان کا لہجہ یو جھل ہو گیا۔

"پاپیس اسٹیشن گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"جانتا رہتا ہوں۔ گلتا ہے۔ تمہاری چچی نے برحق جان دی ہے۔ اب ہمیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کیا اس

دنیا میں۔" ان کی آواز ابھرا گئی۔

"خدا اے کرے چچا جان۔" اس نے ان کا دل رکھنا چاہا۔ "مالا لک نہیں یقین اسے بھی ہو چلا تھا۔"

"ویسے ایس۔ ایچ او سے معلوم ہوا کہ حسن ان سے ملتا رہتا ہے۔ چلو اسے کسی کا تو خیال ہے۔"

اور ہاں ساحرہ کہاں ہے۔ بھی تمام تیاری ہو گئی ہے۔ گت آج کل میں آجائے گا۔ دراصل میں چاہتا ہوں

وہ جلد از جلد مانی کے پاس چلی جائے۔" وہ تو ہنسی سے بولے۔

"ابھی تک مجرم قائم ہے۔ وہ لاعلم ہی رہے تو بہتر ہے اس طرح مانی بھی اس طوفان سے بے خبر رہے گا۔"

ورنہ وہ کچھ شاید یہ کھت جھیل گئے۔ بہت محبت سے اسے تک سب سے اور اس کی وطن آمد سے پہلے گئے تھیں۔

حسن منہ بھل جانے کا۔ بات سن جانے کی بھول تمہاری چچی کے جوشیلا ہے مدد کا۔ تم غور کیا کہ نہ یاد ہو کہ کتنا گھٹیا ہے

اس کا۔ انہوں نے شفقت سے کہا۔

"مئی چچا جان۔ غصہ نہ کیے کی آگ ہو ہے۔ غصہ اٹھ جاتا ہے لیکن "اے تو جنم کی آگ ہوتی ہے جو سدا

دہکتی رہتی ہے۔ آپ کا بیٹا بہت اچھا دست ہے میرا دل نہیں بھٹکا۔ گئے یقین نہیں آتا۔ کسی دلائے کی تھی ہے۔"

"ساحرہ ہے کہاں؟" میں خود ہی اسے بتاؤں۔" وہ اٹھنے لگے۔

"میرے خیال میں وہ کچھ نہیں ہے۔ سمجھتی ہوں۔" دور کی اٹھتی ہوئی دہائی کچھ کی ست پٹی آئی۔

میں قدر رکھنا چاہوں سے گزر کر وہ نیو یارک پہنچا تھا۔ تریا کو ایڈمٹ کرانے کے بعد کو پاس کے سرے سے صوفی

جو جو سرگ گیا تھا۔ ڈاکٹر باقر کے حوالے سے سربا نکلیں آ کر نے اس کا ہتھکڑیاں خیر مقدم کیا تھا۔

انہوں نے چیک اپ کے بعد اسے تاپا کیا وہ اپنے اسی طور پر اپنی انارل نہیں تھی بلکہ بچپن میں اس کے ساتھ

حادثہ بھی ہوا تھا جس کے نتیجے میں اس کے سر پر شدید چوٹ آئی تھی۔ ظاہر ہے وہ لاعلم تھا۔ سب کچھ سن کر وہ خاموش ہی

رہا۔ تانید و تردید سے بے نیاز۔

ابتدائی چیک اپ تک وہ نیو یارک ہی میں رہا اور کچھ نہیں تو سیر و تفریح ہی ہوئی۔ اس نے سوچا یا نہیں۔ دے

ضمیر کی زندگی میں تحت الشری و عرض کا فرق ہوتا ہے شہلا۔ تمہارے حوالے سے ضمیر نے اپنی گرفت حریہ مضبوط کر لی

ہے۔ میں تریا کو نہیں۔ جنہیں منہ کھانے کے۔ قابل نہیں ہوں۔ اب تو خدا امیر اچھا چھوڑ دو۔ ابتدائی چیک اپ کے

بعد حوصلہ خوار پورٹ ملی۔ تو واپس اپنے مرکز پر آ گیا۔

اور شہر کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شہر کی آسودہ اراکین کرانیں اور گھر میں سمائیں۔

بب وہ اپنا تریا کا اور شہر کا گروپ نو فو فریم میں لگا رہا تھا تو کال بلی ناچ اٹھی وہ آسودہ ہیں چھوڑ کر وہ اسے

تک آتا تو سامنے والی ٹیکہ و خانوں سبز مایہ کھڑی تھیں۔ پوری گھسیں نکال کر علاقے سے ہر مسکراہٹ کا مظاہر کیا۔

"مسز ملکہ۔ بہت لیٹ آئے۔ میں انتظار کرتی رہی۔ آپ کی ڈاک منگ ہو گئی تھی۔" انہوں نے کئی گھنٹے

اس کی ست بڑھائے۔

"ٹھیک ہو۔ اندر آ جائیں۔ میں آپ کو اچھی سی کافی چلا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہو۔" وہ دروازے سے ہٹ کر اندر آئے کی دعوت دیتا ہوا ہوا۔

شاید وہ کی اتفاق کا اور انہیں رکھتی تھیں۔ اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"ہاؤ۔ ہوئی غل چاٹلڈ۔" انہوں نے بے ساختہ شہر کی تصویر پر ہمارا کس کیے انہوں نے سز کر اسے پیچے سے

اس کا تعلق پوچھا۔

"میرا بیٹا ہے۔" وہ نظریں چرا کر ہوا۔

"تم شادی شدہ ہو۔"

"مئی۔" اس نے گویا اقرار کر دیا۔

"تو پھر بیوی اور بچہ ساتھ کیا نہیں رکھتے۔" وہ رواں انگریزی میں تانید و تردید سوال کر رہی تھیں۔

"آٹے والے ہیں چند لوں میں۔" اسے دیکھا پھر اس کا شکل اور ہاتھ۔ وہ جلدی سے کافی پائے بگن میں چلا آیا اور اس گھڑی پر ٹام تھا۔ سب سزا پر یہ گوارے اخلاق کے انداز لے کی دعوت دے بیٹھا تھا۔

کافی پینے کے دوران اسے جی پی پی کے بارے میں بہت سی معلومات امام ماریہ کو مہیا کرتے ہیں جو بہت خوش قسمت تھیں کہ سب ملکہ کی موجودگی اس گھر میں رہتی کا سبب ہوئی۔ اور وہ بھی اس اپارٹمنٹ کو اکثر لاکھ دیکھ کر ہرگز نہیں ہوں گی۔ وہ بڑی گھر کی قسم کی خاتون تھیں۔ ان کے شوہر فروٹ کا بڑا کس کرتے تھے۔ بچے کافی بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ جو صبح کے گئے شام کو اسکول سے آتے تھے۔ اور جب چھٹیاں ہوتیں تو عارضی طور پر مختلف کاموں پر چلے جاتے۔

چھٹیاں ہوتے ہی وہاں ٹی وی پر اشتہار شروع ہو جاتے ہیں کہ فارغ ہونے کی فلاں اسٹور فلاں انڈسٹری میں ضرورت ہے۔ اگر وہ چاہیں تو رجوع کر سکتے ہیں۔ گویا آمدنی کا سہری موقع امریکہ کا یہ قاعدہ ملک تو ان کو بے حد پسند آیا تھا کہ چھٹیاں مکمل طور پر چھٹیاں ہوتی تھیں بچے تمام نصاب اسکول کے حوالے کر کے شاد شاد چھٹیوں کے خیال سے گھر میں کھولتے تھے۔ اس دوران ان کا ذہن۔ اسکول۔ ہوم ورک۔ اس قسم کے خیالات سے بالکل آزاد رہتا تھا۔ پھر کچھ اہم کے بچے۔ ان چھٹیوں میں مختلف عارضی ذمہ داریاں نبھا کر اچھے خاصے ڈالرز کما لیتے تھے۔ یا پھر اپنے والدین کے ساتھ مختلف جگہوں پر تفریح کرنے چلے جاتے تھے۔ یہاں چھٹیوں سے مراد چھٹیاں ہی ہوتی تھیں یہ نہیں کہ بچے چھٹیوں میں بھی ہوم ورک کی وجہ سے پریشان۔ صفحے کے صفحے سیاہ کرنے پر لگے ہوئے ہوں امام ماریہ کافی دیر بیٹھی رہی تھیں۔

"میری شادی کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس لیے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"بتا عرصہ آپ نے بتایا یہ بھی کافی ہے۔" سسٹر آمن نے سوئے ہوئے شہر کی بی بیٹائی سے بال بیٹے۔ "ورنہ آج کل تو دوسری مہینے لڑکیاں بچہ کھلانے لگتی ہیں۔"

اتنا حسین بچہ سسٹر آمن کی گود میں دیکھ کر وہ حیران ہی تھی۔ کہ وہ خود تو وہابی بی بیٹائی کی مالک تھیں اور کافی مری نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کے پاس بھی تو یہ" صاحب "بہت لیٹ آئے ہیں۔" اس نے شہر کے چہرے کو پر شوق انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہیے ماشاء اللہ بہت حسین بہت بیکار بچہ ہے۔"

سسٹر آمن قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔ "یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ میں تو اس کی گورنر ہوں۔ اتفاق سے۔ اور جب اس کے ماں باپ فوری طور سے ہیں تو ظاہر ہے یہ کیوں ان سے پیچھے رہتا۔" انہوں نے پیار سے شہر کو دیکھا۔

"تو اس کے والدین کہاں ہیں؟" ساحرہ کو تعجب ہوا۔

"وہ امریکہ میں ہیں انہی کے پاس جا رہے ہیں ہم۔"

"میں یکم بھی نہیں۔" ساحرہ الجھی۔

"اور اصل شہر۔ اس بچے کا نام ہے۔" انہوں نے فوراً وضاحت کی پھر بولیں "شہر کی مری کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے وہ علاقہ کی غرض سے اپنے شوہر کے ساتھ پہلے چلی گئیں۔ کیونکہ انہیں وہاں ایٹم ہوتا تھا۔ میری تیاری مکمل نہیں تھی۔ اور بچہ میرے بغیر نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے ہم اب جا رہے ہیں۔"

اور وہ سچی سچی۔ کیا ہو گیا ہے اس کی مری کو۔ "ساحرہ نے تاسف سے شہر کو دیکھا۔

"زیادہ تو مجھے بھی علم نہیں۔" کچھ ٹی ٹی طور پر انکار مل ہوئی ہیں۔ "؟"

"اف۔" شاید کسی ٹریڈی کی وجہ سے۔ "؟" ساحرہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ظاہر تو کوئی غیر معمولی بات میں نے نہیں دیکھی ان کے پاس۔ اول وہ ہے کے صاحب حیثیت لوگ ہیں۔ زمین دار گھر ہے۔ سسر ملک کی ایک مکمل ٹیٹی ہے۔ وہ خود بھی بہت مہی بہت شاعرانہ ہیں۔ میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جس کی وجہ سے سسر ملک اپنی بیٹی ہو گئی ہوں۔ اب آپ کے والد عالم۔"

انہوں نے ساحرہ کی جانب دیکھتے ہوئے لاطینی کا اظہار کیا۔

"خدا کرے وہ ٹھیک ہو جائیں ورنہ بچے پر برا اثر پڑے گا۔" ساحرہ نے بڑے غصے سے کہا۔

"آمین! اچھو پڑاؤں کے گھروں کو اوروں میں رہنے والوں کے باغی اختلافات سے ہر اہل۔ باخبر ہو جاتا ہے۔ لیکن حالیہ شان گھروں میں رہنے والوں کے باغی اختلاف۔ بالکل کڑے پٹے پر رحر سے باہر آئے ہیں کافی وقت لیے ہیں۔ بعض اوقات تو گھر کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے مسئلے کا دلوں طم ہی نہیں ہو پاتا۔

ہو سکتا ہے۔" یہ "یہ دم اختلاف" کا رزلٹ ہو۔ جو سسر ملک جان پلے بیٹھی ہیں۔ "سسٹر آمن نے جوابی مواد پیش کیا تو ساحرہ نے ان کی اس بات سے اختلاف نہیں کیا۔

پھر وہ اس کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ تب اس نے بتایا۔

وہ ہوشن میں مقیم اپنے شوہر ایمان زید کے پاس جا رہی ہے۔ ایک الوی ہی سرت ساحرہ کے چہرے سے ظاہر تھی۔ وہ اس باغی مسئلہ ماحول سے ہائی پائے پر کافی سکون محسوس کر رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ اس کا سسرال بہت اچھا ہے۔ ساس کا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے اس کی بھتیجی ایک صوبان مورت ہے اگر سسر آمن کو شہرہ ادب سے لگاؤ ہے تو انہیں جان کر شاید خوش ہو کہ اس کی بھتیجی نامور شاعرہ شہلا حسن ہے۔

حقیقی رشتہ۔ سے عروم رہنے والی سسر آمن کی سب سے بڑی دوسرا کرتا ہیں۔ سی رہی تھیں شہلا حسن کے بارے میں انہوں نے کافی پڑھا تھا۔ روایتی عورت و آگاہ عورت کی دست نشانی کی ترجمان اس کی شاعری نے بار بار ان کی آنکھوں میں آنسو بھر دے تھے۔ اگرچہ شہلا حسن کی شاعری کا کئیوں نے حد وسیع تھا لیکن عورت کا وہ غم جو آگاہی کے جڑی روایت سے گلے ملنے کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے اس نے شہلا حسن کو ان کے قلب میں۔ اتار دیا تھا۔ انہیں محسوس ہوا۔ وہ اتنا گہرا اور دردناک کیوں کہتی ہے ساحرہ نے بے نیازی سے بتایا۔

"ہماری بھائی کو خدا کی عطا کردہ تمام نعمتیں حاصل ہیں۔ بہت خوش اور مہن ہیں سب ہی انہیں بے پناہ چاہتے ہیں۔"

سسٹر آمن کو بے حد تعجب ہوا۔ کہ ایک خوش و غم اور پرسکون زندگی گزارنے والی شاعرہ بیڑے کی انی کی طرح چیتے ہوئے شعر کیسے کہہ سکتی ہے۔

"ان کے شوہر کیسے ہیں۔؟" وہ کسی جیسے پہنچنا چاہتی تھیں۔

"بہت اچھے۔ گریس فیل اور سویرے بے انتہا چاہتے ہیں بھائی کو۔"

"جوانی فیل سسٹم ہے آپ کے ہاں۔؟" انہوں نے تصویبات سے پوچھا مبادا سسر ساحرہ ایمان کو دور کے وصول سہانے گتے ہوں۔

"تم۔ ہاں۔ اب تک تو جو اہانت فیل سسٹم ہی تھا۔" تین "کیل" تھے ہم اس گھر میں۔ ساس، بیٹو بھتیجی اور "ہم" ایک کل "تو ٹوٹ گیا یعنی ہماری ساس کا انتقال ہو گیا۔ اور ہم امریکہ میں رہے ہیں۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ



اب تک جو اہانت ہی تھی۔ وہ مسکرائی تو سسڑا منہ نے بھی انگٹھ کارخ سوز دیا۔

"نندیں! غیر بھی ہوں گی۔" انہوں نے غور سے ساحرہ کا چہرہ دیکھا۔ ان کا شاہد تھا آج کل کی شہری شدہ خواتین سانس سے زیادہ نندوں سے پریشان ہوتی ہیں۔

"جی۔" ساحرہ کا چہرہ وہی اثرات دینے لگا۔

"ایک تو شادی شدہ ہیں۔ پنڈی میں راتی ہیں۔ اور ان سے بڑی۔ بلکہ میرے شوہر سے بھی بڑی۔ گزشتہ سال سے لاپتہ ہو گئیں۔ ان کا کافی تو ازل اور دست نہیں قضا میری سانس کا اور اصل ہی ٹم میں انتقال ہوا ہے۔ وہ یہ وعدہ بدداشت نہیں کر سکیں۔"

"اوہ!" اب حنا مسرت ہونے کی باری سسڑا منہ کی تھی۔

اسی وقت شہر نے جاگ کر سسڑا منہ کو پریشان کرنا شروع کیا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئیں اور سلسلہ انگٹھ منقطع ہو گیا۔

یہ اتنا سارا اتفاق انہوں نے کراچی انٹر پورٹ کی انتظار گاہ ہی میں منظر اٹھایا تھا۔

ڈیپارچر لاؤنج سے باہر آ کر سسڑا منہ کو زیادہ پریشان نہیں ہوتا تھا۔ ان کے "مسٹر ملک" منظر کھڑے تھے۔ ساحرہ کا اور ان کا ساتھ ڈیپارچر لاؤنج رک رہا تھا۔ وہ بھی کافی گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی اس کا سامنا بھی مختصر تھا۔ چلے ہی گھبرائیں سے فارغ ہو کر وہ باہر جا چکی تھی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد جب وہ باہر ملک نواد کی گاڑی تک آئیں۔ تو انہوں نے دیکھا وہ بہت پریشان کھڑی ہے۔

"ایک منٹ سہرا!" کہہ کر وہ اس کی جانب بڑھیں۔

"سسڑا مان۔" کیا بات ہے کوئی ریسپو کرے نہیں آیا آپ کو؟

"اور کون آتا انہوں نے ہی آتا تھا۔ چائیں کیا بات ہے کیوں نہیں آئے ابھی تک اتنی لاہور والی تو نہیں بہت سکتے۔ وہ حد وجہ پریشان تھی۔

"انٹرپورٹ تو ہو گا جن آپ کے پاس ٹیکسی سے چلی جائے گا اگر کچھ دیر تک اور نہ آئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں است سے کام لیں۔

ساحرہ کے لیے اس وقت سسڑا منہ کا دم کسی اہانت سے کم نہیں تھا۔

ملک نواد گاڑی میں سامان رکھ چکا تھا اور سسڑا منہ کے پلٹنے کا انتظار کر رہا تھا اسی وقت ایسوسٹ میں ملہاں بائی بڑا پریشان سا آواز کھائی دیا۔

"السلام علیکم!" ساحرہ کے انداز میں غلٹی سی تھی۔

"سواری پار۔" حنا تو بہت پریشانی ہوئی ہوگی۔ وہ کینٹ گاڑی راستے میں خراب ہوگی۔ فٹ نام اچھی تھی حالانکہ۔" وہ شرمندہ ہوا۔

"غیر اپنی ہی اہانت!" اس کے انداز و لہجہ تھے۔ ساحرہ نے اسے سسڑا منہ کی طرف متوجہ کیا۔

"ان کی جب سے میری احاسر بندھی ہوئی تھی۔ بہت اچھی خاتون ہیں۔"

"بہول است جائے گا۔ ہمیں۔" ساحرہ نے شہر کے رخسار چھینٹے۔

"ایک ہی شہر ہے ملنے کے راستے تو وہ تو دلگلی آئیں گے۔" سسڑا منہ نے بھی غلٹوں سے ہو گئیں۔

بائی نے بھی غیر معمولی اور پرکشش سے بچے کے رمارہ سے سانس پھرتے۔

"لوڈی اول جاکلڈ۔" اسے بلومنگ فلاور (Bloomig flower)

وہ چلدی سے ملک نواد کی گاڑی کے پاس پہنچ گئیں۔

"سواری سارا وہ خاتون میری مسٹر ہیں۔ ان کے شوہر لیٹ پیچھے بہت پریشان ہو رہی ہیں۔" انہوں نے چلدی سے وضاحت کی۔

ملک نواد نے تازہ اخبار سے نظر اٹھائی اور اخبار ٹیبل بورڈ کی طرف اچھال دیا۔

"میں سمجھا آپ کی کوئی رشتہ دار یا ہائے والی ہیں۔" (مر کے ڈفرنس کی وجہ سے دوست تو نہیں سمجھ سکتا تھا)

"ہم ایک دوسرے کی وجہ سے طویل سفر کی پوریت سے قفا گئے۔ سر۔"

"یہ تو بے حد اچھا ہوا۔" اس نے گارڈ کا کونڈا اتوں سے ٹوٹی کر جواب دیا پھر بنگ کر گاڑی لگنے لگا۔

"یہ بھی فرسٹ نام امریکہ آئی ہیں۔ اس لیے ڈرائیور ہی ہیں۔"

"ہوں!" ملک نواد نے گاڑی میں چابی کھما کر اسٹارٹ سے "ہوں۔" کہہ کر ساحرہ مافی کا ہاتھ دیا۔ وہ نہ

اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس سارے قصے سے۔

جب تک وہ اپنی ہم سفر کے پاس کھڑی رہیں اور دوسریوں کی تفصیل میں "اترا" رہا شہر تو ٹھیک رہا۔

"سسڑا منہ کو ایک دم یاد آیا کہ ملک نواد نے بیٹے کے لیے کوئی بے ساختگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صرف اس کے

رخسار چھونے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"الحمد للہ۔ بالکل ٹھیک۔" آپ نے یاد کیا تھا سر۔ شہر کو۔" ملک نواد کی آنکھوں کے اثرات پر سیاہ چھلدار

ٹیشوں کے پردے تھے لیکن لب ضرور مسکرا رہے۔

"ظاہر ہے۔ کوئی شک؟ ابھی بیٹا ہے میرا۔ وہ بھی اتنا کیوت۔" اس نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اس

ٹھیک کام کر رہی کر رہا۔ قدرتی رشتے کی اولین اہم کڑی۔ وہ اپنا چھوٹا سا دہانہ پھیلائے مسکرایے جا رہا تھا۔ ملک نواد

نے آنکھوں پر سے گلاسز اتار دیے۔ اب وہ فخر سے بول رہا تھا اپنے بیٹے سے اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور لب بھی۔

"کتھے بچے پہنچا جہاز۔"

"میرے خیال میں ساڑھے سات بج رہے تھے صبح کے۔"

"نہیں۔ سر۔ جب بیٹھے بیٹھے ہوئے تھے تو کوئی انٹر پورٹ آ جاتا۔ بیچ مل جاتی۔ اور میان میں بیٹے

ممالک کے انٹر پورٹ آئے سر۔ وہاں بھی بہت لطف اٹھایا۔ اپنی ہم سفر کی وجہ سے۔"

"گڈ۔" باتوں کے دوران ہنسی نہ پلا۔ وہ پارکسٹ کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

بادام بارہ اپنے "لاسٹ چائلڈ" کو لیے کھڑکی میں کھڑی تھیں۔ ملک نواد کو گاڑی سے اترتے دیکھا پھر سسڑا

آمنہ اور شہر کو دیکھا۔ وہیں کھڑے کھڑے گھسیٹنے لگیں اپنے شوہر کے لیے جو ہاتھ و دم میں گھسے بیٹھا رہے تھے۔

"جانتے ہو ناں؟" سامنے والے پارکسٹ فور کے دھڑلے پاکستانی کو۔ آج اس کے بیوی بیٹے آ گئے ہیں۔

اس کے بیٹے کو تو میں تصور میں بھی دیکھ چکی ہوں اس کی بیوی "ایکڈ" ہے۔ بالکل بے حذرہ "کپل" ہے مجھے یہ کیل دیکھ کر

دیکھ ہو رہا ہے۔ سسڑا منہ کے ساتھ سخت لڑ بھڑی ہوئی۔ جون مجھے اس کی بیوی بالکل پند نہیں آتی۔

جون۔ ایک بکنڈ کے لیے آ کر دیکھو۔ جنہیں بھی دکھ ہوگا۔

مہبت آؤ۔ وہ اندر جا چکے ہیں۔ انہوں نے کسٹری ختم کر دی۔  
حقیقت صرف وہی نہیں ہوتی جو ہم پر گزرتی ہے۔ بلکہ حقیقت وہی ہو سکتی ہے جو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور گزردہ سے پردہ ہوتی ہے۔

جانے کب اس نے اپنی پاکیزہ ہیروئن کو طعنے لگے دی تھیں۔ اب جو نظر سے گزری تو اس میں وہاں کچھ تھا۔ کیا کسی کو یقین آ سکتا ہے کہ یہ سب میرے ساتھ ہوا۔ آج کے دہائی میں میری نگاہ میرے گھر کے اچھ میں ہے۔ "مطلق کرنے والے کتنے حساس تھے۔ اور کس قدر رسوا ہوئے ہیں ملک تو آج اس نے اعتراف کیا۔" کیوں۔ ہوں میں اتنا باخیر۔؟ جو باخیر ہوتے ہیں۔ کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے ان کی زندگی۔ آخر میں ڈاکٹر باقر کے سامنے انکار بھی تو سکتا تھا۔ میں شہلا کے گھر پر یہ مطالبہ کر سکتا تھا۔

"کیوں ہے، میرا چہرہ اتنا سچا۔؟ میں موت کیوں نہیں بول پاتا۔؟" وہ اپنا سامان سمیٹ کر سوٹ کپڑے میں ڈالتے ہوئے خود سے لڑ رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا۔ شہر لا کھڑا ہوا اور وہ اسے میں آ کھڑا ہوا۔ اس نے ابھی کیا پایا چھو سکتا تھا۔

ملک نواز نے بیزار کن اعزاز میں دروازے کی سمت دیکھا واپس ڈالیں میں شہر اپنی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے خون میں دوڑنے بھاگتے لگا۔

باپ کی جانب دیکھ کر الہا نہ مسکرایا تھا۔

انکار پر پوچھنے پڑ گئے والا ڈھنڈے ہو گئے۔ جنم پر دے میں ہو گئی وہ بھی جو اب مسکرایا تو شہر الہا نہ گرا پڑا اس کی انگلیوں سے لپٹ گیا۔

رشتوں کے گزارے اس کا وہ خدشہ ہی پائے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں اٹھالیا۔ غرض ہوا، مہ کام کا شہر اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ پھوٹی سی اگلی اٹھا کر ادھر ادھر اشارے کرتے لگا۔

"یار۔ اتنے بٹے بٹے انسان کے ہاں تم جیسا خوش حواج بیٹا کیسے ہو گیا۔؟ اور یہ تم کیا ادھر اُدھر ملیں گے پھر رہے ہو۔؟ کہاں ہیں وہ تمہاری والدہ و درم؟"

وہ اسے لیے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا۔ شہر بار بار اس کا چہرہ چھو رہا تھا۔ اسے بے حد تعجب ہوا تھا کہ غراب سے غراب موڈ کو یہ بڑبڑھٹ کا انسان کتنی آسانی سے خوشگوار کر دیتا تھا۔ جانے کیوں وہ اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا تھا۔ آفس سے واپسی پر عموماً سسڑا منہ اسے لیے ہوئے منظر کھڑی ہوتی تھیں۔ وہ باپ کی سمت کتنے والہانہ انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ پوری شدت سے محسوس کرتا تھا کہ اس کی اپنی۔ بھائی رب نواز۔ رضیہ کے سامنے رشتے کی لہریں آ رہی ہیں اور ہر کرہائیت کا یقین دلاتی تھیں۔ یا پھر اب شہر اس کے دل پر ہاتھ دھر رہا تھا ہے اسے فوٹی رشتوں کی صداقت معلوم ہو چکی تھی۔

اسے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اس کی۔ اس کے قریب رہنے سے جلد صحت یاب کیوں ہو جاتی تھیں۔ جب بی بی بے رحمی سے انہیں خدا حافظ کہہ رکھ شہر آئے لگا تھا تو ان کی آواز پر آنسو کیوں غالب آ جاتے تھے وہ کیوں پھوٹ پھوٹ کر رو یا کرتی تھیں۔

فصلاً اور اپنی اس کے اس قدر لڑکیوں اٹھاتے تھے۔؟

قدرت کے یہ انداز کتنے فطری اور فطنتی ہیں۔ تعلق کی کڑیاں روحوں سے جڑی رہتی ہیں۔

"سب سے بڑی گنہگار تم ہو شہلا۔" وہ دم الجھا ذات کو ضروری سمجھتی۔ نہ میں تمہیں جاننے نہ تمہاری آرزو کے گمراہی کے انکار سے چٹا۔ نہ سکون کے لیے۔ "بیٹا۔ اور نہ سب کچھ سمجھتا ہے۔ تو نہ کبھی ڈپٹی نہیں میرے ساتھ دم میں تمہیں آئیں۔" وہ ابلی۔ "خوشگوار۔" انکار کئے ہوئے تھا۔ "ہوں۔" "کوئی اس کے وجود کے اندر مسکرایا۔"

"یہ جو تم نے اپنے آپ پر اتنے پورے اٹھائے ہوئے تھے یہ اسی کارنامہ ہے۔ جو قدرت کی لٹی کر رہا ہے پھر قدرت انہما اس سے اپنا آپ نوائی ہے پھر قہر مار کر رشتی ہے پھر بھتی ہے۔ ان کوں۔؟ تو۔؟" "ہیں۔؟"

"تم نے اتھارو اس کا حق نہیں دیا۔ وہ انکاروں کوٹ کر خالی ہاتھ چلی گئی۔

"کس کے لیے تم اپنا وجود بچا بچا کر رکھ رہے تھے۔؟" شہلا نے کہا تھا۔ "تم اسے یقین دلانا چاہتے تھے کہ تم اپنے مطلق میں رہتے ہو کہ ہر امتحان سے سرفراز آئے ہو۔؟"

فطرت سے مزہ موزا چل رہے تھے۔ دل دکھا رہے تھے۔ قدرت کب تک صاف کرتی۔ اس پر تہ ذریعہ

کہ باخیر ہو۔ اپنے کیسے کی سزا پار ہے ہو۔ محسوس اس لیے کر رہے ہو کہ قدرت چاہتی ہے کہ محسوس کر۔ اور چاہو کہ خدا آگیا ہو۔

قدرت وہ نہیں جو "دکھا" دکھا ہے۔ قدرت وہ ہے جو کوشش کے بعد ملتا ہے۔ حرکت کے بعد مسر آتا ہے۔

کیسے کاچل قدرت ہوتا ہے مسٹر ملک نواز۔ یہ تمہاری قدرت ہے۔

مت جلو۔ کڑمو۔ یا تو کچھ کھا کر مر جاؤ۔ یا پھر جیل او۔

وہ شہر کو گود سے اتار چکا تھا۔

سسڑا منہ اس کے لیے کافی بنا کر لائی تھیں۔

"تو سسڑا منہ آپ کے سر اوڑھوں گی۔؟"

"دعا کیجیے۔"

"میری تول سے دعا ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ کتنی روہنی ہو جائے گی اس گھر میں۔"

اس نے دھڑکتے دل سے اس کے جسم کی حرکت محسوس کی تھی۔

تمام ہلاتوں سے حیرن دم میں اس وقت اس کے ہر اوصاف مانگیل آ کر رہتے۔ وہ جاگ بگی تھی۔ پاپیل کے ساتھ آرام و یکروز میں بلیوں ایک نئی ڈیپا سامنے تھی۔ گم صم۔ اور سوہنی ہوئی۔ شعور کی قوت سے محسوس کرنے والی ٹیپ۔ اس نے ملک نواز کی سمت دیکھ کر نظریں مانگیل آ کر رہی طرف موڑ لی تھیں۔

ڈاکٹر مانگیل آ کر رہے اسے کہا کہ وہ اس سے کچھ باتیں کرے۔ اور جب تک وہ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتی اس کے پاس رہے اس لیے کہ وہ اشاروں سے باتیں کر کر کے پہلے سے ڈیپا وہ پاؤں ہو جائے گی۔ سب سے بڑی فریبی تھی اس کے ساتھ بی بی کے وہ زبان نہیں سمجھتی۔ برین واشک ہو چکی ہے اس کے لیے ایک ڈاکٹر و ماہر نفسیات کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان تمام باتوں سے تو ملک نواز لاعلم نہیں تھا اس نے نوازش ظاہری کر ڈاکٹر کو بھی یہاں بلا لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر بے بسی بھی کمرے میں تشریف لے آئے۔

ہم وطن و ہم زبان کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ تین ماہ بیشتر جب ملک نواز نے پھر لگا یا تھا تو طلاق سمجھی سے



اور ہاتھ۔ اور اسے بتایا گیا تھا کہ وہ جن ماہ بعد آکر ملے۔ کیونکہ وہ بتا چکا تھا کہ وہ جلد جلد آکر ملے۔ اسے سے قاصر ہے۔  
 ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ ایک جانب ہے۔

"جی آدرانت گڈ لائیڈ۔" ڈاکٹر مائیکل نے اس کا سر چھو دیا۔

"تم کو بھوک تو نہیں لگ رہی۔" ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کا ہاتھ تمام کر شفقت سے چا چھا۔

ٹریا نے لٹی میں سر ہلایا۔

"نیند آئی تھی ابھی سی۔"

اس نے اٹھتے میں سر ہلایا۔

"انہیں جانتی ہو۔" انہوں نے ملک نو از کی جانب اشارہ کیا۔

ٹریا نے ایک نظر ملک نو از کو دیکھا پھر ڈاکٹر نے بتایا کہ اسے چار کی سے دیکھنے تھی۔

"یہ اس دنیا میں تمہارے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔ جسک سمجھیں۔ یہ تمہارے بہت قریبی دوست دار ہیں۔" انہوں نے جملہ آسان فہم کیا۔

"اگر تمہارا علاج کرائے میں اتنی دلچسپی نہ لینے تو تم۔ جب تم باہر نکل کر دیکھو گی تو پتا چلے گا کہ جتنی سربیس کسی زندگی گزارتے ہیں۔ اور وہ ایسی زندگی گزارنے پر اس لیے مجبور ہیں کہ ان کے پاس یا ان کے لواحقین کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ وہ اتنا ہنگامہ علاج کرائیں۔

ٹریا۔ جسیں مسٹر ملک کے بارے میں وہ بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے۔ ان کا تم سے کیا رشتہ ہے۔ تم کسی طرح بیمار ہو گئی تھیں۔ کس طرح ٹھیک ہو گئیں۔ یاد آیا۔؟ یہ وہی مسٹر ملک ہیں۔ انہیں اپنی آواز سنا۔ تاکہ وہ بھی سانس کی ترقی کا نمونہ دیکھیں۔ یولو۔ شاپاش۔ سلام کیسے کرتے ہیں۔؟ سلام کرو انہیں بتایا تھا ناں۔؟ شاپاش۔"

ٹریا نے ملک نو از کی سمت دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"السلام۔ مولیکم۔"

"جواب دیں مسٹر ملک۔" ڈاکٹر نے بتایا کہ اس نے ٹریا کا بار۔

"مولیکم السلام۔ اوہ گزیرا اگر جلدی سے بولا۔

"کوئی بات کرو ان سے۔ شاپاش۔"

ٹریا نے ملک نو از کی سمت دیکھا۔

"نیند جاگئے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ویل۔" دونوں ڈاکٹر نے اظہار مسرت کیا۔

"مسٹر ملک آپ ٹریا کو اپنے اور ٹریا کے بارے میں بتا دیے۔ آئی میں۔ رٹیشز۔ انگ۔ یو۔" ڈاکٹر نے بتایا کہ اس نے ٹریا کو اپنے اور ٹریا کے بارے میں بتا دیے۔ آئی میں۔ رٹیشز۔ انگ۔ یو۔

مائیکل آخرا ہر چلے گئے۔ "ٹریا آپ میری کزن اور میری بہن ہیں۔ آپ سے مجھے ایک بڑا پیارا سا بیٹا ملا ہے۔ بچہ کی پیدائش کے دوران آپ کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ اسی دوران ہمارا بیٹا ہوا۔ جب سے آپ زیر علاج ہیں۔"

ڈاکٹر باقر کے کہے بلکہ سکھائے الفاظ اس کے ہونٹوں سے پھسل پڑے۔ ٹریا کے چہرے پر سخت اطمینان کے آثار تھے۔

پھر ملک نو از نے اسے سمجھایا کہ اس علاج کے دوران اس کی بہن وانگ بھی کی گئی وہ انہی کے بارے میں

سوچنے سے قاصر رہے گی۔ کیونکہ پہلے تمام واقعات اس کے لیے گئے ہیں۔ ٹریا نے ایک جگہ سے نہ ہوا تھا۔  
 ہیں بار بار نظر میں آتا کہ ملک نو از کی سمت دیکھتی رہی تھی۔

مسٹر ملک نو از کو اپنی ٹیبلٹی کا احساس ہوا۔ اسے یاد آ کر یہاں کی کونسی معلوم کر ڈیٹا نے ایک صحت مند ہے  
 لاہم دیا ہے۔ تمام ڈاکٹرس میں سکھ کر رہے کہ وہ کچھ نہیں ہی سے ڈیٹا میں ہے۔

اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس کی بہن کی بہن ہے۔

اس نے ٹریا کی سمت دیکھا پھر اس کے نزدیک چلا آیا۔

"جو تھیں میں نے تمہیں بتائی ہیں۔ وہ کسی کے سامنے مت دہرائو۔" وہ آپ سے ایک دم بھر مبرا آ گیا  
 تھا کہ پرائی وائی تھا۔

ٹریا نے بنور ملک نو از کی سمت دیکھا۔ یہ ٹیبلٹی۔ بھوری آنکھوں والے انگریز ڈاکٹر۔ جن کی ہانسی میں جلد میں  
 کوئی جائزیت نہیں تھی۔

پھر ڈاکٹر نے بتایا کہ اس نے ملک نو از کی جیسے نصف سمجھے ڈاکٹر ان کے مقابلے میں اس کا یہ کہنے دار یا شہرہ رکھتا ہے  
 کشش تھا۔ کتنا مکمل سا۔ اس کا ذہن بھر رہا تھا۔ جس لطیف پوری ملاقات سے کام آ کر رہی تھی۔ اسے ایسا  
 محسوس ہوا تھا کہ وہ سو کر جاگی ہے۔ سوئی کب تھی؟ یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

بھونے کو زائد یہ کہ اس نے تمام حیات بھر رہا تھا۔ پھر ڈاکٹر نے بتایا کہ اس نے تمام حیات بھر رہا تھا۔  
 بھی مال ڈیٹا میں رہیوں گا ہے۔ تھوڑی سی کے عمل کے بعد ان کے تمام اعمال و افعال خود بخود چلنے سے ہم آہنگ ہونے  
 لگتے ہیں۔

اسے ملک نو از پر نوٹ کر پیش آ گیا تھا۔ کہ اس کی وہ جس بھی تیزی سے کام کر رہی تھی جو رہی اور غیر رہی  
 تعلقات کا فرق بتاتی ہے۔

اور ملک نو از باتیں کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ حالت خیر میں تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی ڈیٹا میں  
 کو صحت مند حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ انہیں پاگل خانوں میں سر رہی کرتے دیکھا تھا۔

پھر نفسیاتی کلینک میں اسپتال میں لوہا جن کا صبر آزمائے ہوئے ڈاکٹر باقر کے الفاظ یاد آئے۔

"یہ وہ پاگل نہیں ہے جو نچر کے جاتے ہیں۔ صرف ڈیٹا میں ہے۔ بلکہ کچھ کی خاطر ٹریٹ منٹ نے اسے  
 اور نقصان پہنچایا۔ انہوں نے کہا تھا اصل چیز تشخیص ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح کہ لیور دیکھنے کی جگہ معلوم ہو جائے تو تو  
 زمین اٹھا کر رکھی جائے۔" پھر اس نے سوچا۔

"حیرت تو نہیں کرتا چاہیے مجھے پھر سائنس کا کمال ہی کیا۔ کہ بتلی لینڈنگ کرنے والے عیار سے کو بائیں  
 ہاتھ کا مکمل کچھ کر لیک کر دیں۔ اور ایک "انسان" کو کھو کر بن کھاتے دیکھتے رہیں اور اس کا علاج نہ سوچ سکیں۔ چاند کے  
 گزروں میں اچھی طرح جھانک آئیں سرخ پر ہوا کے سرخ لگا آئیں اور ایک انسانی دماغ کو کون کچھ پائیں۔ یہی تو اصل  
 سائنس ترقی ہے۔"

وہ ٹریا سے بلکے بلکے سوالات کرنے لگا۔

جن سے اکثر کے جواب اس نے نہیں دیے۔

جب شہر سو جاتا تھا تو سسٹر آمنہ کو بونے گھر میں دھشت سی ہونے لگتی تھی بعض اوقات وہ کام پاک لے کر

جتنے جاتیں یا کمزری کے نزدیک کری رکھ کے لیے جھانکے دوڑے ٹریک پر نظر میں بنادیتیں۔

آج بھی جب شہر سو گیا تو وہ خاموشی سے گھبراہٹ گئیں۔ لیکن میں جا کر مٹائی کرنے لگیں پھر تھوڑی سی فیری کی گاڑی کو فریج میں رکھی۔ جب بھی طبیعت کسی طور نہ بدلتی تو وہاں بیڑہ مڑی حالت کا اندازہ کر لے پٹی آئیں۔ سر کا بیڑہ دم درست کیا۔ خواہ مخواہ ہی اچھی پہلی بیڑہ تھی کہ زوالی۔ جب سائیکل فیل پر جھانک پھیرنے لگیں تو درمیان سائیکل کے زوالان وازی پر نظر پڑی جو کھلی ہوئی تھی لیکن لٹ کر رکھی ہوئی تھی کوئی اچانک لگتے لگتے کسی ضروری کام سے اٹھ کر گیا ہو۔ وہ فطر تا مہذب اور با اصول تھیں۔ انہوں نے کبھی کسی وازی پر نہ ہٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب ابھی ان کا ارادہ نہیں تھا کہ وہ یہ اخلاقی جرم کریں۔ لیکن جب انہوں نے وازی سیدھی کی تو چند روپے ہائی تاریخ کے لیے ہٹا کر لکھے ہوئے تھے جو انہوں نے پڑھا لے۔

امید ہے سٹیشن فم کس سے کیجیے ہمارے  
جو اپنے دل پر گزرتی ہے کوئی کیا جانے  
قوت فم ہے جو اس طرح سنہالے ہے مجھے  
وہ نہ نکھروں کسی لمحے تو سنہا مشکل  
اے عشق کہیں لے جاں اس پاپ کی ہستی سے  
نظر کا عالم سے لعنت کا جو ہستی سے  
اے عشق کہیں لے جاں۔  
اے عشق۔

اوپر سے خدا۔ میرا خیال غلط لگا سڑک۔ سڑک۔ آپ کو اتنی شدت سے جانتے ہیں۔ پھر آپ کو کون سا فم اس حالت کو پہنچا گیا۔ سڑک آجائیں تو۔ میں انہیں ضرور بتاؤں گی کہ آپ اس دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہیں۔ جس کی سب عمر میں شادی ہوئی تھی۔ ایک شاندار شخصیت کا حامل شوہر ملا۔ اعلیٰ حسب نسب کا حامل اور صاحب حیثیت ایک انتہائی حسین بیٹا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اس قدر شدت سے چاہنے والا شوہر کہیں اتنی سادی خوش نصیبوں نے تو آپ کے ہوش نہیں اڑا دیے۔ سڑک میں شدت سے آپ کی منتظر ہوں۔

باہنٹل جانے سے پہلے۔ اس نے رسلک کا ٹکٹ خرید لیا تھا۔ نیو یارک میں آکر "اس" نے عہدہ رہا جانا اسے گوارا نہیں تھا۔ دوسرے۔ وہ وٹریا کے تصور سے بچنا چاہتا تھا اس کی کھوجی خاموشی اور مظلومی نظریں اس کے اعصاب توڑ چھوڑ دیتی تھیں۔ وہ تھوڑی تفریح کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پاکستان میں دیکھا تھا کہ لوگ رسلک کی ریٹارڈنگ دیکھ کر ہی پھوٹے نہیں مارتے۔ مونا پاکستان میں نیو یارک میں منہ قدر رسلک کی ریٹارڈنگ دکھائی جاتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ فریش اور لاغیر رسلک مقابلہ کیجئے کالٹ ہی کچھ اور ہے۔

اس کا خیال تھا خدا نے اسے بے حساب مال و دولت سے نوازا کہ شخصیت کو نیلین اور زعمہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ اسے روک جو اس کی جان پر لگے ہیں ان میں اگر معاشی گنگی بھی شامل ہو جاتی تو شاید پھر وہ ٹوٹتی کر لیا۔ معاشی آسودگی بھی بہت سی پریشانیوں کا علاج بن جاتی ہے۔

اس نے اپنا گراہی کا ایک فلیٹ بیچ کر اور اپنی بہت لاکر حال ہی میں ایک پاکستانی تاجر کیساتھ مل کر اس کے

بہنٹل میں شہر کرنے سے اسے پائے نہیں میں بھی معاشی انتظام حاصل ہو گیا تھا۔

ویسے تو "پرنس اپیل مشنری" کے ایک اہم ممبر چارکی حیثیت سے بھی اس کی معاشی حالات میں بہت فاضل تھے۔ ہمارے صاحب اسے "پرنس" کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آل روڈز بھی مشہور تھا۔ انکم۔ کام کے بعد اس نے ہنگری اب میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔ پھر انکم۔ بی۔ اے کیا تھی۔ اسے کیا تھی۔ اسے تو پھر اس کے تکیوں میں پڑا وہ حوضی۔ جو عزم میں انکم۔ اے کیا۔ انہوں نے سالوں کے دفتر میں خود کر بھلا کر بھر دیں تھیں۔ اور پھر سب سے رشتے تو ڈگری بھلا کر امریکہ آیا۔ تو کچھ ڈگری کر کے۔ ہمارے صاحب کو جب اس کے کچھ ڈگری کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فیس کر کہا تھا۔

"یار۔ کچھ اپنے بچوں کے لیے بھی رہتے۔"

"ہمارے بھائی۔ بے کار سے بگاڑی۔ وقت تو کاٹا ہوتا ہے نا۔" یہ اس کا جواب تھا۔

"بہت اچھے۔ یعنی ایسے" بیکار کی اللہ سب کو توفیق دے۔" اس کی سوجھ بوجھ کر ہر ایک مڑ پڑ کر فہم نہیں۔

عورتوں کی جھلیں۔ مردوں بچوں کی بیٹیاں۔ داد تھیں۔ وہ مزید سوچوں کی ادویوں میں نہ جھلک سکا۔ رسلک بہت دلچسپ تھی۔ اس نے بہت لطف اٹھایا۔ جب وہ فریش پاپر آیا تو یاد آیا کہ آخروں کو پارک میں کس خوشی میں ناپ رہا ہے۔ وہ یہاں کس مقصد کے لیے آیا ہے؟

"لوگ تو ازیں قہاری۔ ستیس سالہ زندگی کا سب سے اہم موڑ ہے۔ سنہیل کے۔" جب وہ وٹریا کے کمرے میں پہنچا تو وہ فائل میں رکھے کاغذات پر کچھ گھبراہٹ تھی۔ وہ حیرت آگے بڑھا۔

وہ اور وہاں ہنگری میں کھسے نام "ٹریا" پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ بچوں کے انداز میں بہت سنہیل سنہیل کے۔ "السلام علیکم۔"

ٹریا نے تقریریں اٹھائیں۔ "وہلکم السلام۔" اس نے خود کار مشین کی طرح جواب دیا۔ بیو پیٹ اور دھاری دار غرٹ میں۔ گارڈ کاسر اچھلتے ہوئے اسے اپنا یہ "رشتے دار" بہت اچھا لگا۔

"کیا اور ہے۔؟" نام لکھا جا رہا ہے۔ لکھ کر کس نے دیا ہے۔؟" ابھی وہ زیر علاج تھی۔ اس لیے تھوڑی بہت "کی" تو تھی تو اتنا زار بھی بھی مارا نہیں تھی مونا چونک پڑی تھی اور اس طرح دیکھتی تھی کوئی کہہ دی "وٹریا۔"

یہ نام جو لکھا ہے اس جس پر تم ہاتھ پھیر رہی ہو۔ کس نے لکھ کر دیا ہے۔؟

"ڈاکٹر یو سی نے۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔

"کیسے ہیں ڈاکٹر یو سی۔؟" اس نے ٹریا کی صوفی اگیوں میں دبے قلم کی حرکت پر نظریں بھا کر پوچھا۔

"ہوں۔" ٹریا گھٹی نہیں۔

"میرا مطلب ہیں کیسے لگتے ہیں تمہیں۔؟" یہ محض بات برائے بات کر رہا تھا۔

"آپ سے اچھے ہیں۔" اس نے "ت" کے نقشے کمرے کے۔

"ہاں۔" پائل غیر موقع جواب تھا۔ وہ بے حواس کیا تھا۔

"آپ۔ کہاں پہلے جاتے ہیں۔؟"

"بھئی۔ میں تمہارے ساتھ باہنٹل میں تو داخل نہیں ہو سکتا ہوں۔ اور اب تو تم بالکل ٹھیک ہو۔ جلد ہی گھر



پلیس کے۔

"گھر کہاں ہے؟" اسی ملک کے دوسرے شہر میں۔ وہ مشن میں۔

"میرا دل چاہ رہا ہے گھر دیکھوں۔" وہ بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"اسے اسے ایسے انداز میں بات کرنے دیجئے کہ ملک کو از اس بات ہونے لگتے تھے۔ اس کا بی چاہتا۔

اسے لے کر "دور اسلام" میں اڑ کر پہنچے اور کہے کہ دیکھو اپنی ٹریڈ۔ کو۔ اور اسی بات پر میری تمام غلطائیں معاف کر دو۔

ڈاکٹر باقر نے بہت مزاج سے سر ہانگی تھا کہ وہ واقعی ایک اچھا انسان ہے جس نے ایک انجینیئر کی پوجہ

فرق کیا۔ ورنہ غلط کارروائی سے بھی بڑھ کر۔ ہوتے ہیں لیکن۔؟ (کاش یہ انجینیئر ہوتی۔ پھر شاہیہ میں میری زبان کاٹ

دیتا۔ آج بھی مجھ کو دینا مشکل تو یہی ہے کہ یہ انجینیئر نہیں ہے۔)

"باقر بھائی۔ ونگ نے آج تک پتہ نہ بتا دیا تھا وہ اور حشر شروع کر دیا ہے۔ میری بیب سے کیا گیا ہے؟"

اس نے جس کراچی شہر کے گھر پر اشارہ کیا تھا۔

ڈاکٹر باقر فرلنگی مینی میں پلیس تھی۔ اس کے ہاں ترشے ہونے تھے۔ وہ ہونٹ کھینچنے بڑی دل بہسی سے علم

چار رہی تھی۔

"پھر لگھ لگھ لیتا ٹریڈ۔ جب میں چلا جاؤں گا۔"

ڈاکٹر باقر تک پڑی۔ "ہوں۔؟"

"بھی باتیں کر دجئے میں تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"ملک۔؟" ٹریڈ کی خوبصورت آواز میں اس کا نام کیا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر باقر کی کئی محنت بہت واضح ہو رہی تھی۔ وہ اس "رشتے دار" سے اسے وہی طور پر بہت قریب کرنا چاہتے تھے۔

"ہوں۔ کیو۔؟"

"آپ اس دن کیا کہہ رہے تھے۔؟"

"کس دن۔؟" وہ ابھرا۔

"آپ کہہ رہے تھے۔ میں۔ میرا بیٹا۔ م۔ چار تھی جب۔" وہ بے رہا سی تھی۔

"گھر جا کر دیکھنا۔" اسے ٹریڈ اس دم بہت اپنی لگی۔

"کب پلیس کے؟"

"اور جلدی پلیس کے۔ ڈاکٹر باقر کیل کہہ رہے تھے بہت جلد بالکل تندرست ہو جاؤ گی۔ (ڈاکٹر باقر کی تارے

تھے کہ آج کل "اور تھلا" تو ہے "اس کو مشن کرائی چار رہی ہے۔

اسلامک سینٹر میں ایجاد و قبول کے جس اس نے رست سفر پانہ حاقا علاقہ کی تمام شاہا تیں بھی جمع کرا دی

تھیں۔ ٹریڈ کو پورے تین گھنٹے سمجھانے میں صرف کیے تھے کہ کیا کرنا کیوں ضروری ہے۔ ٹریڈ کے اور اپنے قانونی تعلق کو

نقل پلاسلک کو نہ کر کے بریف کیس میں احتیاط سے رکھی تھیں۔ علاقہ حیر و ماہ میں مکمل ہوا تھا۔ کچھ دوا تیں بدستور ہادی

رکھنا تھیں۔

اسی دن انہوں نے وہ مشن روا آگئی اختیاری۔ ہاسپٹل کے محلے نے ٹریڈ کو بہت سی مبارکبادیں اور دعاؤں

کے صرا اور غصت کیا تھا۔ چھوڑے جو تھے وہ تھے بعد چیک اپ کرانے کی ہدایت کی تھی۔

جب وہ سیاہو بیکی سیاہو بیٹرا اور سرخ شمال میں لپٹی ٹریڈ کو لے کر اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچا۔ تو سسٹمز کے

میں جوڑے کو پار کر دو اپنے بے ساختہ انداز میں آگے بڑھی تھیں۔ ان پر شاہیہ حرکت کی ہی کیفیت جاری تھی۔

"کوئی کچھ لینش۔ مسٹر اینڈ مسز ملک۔"

"جھینکس مس آمن۔" ملک کو از کا لیجر پر چار سے جاری تھا۔

"شہر کہاں ہے۔؟" اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

"ابھی ابھی سلا ہے۔ شہر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہو گیا۔؟" اس کے چہرے کے ہر نقش نے پریشانی کا اظہار کیا۔

"پکا سا فیر پیر ہے۔"

"آپ اتنا لگات کیوں لے رہی ہیں۔ پکا سا ہے تو یہ بھی سکتا ہے۔" اس کے لہجے سے اس کی دلی

تعمیر ترقی میں تھی۔ "آپ کو از اکثر کے پاس لے کر جانا چاہیے تھا۔"

"میں نے بے بی بخش اشتعال کی تھیں۔ کافی اتفاق ہے۔" سسٹمز منڈی آواز کا پ رہی تھی۔ "مجھے گھری

حالت کا بھی خیال تھا سر۔ اور۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اور ہاں نوٹ کر لیجیے۔ گھر اس بچے سے بڑھ کر نہیں ہے صرف اور صرف اس بچے کی

نظر میں نے زندگی میں خواہ مخواہ کے کھراگ مول لیے ہیں۔"

اس نے سسٹمز منڈی کی بات کاٹ کر سر دھری سے کہا تھا۔

اور ٹریڈ کو اس چھوڑ کر شہر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈاکٹر باقر ان پریشان کھڑی تھی۔ سارے راستے ایک شخص دوسرا کا کردار رہا ہے والا گھر آ کر کتنا بدل گیا تھا

پھر اسے سسٹمز منڈی بھی کھنڈا رہی تھی کہ آخر عورت کون ہے؟

سسٹمز منڈی نے آگے بڑھ کر ٹریڈ کے ہاتھ قلم لیے۔

"مسز ملک۔ دوسرا ختم خیر کا ہو۔ میری دلی دعا ہے۔ آپ ٹھک گئی ہوں گی۔ آپ کے ڈاکٹر وہاں ڈاکٹر

میں بالکل تیار ہیں۔ آپ لہاس تبدیل کر لیں۔ اور مجھے بتائیں چائے پکائی کی یا کافیا کھانے کا انتظام کروں۔"

"میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ملک سے پوچھ لیں۔"

"سسٹمز منڈی اسے شہر والے کمرے میں لے آئیں۔ ملک کو از نے بیٹے پر کھیل ڈالنے ہوئے قدموں کی

چاب تھی تو گردن موڑ کر دیکھا۔

"کس آمن۔ پلیز ایک کپ کافی بنا دیں۔" شاید اس نے سسٹمز منڈی کا اتفاقہ و فوراپا ہر نقل گئیں۔

ملک کو از نے ٹریڈ کی سمت دیکھا۔

"ادھر آؤ ٹریڈ۔"

ڈریسے کسی کوئی نظروں سے ملک کو از کی سمت دیکھا۔ پانچ منٹ کے وقفے کے بعد وہ پھر پھر تبدیل ہو چکا تھا۔

ملک کو از کو بڑا آنکھوں کے سہم نے جیسے لوٹ لیا۔ وہ اس کی سمت بڑھا۔

"جان۔ یہ۔" وہاں بیٹا ہے۔ شہر۔"

ڈریڈ کی پریشانی نظروں نے بچے کا جائزہ لیا۔ ایک مسکین اور صحت مند بیٹا۔ ماما اور صحت مند لڑکی اور بہری ہوئی

ہے۔ اسے پہچاننا انا ساگا۔ اسے اس حلقے کے لیے اٹھایا گیا کرب یاد نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک عورت اس بنے کے لیے کن کن مراحل سے گزرتی ہے۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ عورت اس کس طرح بنتی ہے۔

لیکن اس میں چاہے آوی کا اصرار تھا کہ وہاں۔

وہ پیچھے پیچھے کی جانب پلٹ کر سوچنا چاہتی تھی تو اسے صرف وہ مٹینس یاد آتی تھیں جو اس نے آکر کھول کر دیکھی تھیں۔ جہاں بہت سے سرخ و سفید افراد مٹینس کی طرح کام کر رہے تھے۔

اسے وہ کرب یاد تھا جو سر ایک نوے کے خور میں جکڑے جانے کی وجہ سے پیہ اور ہاتھ اس سے آگے نہ چلے کی کوشش کرتی تو اعصاب جواب دینے لگتے۔ ذہن کے پردے صرف سامنے رہینگے محسوس ہوتے۔ وہ جتنی اظہار سے ناراض ہوئی تھی۔ لیکن دائمی و جتنی طور پر ان افراد کی کیمیکری میں شامل تھی جو کمزور حافظے کے مالک ہوتے ہیں۔ جزیلیا رکھ کر اگلے ہی لمحے بھول جاتے ہیں۔

لیکن رشتے ناتوں کا انکار تو حافظے کا جتنی نہیں ہوتا۔ کم از کم اس اظہار سے ان کے وجود کو ایک خود اعتمادی تو میرا آتی ہے۔

اسے رشتہ میر بھی آیا تھا تو یہ۔ تا قائل اظہار سا۔

اس نے جھک کر بغور شہر کو دیکھا۔

"گفتا بیار اے یہ۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"آ خر تہا ر ایتنا ہے۔"

اسی وقت سسز آ منہ کرے میں داخل ہوئیں۔

ثریا شوہر کی رو مالوی سے بے نیاز تھی اور اس سے بھی کہ سسز آ منہ کرے میں چلی آ چکی ہیں ملک نواز نے رخ موڑ کر آ منہ سے ثریا کے بارے میں گفتگو کی جس کے جواب میں انہوں نے پیار سے ثریا کے ہاتھ تھامے۔

"سسز ملک۔۔۔ آپ کپڑے بدل لیں اور آرام کریں۔" وہ محبت بھرے انداز میں قہقہہ کر کے سے باہر لے گئیں۔ ان کے پیچھے ملک نواز ہی باہر کی جانب چلا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج سے اٹھ کر وہ ہاتھ روم میں گیا تھا۔ سخت سردی کے باوجود کافی وقت ہاتھ روم میں گزار کر گرم ہالوں میں اٹھ گیاں چلا تا باہر آیا تھا تو ایک نئی تبدیلی اس کی منتظر تھی۔ اس کے بیڈ کا دوسرا کونا آباد ہو چکا تھا۔

وہ رک گیا۔

یہ تو اسے یاد نہیں رہا تھا کہ اب وہ باقاعدہ شادی شدہ فرد ہے۔ ایک مکمل گھرانے کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ کمرے میں بیٹہ آن تھا۔

اس نے شکر کیا کہ ثریا سوچتی ہے۔ ورنہ وہ اس کے الجھن بھرے رویے پر کیا سوچتی۔ ہر چند کہ اسے

احساس تھا کہ بطور شوہر اس نے ثریا کو جو چیزیں اسرار اور رموز سے آگاہ کرنا ہوگا۔ بہت سی باتیں سمجھانی ہوں گی۔ لیکن فی الحال آج کی شب وہ پرسکون نیند لینا چاہتا تھا۔

وہ بیڈ پر آ کر دراز ہو گیا۔ ثریا نے کروٹ بدل لی۔

ملک نے دیکھا اس کی آنکھیں اٹھ اٹھیں۔ گویا وہ سوچیں رہی تھی وہی تھی اسے کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے ثریا۔" اس نے قائل کم کیے۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ البتہ سسکیاں تیز ہو گئیں۔

اس نے سائیل سے سوال اٹھا کر ثریا کے ایک صاف کیے۔

"دیکھو۔ اس طرح نہیں۔ جو بات بھی ہے۔ صاف صاف بتاؤ۔" ملک نواز کے بازو ایک سفید سا ہاتھ بنا کر وہ بھر پور چلی گئی۔

"ملک۔ میں کون ہوں۔"

ملک نواز کو جھٹکا ساگا۔ وہ جتنی غافل ہوش مندی کے لیے مہر کر رہی تھی۔

"مجھے شہر کو کچھ کڑیاں آئی۔ اب کچھ گھوٹا ہوتا ہے تو اس کے پائے والے ہوتے ہیں کتنے پیارے۔ کتنے

ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اب میں شہر چھٹی تھی۔ تو اور مجھے یقین کیوں نہیں آتا کہ۔ آپ۔ شہر۔ مجھے سوچ سوچ کر پھرانے لگتے ہیں۔

ملک نواز نے اسے شہر کی طرح سنہالا۔

"جو کچھ تمہیں بتایا ہے وہ حقیقت ہے ثریا۔ کیا کوئی غیر کسی کے لیے اتنی مشکلات اٹھا سکتا ہے جو میں نے تمہاری خاطر اٹھائی ہیں۔ تم ذہن پر زور مت ڈالو کرو۔ ورنہ تمہیں ہی نقصان ہوگا۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ میں تمہارا ہوں۔

تو ایک پیارا سا بیٹا ہے۔ ثریا۔ اب ہم مکمل ہو چکے ہیں۔" (آء)

عشق واقعی طور پر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ ملک نواز کے اندر کا فطری انسان ابھرا۔ جہاں فطری انسان چند لمحوں کے لیے فطری تقاضوں کے سامنے کھینے لگتا۔ بیٹا۔ یوں تو شب زفاف گزر گئی۔ وہ صبح دس بجے اٹھ گیا تھا لیکن وہی طرح باغلی تھی۔

اب وہ ہندو کوڑا رنگ نبیل کے آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تھا تو ثریا چونک کر اٹھ بیٹھی تھی۔

ملک نواز کو آئینے میں دیکھ کر اس کی نظریں بار دنیا سے جھک کر رہ گئی تھیں۔ اس پر بہت کچھ مشکف ہوا تھا۔

اسے شہر کے سلسلے میں دلانے گئے یقین یاد آئے کہ وہ اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ وہ یاد کرے کہ پہلے پہل ملک اس سے کس طرح ملتا تھا؟

ثریا۔" "جی۔"

"جی۔"

"اٹھو بیار۔ گھر سنہالو۔" اس نے مسکرا کر ثریا کی آنکھوں میں جھٹکا۔ وہ بے انتہا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"ملک نواز تم بھی اندر سے روایتی مرد ہو۔ گھر بنانے کے شوقین۔ بیوی کے بازوؤں میں سکون ڈھونڈنے کے آرزو مند۔

آج کل تمہاری ہر سوچ بیوی سے پرآ کر ظہر جاتی ہے۔" وہ ہنس ڈور رنگ نبیل پر دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

کال بیل بجی تو سسز آ منہ چلا۔ نے کہاں تھیں بولی تھیں۔ ثریا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام۔"



"دوستی۔ یہاں سے آئے۔ ہوتی تھیں۔ گورنر۔"

"اندرا آجائیں۔ وہ نہیں ہیں۔ آپ کون ہیں۔؟" اس نے نازک سی دھڑکنے والی مالک لڑکی کو بچہ سے دیکھا۔ جو گورنر کے سامنے سے بچے کو اٹھائے کھڑی تھی۔

"میں ان کی دوست ہوں۔ آپ کا سسر ملک ہیں۔" حیرت انگیز طور پر اسے مس آند کے "لاؤ" کا نام یاد تھا حالانکہ کئی ماہ گزر چکے تھے ان کی ملاقات ہوئے۔

"جی ہاں۔" تڑپا اسے اندر لے آئی۔

"مس آند۔"

"جی میڈم۔؟" آند کی آواز کہیں دور سے آئی۔

"دیکھیں کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔"

ساحرہ کو یہاں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ چہرہ دیکھا بھلا ہے۔ کہاں دیکھا تھا کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کئی بار تڑپا کا جائزہ لیا تھا۔ چہرہ پر قہر و قہامت اور دلکش ہیرا سنائل کے سراوہ ایک سانس تھا۔

اسی وقت آند ہاتھ آٹھل سے پوچھتی اندر داخل ہوئیں۔

"اگر۔۔۔" ان کی آواز میں قہر اور خوشی تھی۔

"یہ دیکھیے۔ آج آند ہی ہیں آپ۔؟" وہ شامی ہوئیں۔

"ہاں مس آند۔ کچھ نہ پوچھیے۔ میں بھی آپ کی طرح اکیلی ہی ہوں مگر میں۔ اور پھر شروع شروع میں تو مجھے یہاں کا معلوم بھی نہیں تھا۔ اکیلے نکلے ڈرگٹا تھا اب ذرا کچھ اس سے ماحول میں خود کو گویا جھٹ کیا ہے۔ اور پھر میں

"اگر" بھی مصروف تھی۔ "ساحرہ نے اپنے بچے کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"مجھ سے شکوہ کر رہی ہیں آپ نے کوشش کی کبھی میرے ہاں آنے کی۔؟"

"دیکھیے سسرانان۔ میں آپ کی طرح خود مختار تو نہیں ہوں ناں۔ خدا خواست جیسے کچھ ہو جاتا تو ظاہر ہے سب کچھ مجھے ہی سہنا پڑتا۔ میں مانگن نہیں ملازم ہوں۔"

وہ بہت خوش خوش امریکہ آئی تھیں۔ لیکن چند دنوں بعد انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے وطن میں اکیلی ہوتے ہوئے بھی اکیلی نہیں تھیں۔

اپنے تڑپا کی آمد کے بعد انہیں زندگی کی حرارت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ تڑپا کے ساتھ بے حد مصروف رہتی تھیں اس کو کھانے وغیرہ بتانا سکھاتی تھیں۔ مگر کے دوسرے کام کان۔ پڑھائی لکھائی۔ کہ لاؤ کا کہنا تھا کہ مکمل رہیں

واشنگ کے ان کے مافیضے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ لکھن "لاؤ" کی طرح ثابت نہیں تھیں۔

ان کا طرز عمل بالکل دوستوں کی طرح تھا۔ بالکل یکساں تھی۔

اگر صاحب رات کو مانگن کو کوئی قصہ پیش کرتے تو وہ ہر گز نہیں مسکراہٹ کے سراوات دکھاتا نہ بھوتیں۔

اگر صاحب سے کسی بات پر ڈانٹ پڑتی تو بھی وہ آند کو ہنسنے ہونے بتاتا نہ بھوتیں۔

وہ حیرت سے پوچھتیں "میڈم آپ کو سسر ملک کی ڈانٹ پر غصہ نہیں آتا۔"

وہ ہلکے آہستہ۔ "مجھے ان کی ہر ادراپ پیار آتا ہے۔ پس جب وہ غصے میں ہوتے ہیں تو تھوڑا سا ڈر لگتا ہے۔"

ان کا قصداً غصہ ڈاک ہونا ہے لگتا ہے کھڑی سے ہار اٹھا کر پھینک دیں گے۔ "وہ اپنی بات پر خود ہی غصے پڑ گئی۔

آند اپنی مانگن کو حیرت سے دیکھ کر تھیں۔

شاید جن صورتوں کو اپنے۔۔۔ وہ عالی حسانی اور ماوی لکھائے ہوئے کرنے والے چہرے پر دیکھ رہے ہیں وہ ان کی ہی غرض ہاں نظر آتی ہیں۔

لیکن ان کی وہ ذہنی بیماری۔ ان کا ذہن پھر اس نکتے پر آ کر ٹھہر گیا۔ ساحرہ اپنی اندر ادراپات کے دل ہوتے

پر آند کی بھڑپاں محسوس کر سکتی تھی۔

اس لیے وہ ان سے بدگمان نہیں تھی۔

"اگر۔۔۔" مس آند۔ آپ نے تو کبھی ذکر ہی نہیں کیا اپنی ان دوست کا۔ اب تو میں صحت و اب ہو چکی تھی آپ مل آئیں۔"

تڑپا کا لہجہ شیریں اور محبت بھرا تھا۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" تڑپا نے بچے کے رخسار چھوئے۔ "اس کا نام کیا ہے۔؟"

"مسلمان زیادہ اس کے دادا نے رکھا ہے۔" ساحرہ نے بچے کے رخسار پر ہاتھ رکھا۔

"آپ کا بیٹا کہاں ہے۔؟" ساحرہ نے پوچھا۔

"اس کے بچا کام کر رہے ہیں۔ وہ انہیں کے پاس بیٹھا کھیل رہا ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ انہیں ڈسٹرب نہ کر رہا ہو۔" وہ ہمیش بچے کی طرف پوچھتی باہر نکل گئی۔

"اتنی دیر سے سوچ رہی ہوں۔ انہیں کہاں دیکھا ہے۔ اب یاد آ گیا کہ اصل یہ میری تند سے بہت مل رہی ہیں۔"

"مس آند۔ اپنی مہمان سے چائے کافی کافی پوچھیں گی۔" تڑپا نے شہرہ کو اٹھائے ہوئے دوبارہ کمرے

میں داخل ہوئی۔

"اور مجھے تو حیران ہی نہیں رہا۔" آند شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بس یہ تلفظ رہنے دیں۔ میں بولتی ہوں۔ دیر ہو جائے گی۔"

"کوئی دیر نہیں ہوگی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ملک سے کہہ دوں گی وہ چھوڑ آئیں گے۔" تڑپا نے شہرہ کو

گود میں بٹھا کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

آند باہر نکل گئیں۔

دو دنوں بچوں کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔

چائے کے بعد ساحرہ نے چائے کے لیے اسرار کیا تو تڑپا ملک نواز کے پاس چلی آئی دوسرے چمکائے تیزی

سے کچھ گھبراہٹ۔

"سہیں۔"

"ہوں۔؟" اس نے ہوں کہا نظر میں نہیں اٹھا نہیں۔

"وہ ہماری ایک دوست ملنے آئی تھیں۔ ان کا گھر کافی دور ہے۔ بچے کے ساتھ ہیں۔ آپ ذرا ان کو خود آئیں۔"

"اس وقت میں ایک ضروری کام کر رہا ہوں۔ کیا وہ تھوڑی دیر انتظار کر لیں گی۔؟"

"کام بعد میں بھی ہو جائے گا وہ پریشان ہو رہی ہیں۔"

"پریشان ہونے سے کیا ان کے پر لگ جائیں گے کہ ان کو پہنچ جائیں گی۔" وہ بھلا کیا۔

"اچھا چھوڑیں میں ان سے کہہ دیتی ہوں کہ آپ مصروف ہیں۔"

ملک نواز نے سرائی کو اس کی دست دیکھا چھوٹی چھوٹی آسمان والی گھائی میں دھندلا رہا تھا وہ پہلے کے ناراضی آنکھوں کو بہت بھائی۔

یہ کہ شہر ہو تو یہاں میری سالوں پرانی سگنی آپ پر چھینے لادتی ہو۔ یہ بڑا بڑا ہوش مند پوین مرسلہ کے پاس بھی نہیں تھے۔

"چلو یار۔" وہ کاغذ سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس طرح۔" "تو یہ اس کے سلیپنگ سوٹ پر ناقدانہ نظر ڈالی۔

"کیا بہت ہے؟" "اٹھنا کھانا کرتے ہیں کیا؟" "کیا اور بھی اچھا لگتا ہوں۔ کسی اور بھی اچھا لگ سکتا ہوں۔"

"آہستہ ہو لیں۔ کیا سوچے گی وہ؟" اور یہ آپ سے کس نے کہہ دیا آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"تھاؤں۔" "وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"اچھا اچھا۔" "تو یہ اسے پناہ دلائی۔

ملک نواز نے لباس تبدیل کیا۔ تو شاید اسے ہمارے کر ساتھ والے کمرے میں چلی آئی۔

میں آواز اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ ہمارے 'سٹر' ہیں۔" "سٹر ملک نواز۔"

"السلام علیکم۔"

وہ سلام اسلام۔ "سلامتی کا تاج۔" ہوا۔

"آپ کس جگہ جائیں گی۔"

ساحر نے ایڈریس بتا دیا۔

ملک نواز گاڑی اٹھانے بیٹھے چلا گیا۔ اور تینوں انواراتی کھات کا تاجدار کرتے لگیں۔

چچا جان کی سخت طبیعت خراب تھی۔ اس لیے وہ بچوں کو حسن کے پاس لے کر نہیں جا رہے تھے۔ بچوں کو حسن

سے ملانے کا یہ مطلب نہیں تھا وہ ہار مان چکے ہیں۔

بلکہ اس بہانے وہ حسن کو کھانے اور چائے کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے جانے کیوں انہیں یقین نہ تھا

کہ حسن ان کی بات ایک روز ضرور مان لے گا۔

وہ شام کے کھانے کے انتظام کر کے پیڑہ سکھانے لان کی طرف آئی تھی جب اس کی ڈارک برادر کر وال

گیت میں داخل ہوئی۔

وہ چونگی ضرور لیکن اچھا نہیں کیا بدستور ننگے پاؤں گھاس پر چہل قدمی کرتی رہی بلکہ اس کی طرف سے عمل

پشت کر لی۔

اس کا حاشق صادق دل دوا لیے پر اتر آیا تھا۔ کہ وہ اس کے رینگے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ

پھوٹ کر رو رہے۔ اس کی منت کر لے۔ اس کی محبت جیت لے۔ لیکن اس نے قابو پایا۔

"میں نہیں چٹوں گی۔ میں نہیں ہوں گی دل کا کہا۔ میں اس کی منت بھی نہیں کروں گی۔ محبت کی کروں گی

کہ مجھے خاک کر دے۔ لیکن مجھے شکست نہ دے۔

کوئی کیا جانے محبت و عشق کے گلے میں شہید کی تختی لکھا کتنا جاہل سر کر ہے مجھے پتا ہے۔ میری زندگی

اکھڑوں کا سطر ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اس یقین کے بعد۔ میں کیوں اسے سوچوں۔ کیوں اس کا دھیان کروں۔

"ای۔" "وہ کی آواز پر وہ چونک کر کھلی۔

"ای۔" آپ کو اور اہان ہمارے ہیں۔

"ان سے کہو میں غسل سے فارغ ہو کر آ رہی ہوں۔" "اس کا لہجہ بدل گیا اور چرخہ اہم کیا۔

"لیکن آپ تو۔"

"منت آگے سے ہوا کرو۔ منت جرج کیا کرو۔" وہ بیٹی پر ہات ڈالی۔

وہ خوف سے لرز کر رہ گئی اور جان کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"سنو۔" کہہ کر وہ اہان سے۔ میں فارغ نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میں اتنی بے کار کہ دنیا کی خوشیاں باقی رہوں۔"

"نہیں ہے مجھے فرصت۔ میں فارغ نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میں اتنی بے کار کہ دنیا کی خوشیاں باقی رہوں۔"

دوروں کو اس کے بچے نے سوچ گئے تھے کتنی دیر اس نے بی بیانی میں بناؤ دھڑکی۔ زور دھڑکوت میں شانوں

پر چلی پیٹانے وہ آہستہ سے سر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا خیال غلط تھا ہاتھ دھو رہی تھی دیر لگانے کے باوجود

بھی وہ ابھی تک باپ کے پاس تھا۔

وہ پلٹ گئی۔

"شہلا۔" "چچا جان کی ٹیلف سے آواز ابھری۔

"میں معافی چاہتی ہوں چچا جان! میں اس وقت کمرے میں نہیں بیٹھ سکتی۔ بدائے صبر بانی مجھے تھکا رہی۔"

وہ باہر نکل آئی تھی۔

پانچ منٹ بعد اسے گاڑی اشارت ہونے کی آواز آئی تو وہ سر کے کمرے میں چلی آئی۔

"تھی چچا جان۔" "وہ اس طرح گویا ہوئی جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔

"میں کہہ رہا تھا۔ وہ اکا وقت ہو چکا ہے مجھے دوا کے میں کہہ دوں آرام کروں۔" وہ بھی اس کے بچا

تھے نہیں نے بھی یہ ظاہر کیا کہ اس میں اٹھنے والا تازہ مٹھے اٹھتے پھر بیٹھ گیا ہے۔

"کچھ فرق ہوا اس دوا سے۔" "اس نے ایش رے میں سگنے ایک ٹکڑے پر نظر ڈال کر سنا پوچھا۔

"ہاں۔ کافی فرق ہے۔ ڈاکٹر خان تو مجھے ہمیشہ سے دے رہے ہیں۔"

"جی۔ وہ جس ہی بہت قابل ڈاکٹر۔" "اس نے ان کی پتیلی پر ٹیبلٹ رکھ کر تائید کی۔

☆☆☆

وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر اندھیرے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

"ای۔" میں آ جاؤں۔"

"آؤ۔ کیا بات ہے۔" اس کے لہجے میں بڑا ہی تھی۔

"ہمارے چلی آئی۔ اور لائٹ آن کر دی۔ وہ اسی طرح لیٹ رہی۔"



“ای۔”

“عول”

”ای۔ یہ وہاں سے گئے ہیں۔“

اس نے فوراً اس کی سمت دیکھا۔ ہمارے ہاتھ میں براؤن لٹاؤ تھا۔

انہا نے حادثات کے تحت اس کا دل کانپ گیا۔ کیا وہ اور اپ سمن کرنے آیا تھا۔؟

”کیا ہے یہ۔“ اس نے سنبھل کر پوچھا جواب میں وہ نے لافانہاں کے ہاتھ میں تھوڑا سا اس نے خود کو مضبوط بنا کر لٹانے میں بھلائی۔ ایک غریب سانس اپنے سینے سے آڑ لڑکی۔ پچاس کے نوٹوں کی دو گلیوں تھیں۔

”کیوں لیے تم نے۔ کیا تم نے ان سے کہا تھا“

”ای۔“ اہا کی آواز ابھرائی۔ وہاں کے کانوں سے تک کر بیٹھ گئی۔

”ای۔ میں نے پراسے کہا تھا۔ پیسے تو امی کے پاس بھی بہت ہیں اور ابا جان کے پاس بھی ہیں۔ جو بچ

و جو ہے اسی یوں ہمیں دی جانی ہے۔"

میں نے اپنی مومن بیویں بے پناہ حساس و ہاضموہ بنی کی طرف متوجہ کر دیا۔

۶۱۔ میرے بیٹے۔ میری اناجھاری محبت اور خوشیوں سے بڑھ کر کیا

صورتِ وار میں کسی کہیں ہوں۔ میں سبھیوں پر غم واپس لوٹا نے کو کہہ رہی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تمہارے باپ

درمیان فاصلے پیدا کرنا رکھنا چاہتی ہوں۔ یہ بات نہیں ہے، میں نے بات یہ ہے کہ مجھے

طعن کا اضافہ نہ ہو جائے کہ میں مادی لحاظ سے ان کی محتاج رہی ہوں اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری

مر رہی ہوں۔ بیٹے۔ دوسرے میرے خون میں جذب نہیں تھے۔ اس لیے جی بھر کر مجھے ستایا

—11—

نے ہمارے کچھ بالوں پر ہاتھ بھرتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

ای ایس کل فون پر پچاسے کہہ دوں کہ ہمیں پیسوں کی نہیں آپ

میں انہاری ضرورت کی چیزیں کہوں گی۔“

201

میرے دریا کا نام رکھتے ہیں۔ میری جہاز، میری زندگی، میری موت ہے۔  
اس نے آج سنا تھا کہ اس سے ایک لڑکا۔

آمدنے بہت تعریف کی۔

”آمنہ۔ ملک کو پسند آجائے گا۔“ آمنہ کے کہنے پر اس نے اس کو بھونکا اور چلا گیا۔

”بہت پسند آئے گا میڈم۔ آپ سب لکھ رہی ہیں۔“

”آپ میرا دل رکھتی ہیں۔ جی جی کہتا میں۔“

آمنہ کو ملنے کی اس اور اپنی ٹکڑیاں کر دیا۔

”بہت ہی سادہ ہیں آپ۔ کیوں اور لی ہیں آپ اپنا۔ میں نے سنا ہے سب ہی مسٹر فلک کے موافق

میں از کم آپ کو تو نہیں دانا چاہیے۔"

”آمن۔ ہم آپ سے ایک بات

"کیسے" اور "تین کوئی" نہیں۔

”آج۔ ملک رات کو وہ مولیٰ کی بوسے سے کیا نکال رہے ہیں۔“ (۴۴-۴۵)۔ سڑک پر تھک چکا تھا۔

(—)

”وشراب پیتے ہیں۔ یہ بڑی جتنی ہولی ہے۔ مسز ملک۔ انسان کو ہوں دعوں سے بیکانہ کر رہا ہے۔ انسان

... "E."

”آمنہ مہر ملک کیوں پتے ہیں۔“

(میں آپ سے زیادہ تو کئی جان سنی)۔ ہاں کبھی میڈم۔ بعض لوگ میسجن کے طور پر پتے ہیں۔ بعض لوگ

سے ہٹا دے کے لیے اشارت کرتے ہیں۔ آپ انہیں منع کیا کریں۔ یہ بچہ چھوڑوں کو گولہ صاعہ پہنچا رہا ہے۔

”میں انہیں ایسے لوگوں سے آمت

آپ اکیس ہر دم جوش رکھنے کی کوشش کیا کریں۔"

میں تو انہیں کچھ بھی نہیں مانتی۔ آج ان کا بہت خیال رہتی ہوں۔ مجھے رات

کی خاطر جانتی رہتی ہوں۔ وہ مجھ سے دیر تک باتیں کرتے ہیں۔ میں سنتی رہ

ہیں۔ ہرجے تو ہے۔ پھر وہ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔“

"اگر آپ نہیں شراب سے دور کر دیں تو یہ بڑا

"آمنہ! سوپ لے آئیں میں شہر کو سوپ چاؤں۔" وہ شہر کو کو دین اٹھا کر بولی۔

"مائی آپ میری بات کا یقین کریں گی۔ ایک دم ٹریا بائی۔ سب کچھ سرتہ جوتہ خیر مجھے ان کا دیکھنا نہیں آیا۔ لیکن چرواہا بہت جانا پہچانا محسوس ہوا۔ دراصل میں نے ٹریا بائی کو صرف ایک دوسرے ہی دیکھا تھا۔ ایک سرتہ شادی سے پہلے ایک سرتہ شادی کے بعد یعنی شادی والے دن جب وہ لیکن دیکھنے کے شوق میں میرے پاس پہنچی تھی۔

"کاش سسر ملک پہنچے ہی جاتیں تو ہم انہیں ٹریا بائی بنا کر امی کے پاس لے جاتے۔ وہ تو جانتی تھیں۔"

"ہاں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شکوں میں کافی مسامحت پائی جاتی ہے۔" مائی نے یہی کی بات تو یہ سے سن کر تجرہ کیا۔ اس کا لہجہ رکھ سے ٹوٹ رہا تھا۔

گمان ایک بار پھر بھوکے دردوں کی مانند ٹپک کر آئے۔

"جائے کہاں ہوں گی ٹریا بائی۔ کیسی ہوں گی۔ کوئی انہیں کھانے پینے کا بھی پوچھتا ہوگا۔"

"بہت اچھی عادت ہے سسر ملک کی۔ کہنے لگیں آپ کہاں اتنی دور جائیں گی۔ میں گاڑی میں بیٹھوا دیتی ہوں۔ اپنے شوہر کو کام سے اٹھا کر کہا کر راپ کر کے آئیں۔ وہ بھی پکارے بھلے آوی ہیں۔ فوراً ہی تیار ہو کر آ گئے۔ مجھے چھوڑنے آئے شکر ہے کہ اس پاس کوئی اچھا مہلن تو نظر آیا۔ میں ان لوگوں کو کسی روز چائے پر مدعوں کروں گی۔ کیا خیال ہے۔"

"اچھا ہے۔ اگر تمہاری طبیعت اس طرح بہتتی ہے تو ایسے کسی۔"

"حراس کی بات یہی ہے کہ سسر ملک بھی گزشتہ سال جاتی مار سے میں جتا تھیں اگر ہم لوگ انہیں اس حالت میں دیکھ لیتے تو یقیناً اپنی ٹریا بائی کچھ لیتے اور سسر ملک پر دعوہ ادا کر دیتے۔" ساحرہ ہنس پڑی تو مائی کے لبوں پر بھی جھلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں یار۔ جانے کہاں ہو گی ٹریا بائی۔ ایک پھان ان کے نام کی آج بھی دل میں تڑاؤ ہے۔ آہ۔"

"میڈم! آپ چلیں گی ناں۔ سسرماں کے ہاں؟ انہوں نے فون پر بہت تاکید کی ہے۔"

"ہاں۔ آمنہ۔ میں ضرور ان کے ہاں جاؤں گی۔ مجھے ساحرہ بہت پسند آئی ہیں۔ میں تو آپ کو لے کر خود ان سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن آپ کہتی ہیں کہ بن بلائے نہیں جانا چاہیے۔ وہ بھی نئے لوگوں کے ہاں۔"

"جی ہاں۔ میڈم۔ بالکل۔" آہ۔ کچ آپ تو سب آداب بھول چکی ہیں آپ اسے سسر آدمی کی شریک حیات ہیں۔ لیکن سوسائٹی موکرنا بھول چکی ہیں۔ کتنی بڑی تڑپ رہی ہے۔

"کب بلایا ہے۔"

"پرسوں شام۔"

"کہاں کا پر وگرام ہے۔" ملک نو از جو ہاتھ روم میں کھڑا شیوہ دار ہاتھ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جنہیں آپ ڈراپ کر کے آئے تھے۔ سر۔ ان کے ہاں۔ چائے پر مدعو ہیں۔"

"بھئی ایون محترمہ۔ ہیں۔ کہاں سے ان کا نزول درود ہوا ہے۔" اس نے شیشہ تک میں برش ڈال دیا۔

"سر۔ میں نے بتایا تھا ناں۔ یہ میری ہم سفر تھیں۔ جب میں اور شہر امریکہ آئے تھے۔"

آمنہ نے تباہت اچھی ہیں۔" ٹریا لے گیا۔

"تمہاری رائے مشکوک ہے۔ ٹریا۔ جیسا کہ کوئی لگتا ہے۔" اس نے ہنسنے لگا۔

"نہیں سہرا! واقعی بہت اچھی ہیں۔ اور مجھے تو اس لیے اور زیادہ اچھی لگتی ہیں کہ میری نندہ جو شاعرہ سے ان کا بہت قریبی تعلق ہے۔ شہلاسن کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ سر اس لیے کہ شہلاسن عری سے تھوڑی بہت آپ کو بھی اچھی ہے۔ میں نے شک میں شاعری کے نمونے دیکھے ہیں۔"

ملک نو از تو لے سے مد پر فخر ہاتھ پتہ ہے اسی پر زمین میں کھڑا رہ گیا۔

"کیا رشتہ ہے ان محترمہ کا شہلاسن سے؟" اس کی آواز آہستہ لیکن مضبوط تھی۔

"وہ سسرماں کی بھائی ہیں۔ بس یہ وہی بھائی ہیں۔" تمہانوں نے سسر آدمی کو تفصیل کا عادی بنا دیا تھا۔

ملک نو از ہر کام بھول گیا۔

"جیسا ان کے ساتھ کون رہتا ہے۔" ملک نو از نے قہقہے و ہنسیاں سے آواز دہن پر بڑا سادہ پوچھا۔

"بس دونوں میاں بیوی اور ان کا بچہ۔" آمنہ ہاتھ روم کی لٹ سے ہی جواب دے رہی تھیں۔ ٹریا

اور بیک بچل کے سامنے شیشی ٹیل پالش نگاری تھی۔ شہرہ کا لین پر بیٹھا کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔

پھر آ منہ بیل بیڈ شیٹ اٹھا کر باہر نکلی گئیں۔

"ٹریا۔" ملک نو از کا ماری آواز میں سوچ کا انداز شامل تھا۔

"جی۔" اس نے ہاتھ پر آٹھنگی سے برش چلایا۔

"بات سنو۔ فور سے۔"

"جی۔"

"تم سسرماں کے ہاں نہیں جاؤ گی۔"

ٹریا نے چونک کر ڈریک بچل کے آئینے میں دیکھا ہاتھ روم میں روشن روشن کے سامنے کھڑا ملک نو از تو لے سے اپنا چہرہ رگڑ رہا تھا۔

"کیوں ملک۔"

"بس کہ جدی۔ کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں سے تعلق بن جانے کی۔"

وہ مجھے اچھی لگتی ہیں ملک۔ میں ضرور جاؤں گی۔"

ملک نو از کا بھیجے الٹ گیا۔ اس کے سامنے تو اس کے والدین بھی بے بس ہو جاتے تھے اور یہ۔ اس کی زبردستی کی بیوی۔

"مجھے عادت نہیں ہے اپنی کسی بات کے جواب میں "نہ" سننے کی۔" وہ دھماکا ڈرنا کال کا پ کر رہ گیا۔

ملک نو از کا موزن سخت خراب ہو گیا تھا اس نے ہاتھ روم کا دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ شہرہ سم کر ٹریا کے پاس آکر اہوا۔

"میڈم! ہم اختلاف کے آچار پر آمنا بھی لیکن میں کھڑی ڈر گئیں۔"

"سسر ملک خود تو اختیار نہیں کرتے۔ پھر سسر ملک کے لیے پریشانیوں اٹھاتے ہیں۔" انہیں سسر ملک پر

فساد گیا۔ ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اگر نہ اخوات پھر کچھ ہو گیا۔ کم از کم انہیں اپنے بچے کا ہی خیال کرنا چاہیے

انہیں کون انہیں سمجھائے۔ ان کی امی ہی آجائیں تو بہت اچھا ہو۔"



اور وہ بے تحاشا پانی بہانے ہوئے بے گناہ سوچ رہا تھا۔

اسے یاد آیا۔ سیکڑین کی سطور جو ملی تفریب میں شہلانے اپنے دیو کا ذکر کیا تھا کہ وہ چوہن میں ہیں۔

شاید یہی ہے۔

کیا وہ لوگ اس سبک الدماغ ثریا کو اپنی بڑا تسلیم کر سکتے ہیں؟ خواب میں بھی نہیں۔ لیکن مجھے احتیاط کرنا چاہیے۔ اگر میں ان لوگوں کو بتا دوں کہ یہ تمہاری ثریا ہے۔ اور لاکھوں روپے کے علاج نے اس کی طبیعت کو روشن خلقی میں بدل دیا ہے۔

تو وہ مجھ سے چوچیں گے کہ میں نے یہ فیاضی یہ مہربانی کیوں کی؟

میں نے ایک چلی چریز کو اس کے گھر پہنچانے کے بجائے اپنے گلے کا پار کیوں بنایا؟ کیا مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں اس کے بھائیوں کے سامنے اعتراف گناہ کر لوں؟ ہرگز نہیں۔ شاید کسی شخص میں یہ ہمت نہ ہوگی کہ وہ کسی بھائی کے سامنے اس کی انہن کے ساتھ زیادتی کا اعتراف کرے۔

باقری بھائی۔ پھر بچس رہا ہوں۔ اب مجھ میں ہمت نہ کرنے کی ہمت نہیں۔ شوٹ کروں گا وہ لوں کو۔ ثریا کو بھی اور شہپر کو بھی۔

اس کی سوچ پھر اوجھا کو پہنچنے لگی۔

"شہلا حسن! بس کرو۔ جیسے دو۔ اسے روگ تو لگا لیے ہیں تمہاری خاطر۔"

ہو ہو ہو

ثریا نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور آئندہ کا مقام نہیں تھا کہ وہ مسز ملک سے مصر ہو سٹیں۔ وہ شہپر کو ساتھ لے کر چلی گئی تھیں۔

اس نے کافی تیار کی اور ملک تو از کے پاس چلی آئی۔

"مجھے ضروری چیزیں چاہئیں۔ مجھے شاپنگ سینٹر لے چلیں۔"

"بھئی! میرے پاس نام نہیں ہے۔ مس آئندہ کو لے کر چلی جانا۔"

"مس آئندہ کے ساتھ ہی تو جانی رہی ہوں اب تک۔ آپ مجھے کہیں لے کر نہیں جاتے۔ جب میں عورتوں کو دیکھتی ہوں جو اپنے شوہروں کے ساتھ آتی ہیں تو مجھے احساس ہوتا ہے۔ آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے

مجھ پر ترس کھایا ہے۔ آپ میری کسی کوئی بات مانتے ہیں۔ ہر بات ڈانٹ دیتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا آپ میرا علاج نہ کرتا تو کبھی کبھی پاگل خانے میں داخل کر دیتے۔ میں کتنی اکیلی ہوں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رو نہ تو اسے ویسے بھی آ رہا تھا کہ وہ مسز ملک کے ہاں نہیں جاسکتی تھی۔ ٹروڈ اور اور

جلاؤز میں ملیں ہاں کو پونہ کی نسل میں باغی ہوئے وہ بیٹے پروڈ انوٹیمس ہوئی معصوم بیٹی تھی۔ ملک کو از بیٹی کی پشت سے نکالنے میں مصروف تھا۔ وہ بے پناہ احساس تھا۔ ثریا کے کونے دکھاس کے دل پر نازل ہونے لگے۔ وہ واقعی قابل رحم تھی۔ اس نے روتی ہوئی ثریا پر نظر ڈالی۔

"ثریا۔" وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"ثریا۔ اور دیکھو۔"

ثریا نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر ایک لمحے کو روئی روئی آنکھوں سے اس کی ست دیکھا۔

"اور آؤ۔" اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکی۔

"بات سنو۔ ٹک نہیں کرتے پار۔ اور آؤ۔"

وہ ہلک کر اس کے قریب آ گئی۔

"دیکھو ثریا۔ اب تو میرا سب بکھڑا ہی ہو گیا۔ تم اس ٹکڑی کی بکھڑی ہو۔ تمہارے گاؤں کی چھوٹی سی۔ تم

دوسروں پر ترس کھا سکتی ہو۔ کوئی تم پر نہیں۔ تم اس دنیا کی خوش قسمت عورتوں میں سے ہو۔ مت دبا کر پار۔ مجھے حقیقت ہوتی ہے۔ کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس؟"

اس نے ثریا کو خود سے قریب کر کے بچوں کی طرح چمکارا۔

"آپ مجھے گاؤں کب دکھائیں گے۔" اسے ایک دم یاد آیا۔

"جلدی دکھائیں گے۔"

"ملک۔ آپ نے مسز ملک کے ہاں جانے سے کیوں منع کیا ہے؟"

"بے کوئی۔ میں تمہارا ہاتھ نہیں چاہتا۔ کہ تم میرے پیار سے بیٹے کی ماں ہو۔"

"پار اور تصویریں تم نے کہاں رکھی ہیں۔ ان میں سے دو تصاویر فریم کرانا ہیں۔ ایک تمہاری اور ایک شہپر کی۔" اس نے بات بدل دی۔

"کون سی تصویر فریم کرانیں گے میری۔" وہ شہپر کی پیدائش سے پہلے والی۔

"ہاں۔ وہ بالکل دلی۔ ہا۔ ہا۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

ثریا جھپٹ گئی۔ بالکل دلی تصویر میں وہ بے حد بے ڈول اور مضحکہ خیز دکھائی دیتی تھی۔ شہپر کی پیدائش میں صرف چند دن ہی باقی تھے جب ڈاکٹر باقر نے یہ تصویر اتاری تھی۔ یا تو دلی تھی۔

"وہ تصویر کوئی فریم میں لگانے کے قابل ہے۔" ایسی کیا یادگار بات ہے اس میں؟ کیا میں وہ بارہاں نہیں ہوں گی۔"

وہ اس کے شانے سے ٹک کر بولی۔

"جسمیں مزید بچوں کا شوق ہے۔"

"شہپر کی پیدائش تو مجھے یاد نہیں ہے ملک۔ میرا دل چاہتا میرے بہت سارے بچے ہوں۔"

"مثلاً۔ دو تین درجن۔" وہ شرارت سے بولا۔

"نہیں۔ کم از کم چار یا پانچ۔ جو گھر میں اوجھ بکا کر رکھیں میں ان میں اتنی مصروف رہوں کہ کہیں جانے کی فرصت نہ ملے۔ پھر آپ مجھے کہیں جانے کو منع بھی کریں تو مجھے دکھ نہ ہو۔" وہ سادگی سے بولی۔

"اتنی ہوشیاری کی توقع میں تم سے نہیں کر سکتا تھا۔ گھبرا کر بات دہیں لے آئیں کہ مسز ملک کے ہاں کیوں جانے نہیں دیا۔"

اچھا یہ تباہ تمہارے لیے کون زیادہ اہم ہے۔ میں یا مسز ملک۔"

"ظاہر ہے آپ۔ لیکن آپ کا ان کا کوئی مقابلہ بھی تو نہیں ہے۔"

"بات مانو۔ پار۔ کیوں قسم دلاتی ہو۔"

اور وہ واقعی خوش دلی سے مسکرا دی۔

اس نے شہلا کو تھاپا تھا کر آج وہ تادیب کے پاس اس کی بھالی ہوئی تصویریں دیکھتے جانے کی تھاکوڑا رانچر لے جا چکا تھا۔ گاڑی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ بھی بس اسٹاپ کی طرف مڑ گئی۔  
پانچاٹائی دھوپ کی حدت سے ہما کا چہرہ تھمرا ہوا تھا۔ بس وقت وہ صحن کے دفتر پختی پر سب بیکری فون پر ٹھنکے میں مصروف تھی۔

”جی ہاں امیر۔“

”آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں بیٹے۔“

”اپنے پیارے صحن سے۔ میرا نام گل ہوا ہے۔“

بیکری فون نے اعتراض کام پر سیر کو متوجہ کیا۔

”سرا آپ کی بیٹی گل ہوا آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“

”جائیے۔“ اس نے ہما کو اشارہ کیا۔

اسکول بولڈارم میں بیک اٹھائے ہوئے ہما کو دیکھ کر وہ پریشان سا ہو گیا۔

”السلام علیکم کیا۔“

”وعلیکم السلام بیٹے۔ کیا بات ہے۔“ اس کا لہجہ تنکڑا تھا۔

”جی میں ایک ضروری کام سے آئی ہوں۔“

صحن نے سوالیہ نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ ”ہوں۔“

”جی۔ ہم وہ پیسے نہیں لیں گے۔ بلکہ کبھی بھی نہیں بولیں گے۔“

(شہلا۔ میرے بچوں کو میرے لیے شجر منو دینا کرتے اچھا نہیں کر رہی ہو)

”بیٹے۔ پیسے زندگی کی بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ آپ کی ضروریات کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔“

”پیسے اس سے بھی زیادہ ضروری چیز چاہیے۔“

”بولو بیٹا۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری مطلوبہ چیز ہر حال میں مہیا کروں۔“

”جی۔ پیسے آپ چاہیں۔ صحن کو اپنی اس کسین بیٹی سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ بیٹا کر رہ گیا اس نے چند لمحوں کی سوچ کے بعد سر اٹھایا۔

”تو بیٹا آپ تینوں بہن بھائی آجائیں میرے پاس۔“

”اور امی۔“

اس بات کا جواب صحن کے پاس نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

”ہا۔ اور آؤ۔ میرے پاس۔“

ہما مقابل سے اٹھ کر باپ کے نزدیک چلی آئی۔

صحن نے اسے بازو کے گھریے میں لے لیا۔

”زندگی۔ تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

ہما بیٹے۔ اچھا تاؤ دنیا میں چوری دھن کے علاوہ سب سے بڑی بات کیا ہے۔“

”جھوٹ بولنا۔ جی۔“ اس نے اپنے طور پر جواب دیا۔

”ہاں بیٹا۔ جھوٹ بولنا۔ دھوکا دینا۔ یہ ایک ہی بات ہے۔“

”امی نے آپ سے جھوٹ بولا ہے کیا۔“

”جی نہیں بیٹے۔ ہو سکتا ہے میں نے ہی اس پر غلط کیا ہو۔“ (میں اطمینان سے جرات کر رہا ہے تھی۔ تیرہ سال پر عید دھوکا کھوڑا ہوتا ہے؟)

”جی۔ امی بہت ذہنی ہیں رات کو جب ہم سو جاتے ہیں۔ آپ نہیں گویں راتے ہیں۔“

”(اس معزز کو احساسِ ذلت راتا ہے۔ میری بھالی نہیں)

”امی کو پتا ہے جیسا کہ آپ یہاں آئی ہیں۔ اس نے سنی ان ہی کر کے پوچھا۔

”نہیں۔“

”میری بات بیٹے۔ دھوکا نہیں دیتے۔ جتنی بھی آج اسکول۔“

”وہ درانچور کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے امی سے کھلی کے پاس کا ہانا کیا تھا لیکن یہ بھی سوچا تھا آپ سے مل

کر امی جی جی تادوں گی۔ جی۔ میں تادوں گے تادوں کہ جیسا ہمارے ساتھ ہیں گے۔“

”میں سوچ کر حیران رہ گیا۔ ہا۔ میرے بیٹے۔ باپ سے بدگمان مت ہو۔ میں تم لوگوں سے شرمندہ ہوں۔

مگر اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ مجھے دھوکے باز پسند نہیں آؤ۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں۔“

اولاد کے سامنے والدین کیسی بھر پوری مٹی بن جاتے ہیں۔ وہ بیٹی کو پہلا رہا تھا لیکن اس کا ذہن سوچ رہا تھا

کہ بڑا کٹھن وقت آرہا ہے۔ اس کی بیٹی اپنی عمر سے آگے سوچنے والی اور بے پناہ حساس ہے۔ بیٹیاں تو باپ کی کمر کا ٹھم بن

کراتی ہیں۔ لیکن یہ شاید مجھے دے گی۔

”جی۔ آپ شام کو آئیں گے دادا جان کو دیکھئے۔“

(ہاں میری روح۔ آؤں گا۔ باپ کو دیکھئے نہیں مذاپ مچیلے۔)

تھوڑی دیر بعد وہ بیٹی کے ہمراہ دارالسلام کا رخ کر رہا تھا۔

کتنی بے قراری سے وہ بیٹی کی راہ دیکھ رہی تھی۔

ہما کو صحن کی کار سے اترتا دیکھ کر وہ الجھی گئی۔ لیکن بالکل سے اتر کر چلے نہ آئی۔

ہما فوراً اس کے پاس آئی تھی۔ ”السلام علیکم امی۔“

”وعلیکم السلام۔ کیا تادیب کے گھر سے کوئی چھوڑ کر گیا ہے یا کیلی آ رہی ہو؟“ اس نے بیٹی کو زبانی کی گھڑی میں ڈالا۔

”امی۔ مجھے پتا چھوڑ کر گئے ہیں۔“

”راستے میں ملے تھے۔“

”نہیں۔ امی۔ وہ امی میں۔ ہم۔ میں ان کے آفس گئی تھی۔“ اس نے جی ضرور بولا مگر جان پر گزر گئی۔

”ہا۔“

”جی امی۔“

”تم کھانا کھا کر اپنے سوٹ کیس تیار کرو اور اپنے بیٹا کو فون کرو کہ وہ جہیز پیش کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں۔“

”امی۔“ اہا کا پ گئی۔



"تم نے ہر چند کہ مجھے نہیں بتایا کہ تم اپنے آپ کے آفس کیوں مکی تھیں اس کے باوجود مجھے وہ باتیں چاہیں جو تم کے آئی ہو۔ سوسائٹی کی دہائیوں کا کردار مت بھلاؤ۔ غرق ہونے کی لہر اور جس کی رفتاروں نے غصے کی آگ بھڑکائی ہے۔"

"امی۔ میں نے کیا کیا ہے۔" اس نے بے بسی پوچھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تمہارے پیانے ساری زندگی تاک سے گھیریں کھینچتی ہیں۔ لیکن اب میں۔ تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے دکھا دیا ہے ان کے سامنے اب لو۔ میری اجازت کے بغیر تم کیوں گئیں۔" وہ اس کی سمت بڑھی، اناؤں کے پیچھے ہو گئی۔ اس کی شفیق ماں کے سر پر گویا خون سوار ہو گیا تھا۔

"نا۔ تجھے ایک دن ویسے ہی رخصت کرنا ہے ایسے کسی۔ میں نہیں رکھوں گی اپنے پاس۔ نہیں رکھوں گی۔ میں جانتی ہوں وہ بیٹھ بھی نہیں گئے اب بچوں کو نیز می باری ہوں۔ کیا تم باپ بچی سے قدرت کے قسم کی قسمی کہہ کر تاک کر میری آن کو نکالتے بنایا۔ چلو کھانا کھاؤ۔ اور تیار کرو۔"

"امی۔"

"ایک فنڈ نہیں سنو گی۔ ہمارے نکل جاؤ میرے کمرے سے ورنہ تم کس نکال دوں گی۔ مارا کر۔"

اناؤں کو باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔ کتنے ہی قطرے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے۔

"تمہاری رفتاروں میں، میں نے انا کو گہری نیند سلا دیا تھا حسن۔ میری انا کو ہاتھ سے پکڑ کر اور سمجھ کر اٹھانے والے بھی تم ہی ہو حسن۔"

انا ہر انسان میں ہوتی ہے۔ یہ تو جلتے پھولوں والا سانپ ہوتا ہے کہیں نہ ہر انا نے کو تیار بیٹھا ہوتا ہے کہیں بیٹھا کھینچ لی بدل رہا ہوتا ہے، کہیں کنڈلی مارے بیٹھا ہوتا ہے۔ جب یہ کنڈلی مارے بیٹھا ہوتا ہے تو اس سے پیچھے بھاڑ نکلتا ہے اور خطرناک ہوتی ہے۔

میری انا تو کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔ کیوں چوٹا۔ اب کے ہر نقصان میں زیادہ حصہ تمہارا ہو گا حسن۔ اس سرخ شلوار سوٹ اور سیاہ دوپٹے میں وہ فنی پرس اٹھائے کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ہاتھ دم سے نکل کر بیٹھ رہا تھا۔

"میں بالکل تیار کھڑی ہوں ملک۔"

"ایک منٹ۔ کیا شہر کو بھی لے کر جا رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ ذرا بھی نہیں چلے گا اور گو میں آنے کی فرمائش کرے گا۔"

"تمہاری مرضی۔" وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔

اسے سلیقے سے تیار کھڑی شہر کا کوئی نہ کہہ کر وہ تہہ دل سے مس آؤنگا مٹھون ہو گیا۔

"چلو یار۔" اس نے ریٹ واق کلائی میں ڈالی اور کی رنگ اٹھائی دوسرے ہاتھ سے گامز انگوٹوں پر چڑھائے۔ جگت اس کی ہر اوستہ میں تھی۔ بیس بیس اور سب سے حد ہار یک دھاریوں والی خوبصورت شرت میں وہ بے حد تر و تازہ تھا۔

وہ اس کے پاس سے گزرا تو شہر نے اسے روک لیا۔ "ایک منٹ۔" اور اس کے لوہے پر ہی وہ فن لگائے گئے میں سیاہ دوپٹہ ڈالے اور وہی پرس غصے میں دھانے فن لگاتی شہر۔ اس کے اعصاب پر چھائے تھے۔ اس کے وجود میں

اس مگر کی خوشبو نہیں جذب ہیں جس میں شہر کی سانسیں سرے کرتی ہیں۔ شہر کا ہر شہر کے چہرے میں گھس گیا۔ اس کے چہرے سے ایک سی گئی۔

(یہ میرا من چاہتا ہے۔ میں قدرت کے پہلوؤں میں نہیں آؤں گا میں اب بھی محرم ہوں۔)

شہر۔ حیران پریشان اس کے چہرے کے تاریح حادہ کھڑی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو عجیب ہے۔"

"پاس میں عجیب ہوں۔" وہ گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

اناؤں کے نکلے اسٹور کے ڈیپے طے کرتے ہوئے اس کی نظر ساحرہ پر پڑی۔ اسے خوشی ہوئی لیکن ملک نواز کی سمت نہ کر ساری خوشی سرور میں بدل دینا پڑی۔

"لو۔ اسلام منیم۔ سڑک۔"

"وہیکل اسلام۔" بھائے ساحرہ کے اس نے ملک کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"اس روز آپ نہیں آئیں مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔"

"میں طبیعت اچانک شراب ہو گئی تھی۔" اس نے بھرپور کی طرف دیکھا۔

"غریباری کرنے آئے ہیں۔"

"ہوں نہ پڑاؤ شہر کی چیزیں ہی لے رہی ہیں۔ آج ملک جلدی آگئے تھے اس لیے سوچا ضروری چیزیں لے آؤں۔"

"دیکھو بھی وہ میٹنگل اسٹور تو آج بند ہے۔ اب آگے جانا پڑے گا۔ اور تم یہاں کیوں؟" اور محاف کیجیے گا۔

"مائی کی زبان کو بڑیک سے لگ گئے۔ اسلام۔ م۔ مٹ۔ شہر۔ باقی۔" اسے حیرت کا شہر بھٹکا لگا تھا۔

شہر کی آواز پر ملک نواز نے گردن موڑ کر دیکھا تھا ایک لمبے کوتاہ و شہر دور دور چکر کر رہا تھا۔ اس کی کھچ میں نہ آیا وہ کس طرح شہر کا کوئی چاہیہ تھا۔ اس نے غیر اطمینانی طور پر قدم بڑھا دیے وہ اس طرح تیزی سے آگے جا رہا تھا گویا کوئی اس کا تھا قب کر رہا ہو۔

جب اس نے پلٹ کر دیکھا تھا اس وقت مائی شہر یہ حیرت کے ساتھ بکھوٹے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے قروطنور پر پہنچا اور ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے رک کر چہرے سے پسینہ صاف کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا مائی شہر سے کیا کہہ رہا ہوگا۔ شہر سے کیا جواب دے رہی ہوگی۔

اور شہر نے "شہر باقی آپ؟" کہنے والے کو جان کو بڑے قہر سے دیکھا تھا۔

"مئی۔" اس نے خراک اس نے کہا تھا۔

"آپ کہاں سے آئی ہیں۔" میرا مطلب ہے پاکستان کے کس شہر سے؟" وہ رابرٹ سے حالوں میں تھا۔

شہر ایک دم سوچنے لگی۔ "نویارک سے۔" وہ بولی اور ساحرہ سے ساختہ فیس پڑی "کاش پاکستان میں بھی

نویارک بن جائے۔ یہ تو امریکہ کا شہر ہے سڑک۔" وہ ہنسنے ہوئے بولی۔

"سڑک۔" مائی نے بیوی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ان کے شہر کا نام ہے۔" عالم سنگھن جانا ز۔" اس نے اسٹور کے انداز میں شہر کی سمت دیکھا۔

"آپ آدھانام ہی لے لیں۔ آدھانام لفظ بتایا ہے آپ نے۔" شہر نے سگرا کر کہا۔

وہ لفظ نام لینے پر مسکرائی تھی۔ جابجا کہنے پر نہیں بھی وہ انکی اہلیت نہیں سمجھتی تھی۔ کہ جابجا لیس مزاج خوش کر لیتی۔

"میں بھی پہلے روز آپ کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔ دراصل ایمان کی بڑی بہن کی اصل بالکل آپ جیسی ہے۔"

مائی ابھی تک انور ٹریڈ کو دیکھ رہا تھا۔ کیا دنیا میں وہ انسانوں کے مابین اتنی مشابہت ہو سکتی ہے؟ حتیٰ کہ بالائی لب کے کنارے پر نقش یہ گہرا سیاہ چل بھی ہے۔

"اگر یہ یہ ملک کہاں چلے گئے۔ مجھے چھوڑ کر۔" معاذ یا کھیرائی اور اس طرف بڑھ گئی جہاں ملک کو درگاہ تھی۔

"تھک کر تے ہیں آپ ایمان۔ کہاں ٹریڈ جاتی۔ کہاں یہ چودھرائی۔"

"چودھرائی؟ مائی تنہا ہے۔"

"مائی کوڑھوں کی بہن ہیں یہ۔ بڑے زمیندار ہیں یہ لوگ۔ اور ان آرمی۔ ان کے اپنے گاؤں کے نزدیک ہی ان کی شوگر مل بھی ہے۔ ان کے شوگر تو فصل سے پرلے ہی لگتے ہیں۔ مس آمد کبھی ہیں ان کے تو جو تے بھی برطانیہ سے آتے ہیں اور وہ کبھی تیار کرتی ہے جو دنیا کے امیر ترین افراد کے جو تے بناتی ہے۔ گویا ہزاروں روپے تو ان کے جوروں میں ہوتے ہیں۔"

مسز ملک تو گھر میں بھی ڈائننگ استعمال کرتی ہیں۔ چار ڈائننگ کی انگوٹھیاں ہر وقت ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ بھلاتا بیٹے یہ ٹریڈ جاتی کیوں کر ہو سکتی ہیں جب کہ وہ بچپن ہی سے ڈینی مرینڈ تھیں۔ ویسے ایمان اس قسم کی ٹریڈ جاتی ان کے ساتھ بھی ہو چکی ہے۔ بیٹے کی پیدائش کے دوران یہ بھی ڈینی مرینڈ ہو گئی تھیں۔ نیو یارک ہی میں ان کا علاج ہوا ہے۔ شاید انہوں نے ٹھیک سے آپ کی بات کی نہیں تھی جب ہی تو "نیو یارک" کہہ چکی تھیں شاید وہ سمجھتی ہوں کہ آپ ان کی ساجھ رہائش کے بارے میں پوچھ رہے ہوں۔

ٹریڈ جاتی پاکستان میں کم ہوئی تھیں۔ یہ امریکہ ہے ایمان۔

اور ایمان کو ساغر کی باتوں پر یقین کرنا پڑا۔ لیکن اس کے دل کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔

"ویسے ان کے شوگر میں تھوڑا سا غرہ پایا جاتا ہے۔ اس دن مجھے ڈراپ کرنے آئے تو تمام راستے خاموش رہے۔ حالانکہ اخلاقی طور پر انہیں کوئی دیکھنا ہی بات تو کرنا چاہیے تھی اور ان ہی دیکھیں۔ تھوڑی بہت واقفیت تو ہے ہی۔ ہم سے چاہے تھا کہ آپ سے ملنے خیر۔ وہ جو کہتے ہیں ہاں کہ تم اپنے مال میں مست ہم اپنی کمال میں مست تو ہمیں بھی کوئی قننا نہیں کران سے رشتے داری کا نہیں۔ چلیے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے مائی کا ہاتھ چلایا۔

وہ ایک گہری سوچ کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

"واہ میرے مولا۔ شکلیں ایک جیسی اور مقدار میں زمین آسمان کا فرق۔"

☆☆☆

ملک نواز کو کہیں نہ پا کر وہ پریشان ہی ہو کر ایک جگہ گئی تھی۔

"یا اللہ۔ یہ کہاں چلے گئے۔" اس نے ہر سال ہو کر سوچا۔

گوری گوری لگی تھیں انگوں والی بیسیں اور چٹنی مٹھری والے مرد اپنی مٹھن میں آ جا رہے تھے۔ اسے سمجھائی نہیں

دے رہا تھا اگر غرہ کیا کرے۔

تھوڑی دیر بعد اسے اپنے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ اچھلی ہی پڑی۔

"کہاں چلے گئے تھے۔ آپ۔" وہ دھمکی ہی ہو گئی۔

"بھئی تم مذاکرات میں مشغول تھیں میں نے سوچا اسے میں ضروری چیزیں لے لوں۔" اس نے ساتھ

ساتھ ٹریڈ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے تھے ہمارا گھر۔"

"مائی۔" وہ ابھی۔

"بھئی کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے ٹریڈ کی ہڈی آنکھوں میں مسکرا کر جھانکا۔

"کچھ نہیں۔ وہ مسلمان کے شوگر بھگے اپنی لیکن کچھ بیٹھے تھے۔"

"تو کیا تم ان کی لیکن ہو گئیں۔" ابھی میرے ساتھ وہ اب تو سب مردوں کی تم لیکن ہی ہو۔ چلو پار ہو جاتا ہے۔

وہ ہو جائے گی تو مس آمد پریشان ہوں گی۔"

اس نے ٹریڈ کے ایک ہٹلے سے سارے جواب پالے تھے ایک المیہ ان کا سلسلے کے بیٹے سے آ رہا تھا۔

☆☆☆

ٹریڈ نے کروت بدلی اور تھوڑی ہی دیر میں غافل ہو گئی۔

وہ کچھ برس چار یا پھر سانیہ فیل کی طرف جھک گیا اور اپنی ڈائری نکالی۔ نچل بسپ آن کیا۔

اور بال پوائنٹ سے شعر رقم کیا۔

ع کیا ہوا جو تم نہیں میرے

میں بھی اپنا شریک حال کہاں

میرا اس کے قلم نے ایک شعر جاری کیا۔

ع۔ مائے سکون دل کو تو ملتا ہے وہاں بھی

اے دوست میری یاد خوشی بھی ہے کہاں بھی

رات کے سائے سپنولے کی طرح میرا عصاب پر یک رہے ہیں۔ گمان ہوتا ہے تخلیق کے کب تھے بھی رہے ہوں گے۔ کرب کا چہرہ مختلف تھا۔ ہیں تو گھر کے دروازے کھلے۔ تو اپنی سوچوں کو آواز کر۔ میں تو بیٹھ ہی سو اگت کو ہوں۔ اس زمانے کا دور نام طاق ہے۔ تو ناٹھری ہے دکھ دیتی ہے۔ یہ مبالغہ ہے۔ میں بھی یہ اپنی باتوں کی تسکین کے بعد تھے یاد کر رہا ہوں ایک میری طلب ہے جو میری ہم سفر پوری نہیں کر سکتی ایک میری طلب ہے جو تھوڑے پوری نہیں ہو سکتی۔ میں بھی منافق ہوں۔ میرے نام پر چڑھنا کرنا مطلب نکال رہا ہوں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنی بیویں سانچے سے بنی ہوئی ہو کر کھڑے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ موزوں کر نہیں کیے جاتے۔ میرے نصیب کا نام آج کل کدو ہے دوست اب میری جھوڑیاں ہی میرے سج ہیں۔ یاد آ کر۔"

اس نے قلم بند کر دیا۔ اور سر کے نیچے ہاتھوں کا ٹکڑا کر کدو چنے لگا۔

"بیٹو۔" انہی مٹی کا پتی ہوئی آواز۔

"بیٹو۔ کون۔" پوچھ کر مراد آواز۔

"چا۔" میں دھابول رہی ہوں۔"

"کدو۔ میری جان۔"

"چا۔" اسی کھجور سے تخت ہمارا ہے۔" وہ دہائی ہو رہی تھی۔

(اسے میری ہر چیز سے تاراض ہونا چاہیے) لیکن کیوں۔" وہ دھڑک رہا تھا۔



"میں آپ کے پاس پہلی گئی تھی۔"

"لیکن آپ لوگ تو پہلے ہی میرے پاس آتے رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ اسی لیے تھا جن کو میں نے آپ سے ساتھ رہنے والی بات کی ہوگی۔ اور پھر میں ان سے جھوٹ بول کر گئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا لیکن وہ سب کچھ جانتی ہیں۔ مجھے جھوٹ نہیں بولنا پڑتا تھا۔ انہیں جھوٹ سے نفرت ہے۔"

(پورے دوسرے چور کو چوری کہتا ہے میرے پاس۔) "ہوں۔"

"میں ابھی اسی کی کچھ نہیں آتی ابھی پچھلے ہی دنوں تو انہوں نے کہا تھا کہ تم اپنے پیارے ہر بات کر سکتی ہو۔"

"اب کیا کہہ رہی ہیں تمہاری ماں۔"

"وہ کہہ رہی ہیں تم اپنے پیارے پاس رہو انہیں کھو آ کر لے جائیں۔ لیکن میں انہیں ہار دینا چاہتی تھی۔ آپ کے پاس آنا نہیں چاہتی۔ اور پھر مجھے گڑا اور ستا ہوا یاد آیا کریں گے۔"

اس کی انگلیاں بندھ گئیں۔ حسن کا دل لہلہا ہونے لگا۔

"میری زندگی۔" اس کا لہجہ غمناک تھا۔ (ہم اپنے بچوں کے کتنے بھائی بھائی ہیں) "تم مت آؤ۔ اگر تمہارا دل اس وقت ہے وہ جیسے نکال نہیں سکتی گی۔"

"لیکن میں اپنی کچھ سے ہار دیتی ہوں۔"

"ان کی ہار دینی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ آہستہ۔ آہستہ۔ روئے نہیں بیٹا۔"

"میں آپ اسی سے خود کہہ دیں کہ آپ مجھے نہیں رکھ سکتے۔ آپ فون کروں گی کہ۔"

میں نہ جان کاٹ چکا ہوں۔ میں اس سے بات نہیں کر سکتا۔

کچھ نہیں کہتا۔ تم فون نہ کرو۔ "اس نے فون رکھ دیا۔" ہاکی سکیاں اسے جھلائے دے رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"اے چھوڑو۔ میرا تو ابھی دماغ محو رہا ہے۔ اسے یاد کوئی حد بھی ہوتی ہے مشابہت کی۔"

"یہ بھی خدا کی شان ہے مانی۔ جو کچھ ہے آخر آپ کے سامنے ہی ہے۔" ساحرہ نے بچے کو کلاٹ میں لٹایا۔

"میں سوچ رہا ہوں اگر اپنی ٹریڈ اپنی کا مقداری مسز ملک جیسے ہی ہوتا تو ہمارے گھر انے کا نام بہت لگاوا

جاتا۔ میرا دماغ آؤت ہو جائے گا ساحرہ۔ میرا بھائی چاہا ہے کوئی آکر زور سے کہہ دے کہ مسز ملک ٹریڈ اپنی ہی ہیں۔"

"جن کے کڑا کنڑوں نے پر لگا دیے اور وہ اگر کر سکیں گی ہیں۔" ساحرہ نے ہل کر اشارہ کیا۔

مانی نے غالی غالی نظروں سے ساحرہ کی ست دیکھا۔ "تم درست کہہ رہی ہو۔ ساحرہ لیکن تم میری ذاتی

کیلیت کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ اور میرے خدا۔"

"مانی۔ آپ کسی روز میرے ساتھ چلیں گے۔ میں آپ کو کھانا کراؤں گی کہ وہ کھانے کی ہے۔"

"نہیں۔" خیر آپ کو کیا پڑی اسے کھانے دار آدمی کے پاس جانے کی۔ بس آپ خدا اور انا مل جائیں۔"

ساحرہ نے ایک دم غور سے اٹھ کر دیکھا۔

"خیر اب اس پر تو میں بھی نہیں ہوں۔ ساحرہ انا تو میں بھی کہتا ہوں۔ اسی طرح اور عورت ٹریڈ اپنی۔ میری

مصلحت یہ ہو کر رہی ہے اس حیرت انگیز مشابہت پر۔"

"اس دن تم کہہ رہی تھیں تو میں بھی سمجھا تھا کہ میں جھوٹ سی مانتی ہوں گی۔ لیکن۔"

"چھوڑیں گی۔ اور اب تو خدا کرے کہ آپ کا اور مسز ملک کا سامنا نہ ہو۔" اس نے دوا روپ میں

کپڑے لٹا کر شروع کر دیے۔

☆ ☆ ☆

"بھئی۔ اسے مس آؤ۔ کے پاس چھوڑ کر آ جاؤ۔ میں سوچتا ہوں۔"

ٹریڈ اپنی پہلی ہوتی تھی شہر میں کسی شخص کے ہاتھوں سے کھیلنا تھا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اس کا رخ ہوسرت

چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے بچے کا غور سے کیلکولیشن تھا۔ وہ اچھا ایسے میں ملک کی فوس اسے چھری طرح تھی۔

"کیا ضروری ہے کہ یہ مس آؤ۔ کے پاس ہو۔ یہ تو تو نہیں رہا ہے ملک میں اسے اپنے پاس ہی لٹا لٹکی

ہوں۔" ٹریڈ اپنی شہر کی موٹی موٹی کلاٹیاں تمام کر گزرا اور حاکم لیا اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

"فی الوقت تو نہیں دور رہیں بچے رات کو رہتے ہیں۔" وہ جھٹکا۔

"نہیں روئے گا۔" وہ سند سے بولی اور اسے پہلو میں لٹا کر بازو کے گھیرنے میں لے لیا۔

"فلیک ہے اگر وہ تو تم دونوں ماں بیٹے کو باہر نکال دیں گا۔ سمجھیں۔"

"سمجھ گئے۔" وہ دستور اس میں گن گئی۔

ملک نے دوا روپ دیکھا اور۔ دوا روپ کے چلنے خانے سے جام ہو گیا۔

ٹریڈ اپنی میں گن گئی اس نے توجہ نہ کی لیکن جب ملک نے گلاس زور سے سالیہ نکل پڑے مارا تو اس نے

گمراہ سوڑ کر اس کی ست دیکھا۔ کوئی اور تپا نہ دی کی ملا میں اس کے چہرے پر جھج گئیں۔

اسی وقت ملک نے اٹھنے کی طرف کا پس آف کر دیا۔

ٹریڈ اپنی اپنے شانے پر ملک کا ہاتھ محسوس ہوا۔

"یہ سڑی کی چیز لپک کر تو آپ مجھ سے بات بھی نہ کیا کریں۔" اسے جیسے پھونکے لاک مارا تھا وہ کھٹک کر

آگے ہو گئی تھی۔

"مجھے پتا ہے۔ اسے کیا کہتے ہیں۔ آؤ۔ اسے پوچھا تھا میں نے۔"

"پتا ہے۔ موت کے کہتے ہیں۔ کیا تم بچے کو بے ہوش کرنا چاہتے ہو۔" وہ جھجکتی ہو۔

اس کا ہر اور جو آگ پر رکھا ہوتا ہے جب آگ کا قاتل برداشت ہونے لگتی ہے تو یہ۔ لیکن۔"

"میری کچھ میں آپ کی باتیں نہیں آتیں۔ چھوڑیں مجھے۔"

"مجھے نفرت سے نہ دیکھا کر دیا۔"

"میرا بازو چھوڑیں ملک۔ مجھے اور شہر کو باہر جانے دیں پھر جتنی مرضی چاہیں لی لیں۔" وہ اس کی دھشت

سے ہٹ کر اٹھی۔

لیکن وہ اس کی دھشت سے مقابلہ نہیں کر سکی۔ شہر کی طرف رخ کر دیا۔

اس کی انگلیاں بند ہو گئیں۔ ملک نے غور سے نظروں سے شہر کی ست دیکھا۔ اور اسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر

کارپٹ پر سے مارا۔ ٹریڈ اپنی۔ اس کی ہاتھ کی روٹی ہو گئی۔ اسے خوف کے شہر کی آواز پست کی تھی۔ ٹریڈ اپنی کے حال

میں پھنس گئی۔ کس قدر روٹا تھا شہر لیکن وہ اسے اٹھانے سے قاصر تھی۔

باہر مس آئے مگر قہر کا پور ہی نہیں۔ ایک لمحے کو تو ان کا پیچھا چا پادور اور آواز تو نہ اٹھیں لیکن وہ تو معاملہ کے تصور ہی سے غور ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد طوفان ختم کیا تھا۔

شریانی سے شہر کی سمت چلی۔ نوائے زلی کا پھر کا پر فہر کی پیشانی میں کب گیا تھا۔ خون ابھی بھی لکڑا ہوا تھا۔ شریانی نے سب سانس لے لی تھی اس کے ذم پر رکھی اور انتہائی غصے سے ملک نوادی جانب دیکھا جو کمرے سے باہر نکلتا تھا۔ وہ شہر کو گود میں گھر کر کمرے سے باہر نکلتا آئی مس آئے باہر کھڑی ہوئی تھیں شریانی کو دیکھ کر تیزی سے اس کی سمت آئیں۔

"کیا ہوا؟" اس نے اس کے تو خون نکل رہا ہے۔" وہ حواس ہانسی نظر آنے لگیں انہوں نے شہر کو گورانی گود میں لے لیا اور اس کی مرہم پٹی کرنے لگی کمرے میں چلی گئیں۔ شریانی اپنا حلیہ ٹھیک کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد مس آئے باہر آ گئیں۔

"میزم آپ میرے کمرے میں سو جائیں شہر کو سلا دیا ہے۔ میں لاؤنج میں سو جاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ کہتی ہوئی مس آئے کے کمرے میں چلی آئی۔

صبح کو وہ برنگ پڑی سوئی رہی مس آئے کی بارگاہی کی جس تب وہ سلسلہ سے اٹھ بیٹھی تھی۔ باہر آئی تو مس آئے کو شہر کو ہشتہ کرانے میں مصروف پایا۔

"ملک اٹھ گئے؟" اس نے سوئی سوئی آواز میں پوچھا۔

"کافی دیر سے جاگ رہے ہیں۔ آپ کا پوچھ رہے تھے۔" وہ اپنے بیداروں میں چلی آئی۔

ملک نو آئے اپنے بیٹھ بیٹھان سے آواز دہو کر کھل پھیلائے اخبار دیکھ رہا تھا۔ شریانی کے ساتھ روم میں چلی گئی۔ دیر تک گرم پانی سے غسل کیا پھر سیاہ ہاتھ کاؤن پینٹ کر باہر آ گئی۔

"تڑیا۔" ملک کی آواز پر وہ خاموش رہی اور کیلے بالوں میں برش چلاتی رہی۔

"تڑیا۔ تاراض ہو۔"

وہ پھر بھی چپ رہی۔

"میں شرمندہ ہوں شریانی رات تمہارے ساتھ اور شہر کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی۔ میں آج صبح وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس کمزور چیز کے پاس بھی نہیں جاؤں گے۔ اس نے ہار ہاتھ لگات لگا کر تجھ پر کیا کر میں نے سبق نہ سیکھا۔

لیکن اپنے بچے کے ماتھے پر لگاؤ کم کائنات مجھے بہت آزار پہنچا رہا ہے۔ میں بہت بچھتا رہا ہوں۔"

"تڑیا۔ جیسے میری باتوں پر یقین نہیں۔"

"ملک۔ رات تو حد ہی ہو گئی تھیں ظالم ہیں آپ۔"

"میں نے سب سے زیادہ غم اپنی جان پر کیے ہیں۔ بارش میں بہت ظالم ہوں۔"

میرے پاس آؤ شریانی میری بات تو سنو۔" تب وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

اور پھر ملک نے اچھا وعدہ پورا کیا۔ شریانی آنکھوں کے سامنے اس نے قیمتی ساری بوٹھیں ساتھ روم میں جا جا کر واش روم میں بہاویں اور تمام بوٹھیں دست بن تک پہنچا دیں۔

ظاہر ہے شریانی کا دل قدرتی طور پر صاف ہو جاتا تھا۔ اس کے دل سے تمام گھٹے غم سے اصل گئے مالا گھات رات

اس کا دل پاؤں ہاتھ کا۔ مگر چھوڑ کر ہاتھ کھڑی ہو اور تمام ہر ملک کی صورت نہ گئے۔

ایک بار صبح۔ ایک دھشت۔ اس نے ابھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"ملک۔ رات آپ مجھے پہلی مرتبہ سے گئے تھے۔" وہ سواری سے اس کے شانے سے ٹک کر بولی۔

"قدرتی سی بات ہے۔ دیکھو یہ وہاں سے تو ہم ہی محبت کرتے ہیں۔" اس نے اٹھ بچھا کر اپنے

پیرے کے سامنے کیا۔

"میں نے آپ کو اکھڑے ہیں کیا؟" شریانی ٹک کر الگ ہو گئی۔

(میں کتنا کامیاب کھلاڑی ہوں۔ ہوت۔) وہ چلی سے سگرایا۔

"مور میں کتنی ڈراماں ہوتی ہیں۔ روٹی کپڑے سے بھل جاتی ہیں۔ مردانہ طرے سے گھبرا کر اپنے مطلب تک پہنچتے ہیں۔ عورت اسے محبت سمجھتی ہے۔ کتنی قابل رحم ہے۔ عورت۔ مغرب میں یہ بات ٹھیک ہے۔ گاڑی نہیں چل رہی تو الگ ہو گئے اور ہمارے ہاں بھاری عورت۔ بیٹ کی خاطر۔ محبت کرنے پر مجبور ہے۔"

میں کا اپنا ایسی کو شاپا نامہ ادا میں رکھتا ہوں۔ کہنے سے پہلے اس کی جانب سے بہت زیادہ دیکھا کہ وہاں۔

لہذا یہ میرے ماتھے کے بل دیکھ کر بات کرنے پر مجبور ہے۔ ساتھ رہنے سے انہیں ضرور ہو جاتی ہے۔ اسے محبت نہیں کہتے۔ محبت تو بے سانس ٹھوکر ہوتی ہے۔ اچانک کتنی ہے۔ جتنی زیادہ اچانک اور شدید کتنی ہے اتنی زیادہ گہری محبت کتنی ہے۔ اتنی دیر سے سنبھال رہا ہے۔

محبت تو اصلیت ہی کھوٹھنی ہے۔

جیسے کہا آج کل۔ ہر دوسرا شخص "عقیم" ہے۔

اسی طرح۔ روہاری بھی محبت ہے۔ انہیں بھی محبت ہے۔

مردت بھی محبت ہے۔

"اگر۔ یہ سب محبت ہے تو پھر شریانی۔ تم بھی محبت سے محروم تو نہیں ہو۔ تمہاری صورت۔ آنکھوں کو اچھی لگتی ہے۔ تمہارا وجود میری بہت سی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ تم کہہ سکتی ہو کہ میں بھی اس زمانے بھی محبت کر رہا ہوں۔

چلو۔ گویا اس زمانے کے معیار کے لحاظ سے میں تمہاری محبت میں جسم بھی کھاسکتا ہوں۔"

تیرا ناماں جایا ہے۔ جا کر رکھو لے۔ خدا معلوم کب صورت دیکھنے کو ملے۔

جایا جلی جا۔ بھائی کے سینے سے سر رکھا کر۔ زبرد لے۔"

اس کا دل بری طرح تڑپا کہ کسی طرح وہ بھائی پر حقیقت آشکارا کر دے لیکن ہر مرتبہ حوصلہ جواب دے گیا۔

یہاں تک کہ وہ بچپن کو لے کر چلے گئے۔

وہ اس کو متع کرنے کے باوجود اسی طرح آتا تھا۔ بھی باپ کی عیادت کرنے بھی بچوں کو ساتھ لے جاتے۔

صبر بھائی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے فوراً پروہ گر اویزا تھا۔ گڈو آج کے پاس گیا۔ وہ گچھری تیاری میں مصروف ہو گئی۔

اپنا راستہ میں کافی دیر بعد ہی آئی تھی۔ رانہاری مہور کرتے ہوئے اس کے قدم سست پڑ گئے۔

"میری اجازت کے بغیر میری بچے کس طرح کراچی چلے گئے۔"

"وہ اکیلی تو نہیں گئی۔ اپنے ہاسوں کے ساتھ گئی ہیں۔" چچا جان کی کڑوا آواز ابھری۔



"اچھا ماموں ہے۔ بچوں کے لیے اتنی اہمیت اور بچوں کے باپ سے ملنا تک گوارا نہیں کیا۔"

"ہم نے نہیں بتایا اسے کہ تم کو کون سے ہو۔"

"جی۔" اس کا لہجہ ہلکا ہو گیا۔

"اس لیے کہ تمہارا ہال وقتی ہے پھر اپنے گھر کو تشریف لے گا فائدہ۔"

"اوہ۔ حیرانی تو بہت تھی مجھے کہ موصوف اپنی دکھیا بہن کا حساب کتاب لینے نہیں آئے۔"

"حسن۔ اتنی دورست کمرے ہو کر کبھی پاس بھی نہ آ سکو۔ صبور تمہاری بیوی کا بھائی کسی لیکن تمہارا بھی خون ہے۔"

"وہ میرے بڑے بھائی کی اولاد ہے تمہاری اور اس کی رگوں میں ایک خون دوڑ رہا ہے۔ وہ "موصوف" نہیں تمہارا بھائی ہے۔"

چچا جان اس کے لہجے کی زبردستی اجنبیت برداشت نہیں کر سکے۔

"حسن۔"

"جی۔"

"بیٹے بس کرو۔ خدا ہمارا سہی میاں بیوی میں ہو جاتی ہے۔ کیوں مجھے خدا اور گور کرنے پر تنہا ہونے ہو۔"

"گو۔ جو کچھ بھی ہے ناقابل بیان ہے۔ آپ سے کتنی سچ کہ چکا ہوں کہ اس موضوع پر بات نہ کیا کریں پلیز۔"

"بہت بچھاؤ گے۔"

"بہت بچھاؤ رہا ہوں۔"

"کاش خدا نے مجھے اولاد نہ دی ہوئی۔" اس نے کرسی کی پشت سے سر نکال دیا۔

"حسن۔ محبت ایک دم نظر میں نہیں بدلا کرتی۔" انہیں وہ دن یاد تھے جب حسن کی ہر حرکت سے اس کے

جذبات کا اظہار ہوتا تھا۔ شہاد کے لیے۔

"دھوکا کھایا انسان زخمی شہر ہوتا ہے۔"

میں سارے سخی پڑ چکا ہوں۔ جو نہیں پڑتے تھے وقت۔ نے پڑھا دیے ہیں۔"

"حسن۔ وہ بہت سارا اور ٹیک بٹنی ہے۔"

"ہاں۔ سارا تو وہ بہت ہے۔" حسن نے جھکی سے ذوقی بات کی۔

☆☆☆

ابھی وہ ہمارے مسئلے سے ٹٹ نہ پائی تھی کہ اسی نے صبور بھائی کو کون سا بھوایا کہ خود وہ آ کر نہیں دیتی چینیوں

میں بچوں کو کسی کراچی بھیج دے تاکہ انہیں بھی پتا چلے کہ ان کے کس قدر رشتے دار ہیں۔

صبور بھائی کی آمد سے وہ پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی کہ کھڑے نہ پڑ نہ جائیں۔ چچا جان کو ابھی بھی امید تھی کہ

حسن ایک دن گھر لوٹ آئے گا اس لیے انہوں نے بھی کسی پر اپنے گھر کیلئے حالات آڈکارا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن صبور کو دیکھ کر انہیں بھی پریشانی سی ہوئی۔ مہاراجوں کے منہ ہی سے ماموں کے سامنے کوئی بات نکل

جائے جبکہ بھائی کو فون پر وہ "سب خیریت ہے۔" کہتے رہے تھے۔ آج کل ان کی گوشوں میں تیزی آگئی تھی کہ حسن کا

اکراؤ "کچھ کم ہو جائے لیکن صبور بھائی نے بتایا وہ دونوں سے زیادہ نہیں غم میں گئے۔"

جب اس نے بچوں کو بھابھا گھر ماموں کے ساتھ کراچی بھیج دیا کہ وہ گھر سے حلقہ کوئی بات نہ کریں۔

یہ بات اسے بھی پتا تھی کہ یہ باتیں چھپنے والی نہیں۔ لیکن جتنی دیر پردے میں رہے بھر ہے کہ صدیق وہ

نا سوس رہتا پتا جتنی تھی۔

سارے خاندان کو پتا تھا کہ حسن اکثر دور سے ہی ہوتا ہے مگر احمد دن ملک کبھی دن ملک۔ اس لیے ابھی

تک بات چینی ہوئی تھی اور اس لیے بھی چپ کھنکھناتی تھی کہ کھڑے کے نور احمد حسن چچا جان چلا گیا تھا۔ ۱۔ یہ وہاں کے لیے۔

صبور بھائی کی موجودگی میں وہ چور کی دلائی میں تھے کے صدیق خواہ مخواہ ہی بے قراری پریشان سی بھارتی

ہی۔ گاہے گاہے بچوں کو بھائی رہی کر اپنے گھر سے حلقہ کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ کوئی یہ بھی بتا دین کہ چچا جان

سے نہیں آئے۔

"شہاد۔ اس بات کو چچا جانے کا کوئی فائدہ۔" بارہا اس کے قلب سے آواز آتی۔

"کب تک چھپے گی یہ بات۔"

کہ تم ایک روٹی ہوئی دھکاری ہوئی عورت ہو۔

تمہارا شوہر تمہاری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

معاشرے میں تمہارا سر کا کرنے والا وہی غصہ ہے۔ جس کی تم نے پریشانی کی ہے۔

تیرا لیاں چایا ہے۔ جا کر رکھ دو۔ لے۔ خدا معلوم کب صورت دیکھنے کو ملے۔

جا بلی جا۔ بھائی کے سینے سے سر نکال کر نہ رہو لے۔"

اس کا دل بری طرح تڑپا کہ کسی طرح وہ بھائی پر حقیقت آڈکارا کرے لیکن ہر مرتبہ حوصلہ جواب دے گیا۔

یہاں تک کہ وہ بچوں کو ملے کر پلے گئے۔

وہ اس کو خیر کرنے کے باوجود اس طرح آتا تھا۔ بھی باپ کی عیادت کرنے بھی بچوں کو ساتھ لے جانے۔

صبور بھائی کے جانے کے تصویر دیر بعد ہی اس کی گاڑی پورقی میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے فوراً پوچھ کر دیا

فائدہ آ آیا کہ پاس گیا۔ وہ پچھری تیار میں مصروف ہو گئی۔

اپنی دانست میں کافی دیر بعد واپس آئی تھی۔ دماغی طور پر کرتے ہوئے اس کے قدم پڑ گئے۔

"میری اجازت کے بغیر میری بیٹے کس طرح کراچی پلے گئے۔"

"وہ اکیلی تو نہیں گئی۔ اپنے ماموں کے ساتھ گئی ہیں۔" چچا جان کی کمر و آواز ابھری۔

"اچھا ماموں ہے۔ بچوں کے لیے اتنی اہمیت اور بچوں کے باپ سے ملنا تک گوارا نہیں کیا۔"

"ہم نے نہیں بتایا اسے کہ تم کو کون سے ہو۔"

"جی۔" اس کا لہجہ ہلکا ہو گیا۔

"اس لیے کہ تمہارا ہال وقتی ہے پھر اپنے گھر کو تشریف لے گا فائدہ۔"

"اوہ۔ حیرانی تو بہت تھی مجھے کہ موصوف اپنی دکھیا بہن کا حساب کتاب لینے نہیں آئے۔"

"حسن۔ اتنی دورست کمرے ہو کر کبھی پاس بھی نہ آ سکو۔ صبور تمہاری بیوی کا بھائی کسی لیکن تمہارا بھی خون

ہے۔ وہ میرے بڑے بھائی کی اولاد ہے۔ تمہاری اور اس کی رگوں میں ایک خون دوڑ رہا ہے۔ وہ "موصوف" نہیں تمہارا

بھائی ہے۔"

چچا جان اس کے لہجے کی زبردستی اجنبیت برداشت نہیں کر سکے۔

"حسن۔"

"جی۔۔۔"

"بیٹے! بس کرو۔۔۔ غصہ نہ رکھو! یہاں تو یہی میں ہو جاتی ہے۔ کیوں مجھے زخمی و زکریا کو گور کرنے پر متے ہوئے ہو۔"

"نہ۔۔۔ جہ کہ کچھ بھی ہے کا قائل ہوں ہے۔ آپ سے کتنی مرید کہ چکا ہوں کہ اس مہاجر پر بات نہ کیا کریں بلکہ۔"

"بہت بچتا ڈکے۔"

"بہت بچتا رہا ہوں۔"

"کاش خدا نے مجھے اولاد دی ہوتی۔" اس نے کرسی کی پشت سے سر نکال دیا۔

"حسن۔۔۔ محبت ایک دم نگر میں نہیں بدلا کرتی۔" انہیں وہ دن یاد تھے جب حسن کی ہر حرکت سے اس کے

جذبات کا اظہار ہوتا تھا۔ شہلا کے لیے۔

"دھوکا کھا یا انسان! زخمی شیر ہوتا ہے اور"

میں سارے سب پر چڑھ چکا ہوں۔ جو نہیں بڑھے تھے وقت۔ نے بڑھا دیے ہیں۔"

"حسن۔۔۔ وہ بہت صابر اور ایک بچی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ صابر تو وہ بہت ہے۔" حسن نے جگہ سے اڑھائی ہات کی۔

"اس طرح کیسے گزرنے کی سن۔؟"

"میں دوسری شادی کروں گا۔"

بچا جان کو جھٹکا ملا۔ وہ بہت آگے بڑھی کیا تھا۔ "برائے میری آنکھ میرے سامنے اس قدر ہلکی بات نہ کی جائے۔"

"جو ضروریات تھیں وہی ہیں وہ شہلا کی بھی ہیں اپنے لیے راستے سوچتے ہو اس کے بارے میں کیا سوچا۔؟"

"کیونکہ وہ دھوکے باز ہے اس لیے اسے اپنے حصے کی سزا ضرور چھیلنا چاہئے تاکہ اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ

رہے۔" وہ شان استقامت سے گویا ہوا۔

"استغفر اللہ۔ تم جانتے ہو یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ کوئی پاکیزہ عورت پر بہتان لگائے تو

اسے چاہیے کہ چار گواہ پیش کرے ورنہ دوسری صورت میں بہتان طراز گور سے لگائے جائیں۔" بارے میں شہلا کے وہ اپنی

بات جاری نہ کر سکے۔

"دن میں سب کچھ مرید میری مراد کی اور غیرت پر گور سے برستے ہیں اور۔ میں ان دنوں کی اذیت نہیں

سہوں گا۔ جس نے مجھے اتنے بڑے مذاپ سے دوچار کیا ہے وہ تمام تعلیموں میں مجھے دار ہوگی۔ رہی گواہی کی بات جو

عشق کے آتش دان میں دیک رہا ہے۔ ایک دن بے قرار ہو کر یہاں موجود ہوگا۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔ اس کی تحریر کی سطر سطر

آج دیتی ہے۔ وہ ایک دن یہاں آ جائے گا۔ بے ساختہ۔ کہ اسے خود بھی چاہیوں چل سکے گا۔ چار گواہوں میں۔ آٹھ

گواہوں کا آئینہ ہوگا۔ دیکھ لیجئے گا۔"

"اے کوئی ہوتا تو کب کا آلیتا۔ ہاں انسان۔ کیوں اپنے گھر کی آگ بھڑکا رہا ہے۔؟" وہ شہلا سے ہو گئے۔

"آگ لگنے والا قصور وار ہو گا یا بھڑکانے والا۔؟ ظلم کی انتہا ہی ظلم ہے۔ ہاں سب لائیں۔"

"تو پھر تم اسے آزار کرو۔ تاکہ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکے۔" بچا جان نے بد وقت تمام اپنی بات

کہی۔ وہ اس کا مستقبل کا پرگرام بنانا چاہ رہے تھے۔

"وہ صرف میرے سر پر شاہی پائے بھانے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔ اور لا۔ ایک ہاں سن لیجئے۔ آنکھ

بہ میں آؤں تو اس قسم کی باتیں نہ ہوں۔ اور نہ۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "خود کو چھڑا کر لوں گا۔"

ازدیح ملین

بھالی رب نواز

اسلام علیکم

خیریت سے مطلع کرتے ہوئے آپ سب کی خیریت کا طالب ہوں۔ آپ کے خط ملتے رہتے ہیں۔ نین روز پہلے آپ کا خط ملا تھا بیش کی طرح آپ نے لکھا کہ اس کی بہت یاد کرتی رہتی ہیں۔ مجھے اس کا احساس ہے۔ میرا پرگرام ہے کہ میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر پاکستان آ جاؤں لیکن ایک بات یاد رہے جو میں اس سے پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ میری بیوی یہ سمجھتی ہے کہ وہ ہمارے درشت دار ہیں آپ سب کو بھی یہی ظاہر کرتا ہے میں نے آپ کو یہ لکھا تھا کہ وہ طویل وقتی بیماری کے بعد مستحیاب ہوئی ہے۔

اس کا بھی بہت اسرار ہے کہ وہ آپ سب سے ملے۔ اس سلسلے میں آپ لوگوں کو میری ہدایات یاد رکھنا ہے۔ آپ لوگوں سے ملنے کے بعد یا تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی یا پھر اور زیادہ بیمار ہو جائے گی۔ اب اس کا پریشان ہونا میرا پریشان ہونا ہے۔ میں نے اسے یہی بتایا ہے کہ وہ میری ماں کی بھانجی ہے اور اس کی کو بھی اس کی خالہ بن کر ملتا ہے میں اسے پہلے ماری یا تم لکھ چکا ہوں میرا خیال ہے بار بار لکھنے کی ضرورت نہیں آپ اماں جی کو اور ابھی طرح بھانجی رہا۔

آپ نے بچے کے بارے میں پوچھا ہے تو عرض ہے وہ ماشاء اللہ صحت مند ہے توڑی توڑی باتیں کرتا ہے میری بیوی عمل طور پر صحت مند نہیں ہے ابھی وہ پچھلا وقت یاد کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اس سے ملنے کے بعد آپ لوگوں نے اسے یقین دلایا ہے کہ آپ لوگ اس سے ابھی طرح واقف ہیں باقی باتیں پاکستان آنے پر ابھی طرح سمجھا دیں گا۔ اماں جی، بھانجی، اماں اور چھوٹی اور بچوں کو بچا۔ خود شید تو اپنی بیوی کے ساتھ کراچی ہی میں ہو گا۔ پھر وہ دن اسے میں نے اسے فون کیا تھا۔

آپ کا ملک نواز

اس نے خط لکھنے میں ڈال کر مس آؤ کو خوشخبری سنائی کہ وہ جلد ہی پاکستان چار ہے ہیں۔ مس آؤ اس خبر سے بے حد خوش ہوئیں اور اپنے بھائی بھینوں کے لئے تحائف خریدنے کا پروگرام بنانے لگیں یہ ان کا جوش و خروش دیکھ کر ٹوٹنے لگی ملک نواز سے کہا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بھائی کے لئے تحائف خریدے گی۔ ملک نواز نے اسے فوراً رقم میا کر دی۔ اور کہا کہ وہ آج انہیں شاہجہ سینگ چھوڑتا ہوا چلا جائے گا۔

"مس آؤ۔۔۔"

"جی سر۔۔۔"

"پاکستان سے واپس پر ہم یہ پارلمنٹ تبدیل کر لیں گے۔"

"کیوں سر۔۔۔" وہ حیران ہوئیں۔

"یہ پارلمنٹ بہت چھوٹا ہے۔ مجھ اکیلے کے لیے تو کافی قاضیین جلی کے ساتھ اسے سے گھر میں پرانے ہوئی ہیں۔ اور ہاں۔ ملازمت کی شرائط میں ایک شرط اور نوٹ کر لیں۔"

"جی سر۔۔۔" وہ پریشان دکھائی دیے انہیں۔



"آپ میرے علم میں لائے بغیر کسی کو سنے اپارٹمنٹ کا ایڈریس نہیں دیں گی اور نہ ہی کسی کو میری اہواز کے بغیر مدعو کریں گی۔"

"کی۔ ۲۔ وہ شرائط ان کرہوقتی ہو گئیں۔"

"آپ پاکستان چل رہی ہیں ان شرائط پر غور کرنے کے لیے آپ کے پاس کافی وقت ہے آپ کا یہ ملازمت چھوڑیں۔"

انہوں نے ہول کر ملک تو اڑکی شکل دیکھی۔ اس شخص کی وساطت سے انہوں نے زندگی کے بہت سے ارمان پورے کیے تھے۔ ان کی خدمات کا بہت مستقل مشاہرہ انہیں ملا کرتا تھا وہ اس گھر میں بہت آزادی سے گھومنا پھرتی تھیں۔ مسٹر ملک تو آفس کے بعد اپنے بیڈ روم میں بند ہو جاتے تھے اور ان کے گھر کی اصل کرتا دھرتی ہوتی تھیں۔ دنیا کی بیش قیمت چیزیں اس گھر میں موجود تھیں جن کو استعمال کرنے میں وہ بڑی طرح آزاد تھیں۔ جدید ترین مشینری اس گھر میں مہیا تھی۔ ایسی ایسی چیزیں ان کے استعمال میں تھیں جن کا تیسری دنیا کے ممالک میں تصور بھی نہیں تھا۔ ہر چیز ان کی ملکیت کی طرح تھی۔ جتنی خوبصورت کرکری کا انہیں جنون کی حد تک شوق تھا اور اس گھر میں جدید ترین کرکری فریکس اور اٹلی کی تیار شدہ استعمال ہوتی تھی ان کے ساتھ ملازموں والا روہی نہیں اپنایا گیا تھا۔ ان کا اپنا بیڈ روم شانہ پانہ طریقے سے آراستہ تھا۔ ملک نواز سے مل کر ان کی ڈیجروں خواہشات کی تکمیل ہوتی تھی۔ انہیں اپنی گواہ میں سے رقم خرچ کرنے کی ضرورت بھی کبھی پیش آتی تھی۔ اپنی اس ملازمت کے دوران انہوں نے اتنی رقم پس انداز کر لی تھی کہ پاکستان میں جا کر کوئی خوبصورت ساقیت خرید سکیں۔

وہ اتنی نادان نہیں تھیں کہ چند شرائط کی وجہ سے اتنے بیش و آرام کو خیر کر مار سکیں۔ انہوں نے سرائی کر شرائط قبول کر لیں۔ کہ ملازمت انہیں اور بھی مل سکتی تھی لیکن اتنے فحاش بات والی زندگی شاید ہی مسراتی۔ مسٹر ملک بھی بالکل بھی شاید کوئی نہیں ہوتی۔ وہ کسی بھی آمد کی گمرانی نہیں کرتی تھیں کہ وہ کیا کھاتی ہیں کیا پیتی ہیں کس طرح رخصتی ادا کرتی ہیں۔ بالکل اپنے گھر میں بات تھی اور پھر طلب سے وہ بوسن آتی تھیں ان کی ہا سیمیاں طیبہ وہ ان سے مرعوب تھیں۔ چلنے والے طیبہ و متحر تھے۔ ملک نواز سے ملاقات اپنی کسی کم گفتہ نیکی کا ثر وہی سمجھتی تھیں۔ اور پھر وہ اس اور اپرٹمنٹ کی مہک سے بے باحول کے مقابلے میں اس گھر میں رہائش پر لحاظ سے قطع نظر تھی۔

"میرا آپ بے فکر ہیں جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔"

"آپ جلدی نہ کریں بہت وقت ہے آپ کے پاس سوچنے کے لیے۔" اس نے اظہار الٰہی سے کہا۔

(سوچنا کیا۔ اتنے فحاش سے رہنا اور اتنی حسین صورتوں کے بیچ رہنا۔ کسے برا لگ سکتا ہے؟)

☆☆☆

مس آمنہ اختر عورت سی دی گرا پتی کینٹ چلی گئی تھیں جب کہ ملک نواز کو اگلے روز لاہور جانا تھا تو انہوں نے شہر کے ہمارا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئے خود رشیدی دیوی موٹا سا پانچ پکڑے پڑے اطمینان سے ہر رات صوری تھی۔ ملک نواز کو دیکھ کر چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"ساہلکم صاحب۔ بیگم صاحب۔"

"وہیکم اسلام بھی۔ یہ خود رشیدی کہاں ہے؟" وہ سوٹ کینٹ اٹھا کر راجداری کی سمت چلا۔

"صاحب رہے ہیں۔ وہ تمام کام کو باہر گیا ہے؟ کہہ دے گا آپ ہی۔"

"نہیں۔ کوئی بات نہیں۔"

خود رشیدی کو اٹھانے ابھی کینٹ ہی میں ڈالی ہوئی تھی۔

"چلوڑیا۔ تم اندر چلو۔"

وہ چاروں جانب کھوجتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ملک نواز نے بتایا تھا کہ یہ ان کا ذاتی گھر ہے پاکستان واپسی پر وہ بیگم رکھتا ہے۔ اس نے بیگم کی خوبصورتی کا اندازہ باہر سے ہی کر لیا تھا۔ اس نے شہر کو اپنے چارہ چارہ خود شکم جو کچھ راجداری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی لیکن اسے یہ دیکھ کر سخت کوفت ہوئی کہ سوائے اراک رک روم کے تمام کمرے لاکڑے دروازے پر بند تھے۔ اسی وقت ملک نواز راجداری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہاں کمرے کھڑے تھے۔

"یہ کمرے تو بند ہیں۔" اس نے اشارہ کر کے بتایا۔

"ہوں۔ ابھی خود رشیدی آتا ہے کھول دے گا۔ تم جب تک ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔" اسی وقت بے پایاں خوشی پر کھانا ہوا خود رشیدی اندر آیا۔

"سلام صاحب۔ صاحب آپ نے تو کچھ بتایا نہیں۔ اچانک۔ تک۔ تک۔" شہر پر نظر پڑتے ہی وہ بڑی طرح ہلکا کر رہا گیا۔

سرخ شلوار قمیض میں لمبے ٹریا کو دیکھ کر وہ پکڑا کر رہ گیا تھا۔ اسے اس میں بہت سی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین و تر و تازہ دکھائی دے رہی۔ بالوں کی تراش بہت خوبصورت تھی ہتھ سا وہ پتہ گئے میں نکالے ہوئے اس کی بے نیازی قابل دید تھی۔

"یہ خود رشیدی ہے شہر۔"

"جی آپ نے بتایا تھا۔ آپ اس سے کہیں کہ یہ کمرے کھولے۔"

"خود رشیدی کمرے کھول دو۔"

"ایک منٹ صاحب۔" وہ کھانا چاہیاں لینے گیا تھا۔

"شہر کہاں ہے۔؟" اچانک ملک نواز کو خیال آیا۔

"اس کی دیوی کے پاس ہے۔ عجیب گندی کی لڑکی ہے۔ جب کہ یہ خود رشیدی تو بہت صاف ستھرا ہے۔" شہر نے ہانک کھڑی۔

"ملک۔ کیا گاؤں بہت دور ہے۔"

"ہاں کافی دور ہے۔" اسی وقت خود رشیدی داخل ہوا اور ایک ایک کر کے تمام کمروں کے اک کھول دیے۔ شہر نے ونڈل گھر گھر کھارو اور اسے کھول دیے۔ ملک نواز بخور اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا اسان ملکیت اور غریب سی بے نیازی شہر کی ہر حرکت سے عیاں تھی۔

"اسے لاکے۔ کیا نام ہے تمہارا۔ تمام کمرے کھول دیے بناؤ۔"

خود رشیدی نے جھٹ علم کی تکمیل کی۔ کمرے روشن ہو گئے۔ تمام کمرے صاف ستھرے تھے۔ شہر نے وارڈ روم کا ہاتھ بیکر کھانا ہول منی دیکھا چاہی لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ ایک تیس مرداتے ہوش کی دنیا میں پہلے پہل ملتا تھا اسی کی ٹیکسٹ اس کے روم روم پر لگ گئی تھی۔ شہر کا جھولا دیکھ کر وہ مسکرائی۔

"اچھا دیکھیں شہر اور میں یہاں رہ کر چاہئے ہیں لیکن مجھے ذرا پاپا نہیں۔ کہاں ہے۔"

"اچھا۔ یہ امارا بیڑہم ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

ملک نواز ہونٹ جھپکے بنور اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

گاؤں میں شور مچا کر کیا تھا کہ ملک کی چھوٹی بہو آئی ہے اس کے سے۔ ایک جم غیر تھا جو لہن دیکھنے لوٹ کر پڑا تھا۔

ٹریلا لائٹ براؤن شٹلر سوٹ میں لباس تھی دو پند اس نے مخصوص انداز میں گئے میں انکار کیا تھا کہ وہ میں شہر کو گھر سے پہنچی تھی۔

لوگوں کو مایوسی نہیں ہوئی۔ اونچی، لمبی، چوڑی اور بے پناہ خوبصورت اور بچہ بھی بے حد حسین و صحت مند۔ ملکائی نے جھٹ بہہ جینے پر سے صدمے اتارے۔

ملک باز دلچسپے ایک موڑ سے پریشان تھا شاید دیکھ رہا تھا۔

گاؤں کی لڑکیاں ہانپک جھپکائے بنور ٹریلا کو دیکھ رہی تھیں۔ ٹریلا گاہے گاہے ملک نواز کو دیکھ کر مسکراتی تو لڑکیاں بھی شرم کر مسکراتی تھیں۔

گاؤں کی عورتیں ملکائی کو مبارکباد دے رہی تھیں انہیں ملکائی کی بہو بہت پسند آتی تھی۔

"تھک گئی ہوگی پتر۔" ملکائی نے خوشی سے نہال ہو کر خوشبوؤں میں بسی بہو کو سینے سے لگا لیا۔

"انہیں خالہ جان کوئی۔ یہ تمہاری خالہ ہیں۔ تمہاری امی کی بہن۔" تھائی میسرآ سے ہی اس نے ٹریلا کو سمجھا دیا۔

"آپ نے پہلے بھی بتایا تھا۔"

"اور کھو۔" وہ قمیض کے جین کھولتے ہوئے پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"اماں جی۔" اس نے سیدھے سوال کرنے نہ بیٹھ جاتا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ نا۔"

"ہوں۔" اس نے نیند سے یوگھل آگئیں کھول کر ہٹا کر ابھرا تھا۔

اسے سوتا دیکھ کر ملک نواز اماں جی کے پاس چلا آیا تھا۔ ملکائی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"خیر نا۔ پتر۔ آ جا۔ میرے گول بہہ جا۔" (خیر سے آ جتا میرے پاس بیٹھ جا) ملکائی کے چہرے سے روشنی کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔ ملک نواز ماں کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے روئیں روئیں میں غصہ اور اپنائیت کا احساس سرایت کر گیا۔ گویا صبر اور ست کی طویل سیاحت کے بعد گھنے درخت کی چھاؤں میں آئی ہو۔

"دو ٹائی۔ سو گئی اسے۔ پتر۔" وہ لہن سو گئی ہے جینے؟

"جی اماں جی۔"

"پتر۔ یہ وہی ہے جس کے گھروں تو نے حیاتی برہادی۔" (جینے یہ وہی ہے جس کی خاطر تو نے زندگی بہا دی کی) انہوں نے جینے کی مضبوط پشت پر ہاتھ پھیرا۔

(آہ۔ کاش ایسا بھی ہو جاتا)

"لیکن۔ اماں جی۔ میں نے تو کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے کوئی پسند ہے۔" اس نے قہر سے ماں کی سمت دیکھا۔ "تو نے نہیں کہا۔ تیری صورت نے ہزار بار کہا۔ ساری حیاتی۔ تیری فعل رکھ کبھی رہی ہے۔ پہلی بار ہی میں نے تیری صورت پر سکون دیکھا ہے۔"

پتر تیری پریشان صورت میرے کالے (کلیے) میں آگ بھڑکی تھی۔ مولا۔ تجھے کھدے مولا اس صحت کا جبرے لے لے ہا کو ان مولا۔ آئین۔" ملکائی نے آج کل پہلا کر عادی۔

ملک نواز گویا فٹلے سے ساناہوں میں آگیا۔ کیا ہوتے ہیں ماں باپ بھی میری ات سے ماں کو آج تک سکھائیں مولا اور یہ قطرہ قطرہ چھلتی ہے اور عادی ہے۔ اسے احساس ہو رہا ہے کہ خوش نصیب ہے۔ اس نے جلدی کی اور ماں نے منہ پھیر لیا۔ ہر بے ہودگی پر سینے سے لگا کر عادی۔ ماں۔ واقعی اہول ہوئی ہے۔

ماں جینے کے بعد عورت کتنی قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ اپنی اتنی کج دیتی ہے۔ بچے روتے ہیں تو تڑپتی پھرتی ہے۔ بچے ہنستے ہیں تو مسکراتی ہے۔ بچوں کو دکھ ہوا تو انکاروں پر چلتی ہے۔ بچے خوش ہوں تو سکون سے سوتی ہے۔ آہ۔ ماں کو تو چھانے کی طرح سنبھالنا پڑے۔ کبھی دکھیا جان ہوتی ہے ماں کی۔ اولاد تو اس کے ہڈیوں کی رقی نہیں پائے گی مگر پاپا ہائے قد مولاں پر سر رکھ کر کبھی نہ اٹھائے۔

میں جانتا ہوں ماں۔ تو میری خاطر قطرہ قطرہ چھلتی ہے۔ انکار و انکار ہو گئی ہے۔ میں تیری آنکھوں میں جھانکتے اور تھا کہ تیرے سارے خوبصورت جذبے آنکھوں کے راستے کچھ میں نہا رہا تھا۔ میرے پاؤں میں زنجیر نہ پڑ جائے۔ ماں کی نرمی اور محبت نے ملک نواز کے وجود میں آگ بھڑکی تھی وہ ملکائی کی آغوش میں سر رکھ کر لیت گیا۔

"اماں جی۔"

"ماں قربان پتر۔" ملکائی نے بے قرار ہو گئی۔

"اماں جی۔ میں بہت بڑا محرم ہوں۔ بہت بڑا گنہگار۔"

"زب نہ کرے پتر۔ اسے وہ صورت نہیں ہے۔ پتر۔ ماں کا دل بن (اب) کنز رہو گیا ہے۔"

"اماں جی۔ کبھی سے کوئی ایسا بندہ ملا۔ جو ایک بار میرے سارے جینے لے۔"

"مجھے سنا ہے پتر۔"

"میرے منہ پر قہقہہ نہ دیتاں۔"

ملکائی نے بے قرار ہو کر ملک نواز کی پیشانی چوم لی۔ اپنی ہڈیوں کی سوا (راکھ) ہا کے تیری آنکھوں و حق پاؤں میرے مال۔ میں کیسے تمہاں کی کیلے۔ (پاگل)

"اماں جی۔ میری اصلیت بہت بری ہے۔" وہ آہستگی سے اور بڑے دکھ سے گویا ہوا۔ "اماں جی چارو رو پانے والی سے جھوٹ نہیں بولا جا رہا۔"

"میں نے تیرے سامنے جمولی پیار کر کہا ہے۔ ماں صدقہ۔ سارے دکھ کہہ دے ماں سے میں زندہ ہوں تیرا ہر دکھاؤں کی سوچنے پتر۔ تو کہہ تو سکی۔"

"ڈرتا ہوں ماں۔ اس رات کے اند میرے تو مجھے اور میرے یہی بچے کو باہر نہ نکال دے۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر ماں کو دیکھا۔

"ساری حیاتی میرے توں دور رہا ہے۔ تری ہوئی نظراں ہیں۔ میرے نال مذاق نہ کر۔ کہہ دی دے۔ اپنا گناہ۔ اپنے جرم۔ میں تیری ماں آں پتر۔" اس نے جھک کر ایک بار پھر ملک نواز کی پیشانی چوم لی۔

"اماں جی۔ یہ جی ماں کے سامنے جائز نہیں۔ غیرت کو گوارا نہیں۔ میں منہ موڑ کر جی کھوں گا۔ تو نے خاموشی سے سننے میں سارے جی۔"



"جیسے خدا اور فرشتوں کے آگے میں نکلا ہوا اس قدر جس قدر بھی میری حقیقت سے اٹک جتا ہے مجھے  
میں۔ ماں کے سامنے کہہ دوں گا۔"

ملانی کا بچہ کانا

(آتی بڑی دیکھتا ہے اسے سارے انسانوں میں جگہ کہنے کے لیے ماں تیرا انتخاب کیا ہے) اس نے ماں کو تپا  
کہ اے جیری! آج ہی کس طرح آئی تھی۔ وہ کس طرح حرف آشا ہو کر دیا تھا۔ کس طرح وہ ملانی سے ملنے لگا۔ کس طرح تپا  
اور کس طرح ایک رات بد نصیبی کھلے بالوں کے ساتھ بندہ وہ اسے پھٹکا کر آئی کس طرح وہ گزرا روایت  
کی زنجیر میں گر کر رہا ہو۔

اس نے تپا کیا کس نے کب حرام آپ حیات نہ کو لگا یا اور کس طرح چھوڑا۔

ملانی دم سارے اس کے اعتراف گناہ سن رہی تھی۔ وہ گناہ سے زیادہ بیٹے کے مال سن رہی تھی۔ وہ اعتراف  
سے زیادہ اس کی محرومیاں محسوس کر رہی تھی۔ اس کے بیٹے کے خاموش آنسو اس کے قلب پر گر رہے تھے۔ اس کا بچہ پھٹ  
رہا تھا کہ جس بیٹے کو وہ پھٹکی کا چھال بنا کر رکھنا چاہتی تھی وہ کڑی صوب میں جلا اور۔ خوب جلا۔ مٹا اور دل کھول کر مٹا اور  
جلا۔ اور بغیر آواز لگائے جلا۔ بڑا اور تپا تپا۔

وہ اعتراف کر رہا تھا اور وہ انگوروں پر پھسل پھسل کر گر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سارے  
دکھ اس کے سارے مطال۔ اس کی ساری محرومیاں ایک محوخت میں بی جا رہے۔

ماں کی دگوں سے خون نچڑ کر پینے والے۔ بھوک مٹانے والے۔ ماں دشمن نہیں سب سے بڑی  
رازا اور۔ وسمنا ہوئی ہے۔ ماں زندہ ہو تو اولاد کو کھائیں اٹھائی۔

بزار واری تھے سے تیرے دکھ بچھے نہیں۔؟

بزار واری تھے آوازوں کے جلا یا کو نہیں۔؟

ملک نواز نے اپنی ایک ایک واردات سے ماں کو مطلع کیا۔ وہ سانس رو کے خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے  
آنسو گرتے رہے ملک نواز کے گریبان کو بھگوتے رہے۔

یہ سب واقعات ملک نواز کا خاموشی ہو گئے تھے اور ماں کے جی کا آزار۔

اس نے شہلا۔ بڑا تنگ حرف حرف جی ماں کے سامنے کھول دیا۔

"چتر۔ ا۔ ان کی آواز کسی گھر سے کونیں سے سنائی دی۔

"جی ماں جی۔؟"

"پہلے کیوں نہیں بولا تھا۔"

"ماں جی پہلے آپ بہت سخت تھے۔ آپ مٹی ہونے تو میں بھی پانی ہو گیا۔ میں اتنا بدل گیا ہوں۔ اور ماں  
جی آپ بھی اتنا بدل گئے ہو۔"

"چتر۔ ہنگامی کیا اسے (اچھا ہی کیا ہے) یہ کام تو تو نے مردوں والا کیا ہے۔ آخرت کے بڑے عذاب  
سے خود کو بچایا ہے۔"

(عاقبت کے عذاب سے تو ناقابلِ برداشت ہیں) اس نے جی سے سوچا۔

"وہ اپنی بری نہیں اسے چتر۔ پر دکھ کی گل اسے ہے۔ کہ "یہ۔" وہ "میر بھی نہیں ہے۔ تو نے دیکھا کہ وہ

اسے چتر۔"

"ہاں۔ ہاں۔ ہی ہوئی ہے۔ بات بہت اچھی طرح سمجھ گئی ہے۔"

"اس کا نام تقدیر ہے شاید۔ ماں جی۔"

"چتر۔ میرے کول اک گل تے اس۔" (مجھے ایک بات تو بتاؤ)

"جی ماں جی۔؟"

"چتر۔ او۔ یہاں ہوئی ہاں بچوں والی اسے۔؟"

"تپا یاں ماں جی۔ بڑا کی بھابھی ہے۔"

"چتر۔ تو نے اوپر سے مال کوئی ایسی گل بات تو نہیں کر دی کہ اس کے آدمی کی نظر میں آگئی ہو۔؟" ماں نے  
بڑے غیب سا سوال کیا۔

"نہیں ماں جی۔ میں نے اس کے ساتھ کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ایک بار لطفی سے اس سے معاملہ اسے  
لکھ دیا تھا۔ اس کی شرم مجھے آج بھی ہے۔ لیکن وہ کچھ اور عورت ہے اس نے ضائع کر دیا ہوگا۔ لیکن مجھے محسوس آج بھی  
ہے برداشت سے کام لینا چاہئے تھا۔ جیسا ہے۔ کچھ مانے کا کام بھی نہیں تھا۔"

"ہاں چتر۔ یہ تو نے غضب کیا۔ اگر اس کے آدمی کے ہاتھ وہ چٹنی لگ جاتی۔ چتر مرد کا دماغ بن کر چرچا  
ہوتا۔ جب وہ تیرے کسی کام کی باتیں تھی تو کم از کم اسے گھر بار میں خوش رہنا چاہی اسے۔"

"اس کے گروں ہو یا تو وہی۔ پر تو وہی ہے قصور اسے۔ بھنوں کے کچا بوجھ بھاری بگڑا ہوا۔ اسے  
نے ملدی ہوگی؟" (تو بھی کسی کے پیچھے جاگل ہوا۔ لیکن تو بھی بے قصور ہے۔ بعض لوگوں کے کیلئے میں خدا آگ رکھتا  
ہے۔ اب تو جی ہوگی) ماں نے بہت سارے اظہار چھپا کر بیٹے کو کر دیا۔

ملک نواز کو احساس ہوا۔ داستان اور جوری رو گئی۔ اس نے پھر تحصیل سے ماں کو تپا۔

"چتر۔ او۔ تے کھلے ہو گئے ہوں گے۔ جوان مٹی۔؟ چتر۔ اے بڑا غم کچا اسے۔ بڑا کی ماں تو مر گئی ہوگی۔  
(بیٹے وہ تو پاگل ہو گئے ہوں گے۔ جوان بیٹا۔ یہ بڑا غم کیا ہے؟) (ماں کو دوسری ماں کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔)

"ماں جی۔ اس غم کا بوجھ پورا بدلہ چکا دیا ہے میں نے۔ ایک دن تیرے ان سے چھڑنا ہی تھا۔ آپ بھی تو  
کہہ رہی تھیں جس دن سے آپ کی شادی ہوئی آپ کو دو بار وہ بدوستان جانا نصیب نہیں ہوا۔ اور تپا تپا آپ سے ملے  
بغیر رہ گئے۔"

"فیک ہے۔ پر ایس طرح نہیں ہو یا جی (پس طرح نہیں ہوا تھا) اسے خوشی کے سوا ہے تھے۔"

"ماں جی۔ آپ نے میرے سارے گناہ سارے جگ سن لیے۔ اب جو مرضی سزا دیں۔" تو تو نے گناہ  
بہاتے کہتے تھے۔ پر کھاروں اسے مال۔ سپارہ تھے معاف کرے مجھے خوشی ہے تو میرے کول آگے چکا ہو گیا اسے۔ اس  
نے تیری کرسی اسے تو شاد آوار ہے۔ سارے غم لگ جاون گے بدوں تیری اولاد الیق (الاق) لکھے کی۔"

انہوں نے اپنی کھڑی زبان میں دعاؤں کے خوانے خالی کرنا شروع کیے۔

اور ملک نواز سر سے پاؤں تک اس قدر ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس کا وجود روٹی کے کالوں میں داخل گیا ہو۔

"ماں جی۔ ا۔ اس نے ماں کی آغوش سے سرائیا۔

"سوئے چتر۔؟"

"اماں مئی۔ جس طرح ہوا پانی روشنی انسان کے لیے ضروری ہے۔ اتنی ہی ضروری اس بھی ہے۔ لہذا مئی  
آج مجھے اس حدیث کی بکھ آئی ہے کہ تمہارے ماں باپ تمہاری جنت اور رزق ہیں۔"  
"جیو خدا سے بتر۔ سویرا جھولا ہو چکی۔ کوئی گل نہیں۔" (جیو خدا جینے کا بھولا ہوا تھا۔ کوئی بات نہیں)  
ملک نوڈ نے تاروں بھرے آسمان کی وسعت دیکھ کر ماں کے طرف کا اندازہ کیا۔ کافی دیر سوچا رہا۔ پھر اورو  
کرا اندر چلا آیا۔ جہاں تریا شہر کو سینے سے لگائے خوش فیسکی کی ٹینڈ سو رہی تھی۔ ملکائی باہر کھڑے کر رہی تھیں۔ تاکا تھو کے  
نوافل کی تیاری ہو رہی تھی۔ ان کے ماتھے پر شکنیں اگرچہ گہری تھیں لیکن ایک صادق جینے کی ماں ہونے کا انکار بھی اس  
بیٹائی سے ہوا تھا۔ یہ سوچ ہی ان کے لیے اعزاز تھی کہ ان کا بیٹا کم طرف نہیں۔ ورنہ اس دنیا میں لوگوں سے کیا کچھ  
سرزد نہیں ہوتا۔ جبکہ ان کے بیٹے نے جان و مال سے کفارہ ادا کیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ تھو کے نوافل کے بعد فوری  
ان تک صرف اور صرف اس کے لیے دعا میں کریں گی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میری اجازت کے بغیر میرے بچوں کو اتنی دور لے جایا جائے۔"  
"یار۔ حسن۔ تم تھے ہی کب۔ اور پھر کیا ہم غیر ہیں۔؟" شہلا بھی عرصے سے کرا رہی نہیں آتی تھی۔  
"میں نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈالی ہوئیں۔"  
"تم کو تو کب وہ نہیں آئے۔ اور یا تمہیں کیا ہوا ہے۔؟" صبور جھلا سے گئے۔  
"میں کیا ہی کب تھا جو اپنی آتا۔"  
"لیکن تم گھر پر تو نظر نہیں آئے۔ اور پچا جان نے بھی بتایا تھا کہ۔"  
"انہیں جھوٹ بولنے کا شوق ہے تو بولتے رہیں خوشی سے۔ جبکہ میں تو اس قسم کے موقع کا منتظر تھا کہ کب تم  
لوگوں سے سامنا کرو۔"

"حسن۔ دیکھو۔ مجھے یہ تمہارے انداز کچھ میں نہیں آ رہے جو بات ہے صاف صاف کہو کیا صرف بچوں کو  
کرا پانی لانے پر اتنا غصہ۔؟" یہ بیٹے ہمارے بھی کچھ گتے ہیں۔"  
"کبھی گتے تھے۔" حسن نے بات کاٹی۔  
"معمول میں صحت بات کرو۔ میرا لٹل پریٹر بڑا ہر ہے۔" صبور پریشانی سے بولے۔  
"میرا تو کئی سالوں سے مارل نہیں ہے۔" اس نے کمنک سے فون رکھ دیا۔  
"میں تمہارے انداز دیکھنے سے قاصر ہوں۔" صبور نے اچھے ہوئے فون رکھا تھا۔  
"چا کا فون تھا ماسوں جان؟ آپ نے نہیں کیوں نہیں دیا۔؟" ہا۔ سو رہی تھی۔  
"چا جلدی میں تھے بیٹے۔" ان کے چہرے پر سوچ کے گہرے سائے تھے۔  
"ہا۔ ا۔"

"مئی ماسوں جان۔"

"اور آ آ بیٹے۔" انہوں نے ہانکوا پتے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ بیٹہ لگی۔

"انسان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ چاہا ہو۔" انہوں نے ہانکے گرد بازو پھیلا دیا۔

"جینے۔ باب میں کوئی کیا تھا تو کیا کہاں ہے۔" جی جی کا۔  
ہا کا چہرہ ایک دم پیکا سا ہو گیا۔

"آپ سے کیا کیا کہہ رہے تھے ماسوں جان۔" ہانکے الٹا سوال کر دیا۔  
"وہ مجھ پر مارش ہو رہے تھے کہ میں بغیر اطلاع کے آپ اہلوں کو کرا پانی کیوں لے آیا۔ آپ لوگوں نے ہی  
بتایا تھا کہ بیٹا تو رہ گئے ہیں۔" جی جی بھی آپ کے کیا کہہ رہے تھے کہ وہ کوئی ہی نہیں تھے۔ آپ سب نے جھوٹا ہوا تھا۔  
ماں کی سخت دانتوں کے باوجود ہا سے جھوٹ نہ بولا گیا۔ سارے بچے کمن اس کے چہرے پر بھٹکتے  
تھے۔ اس کی بڑا آنکھوں سے دوونے مونے فکرتوں سے ساروں پر اٹھک آئے۔  
"کیا ہمارے ساتھ نہیں رہے ماسوں جان۔" اس کی آواز بھری ہوئی تھی۔  
صبور جیسے بھلی کی لگی تاروں کو چھو گئے۔

"کب سے۔؟" انہوں نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا۔

"باب دادی جان کا انتقال ہوا تھا تاں بس اس کے بعد سے پہلے تو آتے بھی نہیں تھے۔ اب تو خیر آ جاتے  
ہیں۔ لیکن امی سے نہیں بولتے۔ امی بہت روٹی ہیں ماسوں جان۔" ہا جھوٹ جھوٹ کر رو پڑی۔  
صبور کا گویا یہ شوق ہو گیا۔

شہلا۔ یہ لڑکی اپنی ہاتھیں نہیں بولے گی۔ سب کے دکھ ہانسنے کی اور اپنا احوال ہمیشہ چھپائے گی۔  
انہیں یاد نہیں بن تھا کہ شہلا نے کتورہن میں انہیں کبھی زہق کیا ہو۔ بلکہ اور دوسرے گہراؤں کو بھی۔ کبھی اپنی ذات  
سے پریشان نہیں کیا۔ گویا اگلی کو تیرا آج بھی چھو جاتی تو وہ سراسر لیٹ کر لیٹ جاتی تھی اور اعلان کر دیتی تھی کہ "بھائی  
صحت۔" تک اور جسم کی خدمت سے قاصر ہے۔

اور ایک شہلا۔ پورے پورے ہاتھ جلا کر بھی اپنی ہاتھ کر اپنے روزمرہ کے فرائض میں کمن رہتی۔ اسے  
دکھ سے سنانے کی شاید عادت نہیں ہے۔ اسی لیے اس کے اشعار آگ کی طرح دہکتے ہیں اور دلوں تک اور دیتے ہیں۔  
ان کی لادائی کمن جانے کس آگ میں مل رہی تھی اور وہ بے خبر تھے۔ ایک آگ سی ان کے وجود میں بھرنی تھی۔ جب سا  
خطر اب ان پر طاری ہو گیا تھا۔ "حسن اگر زیادتی تمہاری ہوئی تو زعمہ نہیں چھوڑوں گا۔ شوٹ کروں گا۔ ہم نے یہ پیشہ  
تھیں قدر وہاں بکھ کر رہی رہا تھا۔" ان کا لہجہ اٹھنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ انہوں نے ہانکے طرف دیکھا پھر اس کی بیڑہ چھینچالی۔  
"چا۔" بیٹے کیلئے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بعض اوقات اٹھتے دستوں میں بھی لڑائی ہو جاتی ہے۔"

☆ ☆ ☆

"حاضر ہو سکتا ہوں۔"

"او۔ آ آئے صاحب۔" ہاتھوں بعد رہتے لیکن سلام و دعا کے بغیر۔

"بچوں کو گھر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔" صبور اس کے مقابل ڈٹ گئے۔

"شکر ہے۔" اس کی سر دھری قائل رہی تھی۔ گویا سارے زمانے سے تھا تھا۔

"کیا میں اس ادارے بازی کا پس منظر معلوم کر سکتا ہوں۔" صبور نے اس کے رویے پر چچہ دہاب کہا  
رہے تھے۔

"آپ کی بہن بہتر بتا سکتی ہیں۔ یہ بتائیے کیا چاہتے ہیں کریں گے۔"



صبر کا کئی چاہا کہ وہیں "تہہ راتوں" لیکن وہ روداشت کی حد پہنچا گئے تھے۔ گر بڑا کر رہے تھے۔  
 "میں طاقتور انسان نہیں ہوں۔ میلوں کا سفر طے کر کے صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ تیرا بیٹا اور میں  
 بعد یہ تم سے کون سا روپ لگا ہے۔ کیا سو انک بھر ہے۔"

"میں روز روشن کی طرح میاں ہوں صبر۔ تمہاری بہن نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔"

"اسی زیادتی کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔"

"وہ بزدل اور دھوکے باز ہے۔ اس نے ایک وقت دو انسانوں کو قاتل بنا دیا ہے۔"

"خیر وار حسن۔ بس۔ تم میرا خون ہو۔ میرے ہمراہ ہو۔ ہمارے درمیان کم از کم پچھلے دشمنوں کے  
 لاف ضرور ہونے چاہئیں۔" وہ تائب نہ لاسکے۔ پھر ادا ہوئے۔

"اس طاقتور کی بہترین لڑکی تمہیں ملی تھی۔ تمہاری آنکھوں پر پردہ چڑھا دیا ہے۔"

"تم میری بات سمجھنے سے قاصر رہو گے صبر۔ اس لیے کہ وہ تمہاری بہن ہے اور اس دشمن کے گھر سے  
 جذبات پر اس کی طرح تمہاری آنکھوں پر پردے ہیں۔ فرض کرو اگر تمہیں علم ہو کہ تمہاری بیوی ایک عرصے سے تمہیں دھوکا  
 دے رہی ہے تو تمہارا رد عمل کیا ہوگا۔"

صبر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں اور تم دو بھائیوں مگر ایک خون کی ادا دہی ہیں لیکن میں بلی غریب  
 اور بستی میں تمہاری سچ تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"ہر عالم نقص بھی یہی بات کہنے میں حق بجانب ہے۔" اس کا انداز ہم کر دینے والا تھا۔

"سب کی ترسائی تھی کہ معاملہ نہ کھلے۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ کم از کم تم لوگوں کو کوئی حقیقت معلوم ہونا چاہئے۔"  
 صبر۔ اس کی وجہ سے ایک اچھا بھلا نقص چودہ سال سے نقیاتی کیس ہے اور چودہ سال بعد میں۔ میں ان  
 رہا ہوں آخر تم لوگوں نے اسے رائے کی آزادی کیوں نہیں دی تھی۔ وہ پڑھی لکھی تھی۔"

"یہ رشتہ اس کی تائید ہی سے طے ہوا تھا۔ بے خوف انسان۔" صبر خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ دھماکر  
 بولے تھے۔ جس پر وہ بکڑ کر لایا تھا۔

"آہستہ بولو۔ تمہا شانہ خواہ نہ بناؤ۔ جو معلوم کرنا ہے اس سے معلوم کرو۔ میں کھلو نہیں ہوں جس  
 سے تم لوگ کھیلے۔" اس کا لہجہ عین ہو گیا۔ "اس سے متعلق ہر شخص میرا بھرم ہے۔ اس کے حوالے سے میں ہر رشتہ  
 قطع کرتا ہوں۔"

صبر کو ایسا محسوس ہوا۔ گویا وہ سچ لفظیاتی کیس بن رہا ہے۔

وہ اصل حقیقت حال معلوم کرنے میں چپا کو زنج کرنے دار اسلام چلے آئے تھے۔

ثریا کو اس قدر رسوا کیا تھا کہ وہ ہر تک پڑی سو تی رہی تھی۔ شہر کے اٹھنے پر صبر نو ازکی بیوی اسے لے  
 گئی تھی۔ ملک نو از دیر سے سولے کے باوجود جلد اٹھ گیا تھا۔ صبر نو ازکی بیوی شہر کو تیار کر کے والان میں لے آئی۔

"نو از۔ تیرا بیٹا بہت ہی خوبصورت ہے میرا دل کرتا ہے اسے میں اپنے پاس رکھ لوں۔"

"بیچ۔ عمو ما اپنے ماں باپ پر ہی جاتے ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"تو تو مجھے اتنا سوہنا نہیں ہوگا۔" بھابی نے بھی چڑایا۔

"نہ ہے۔ یہ نہ کہہ۔ اگر مجھے یہ نہ بتایا جاتا کہ یہ نو از کا بھتیجہ تو بھی میں بچان (بچان) لے لیتی کہ

اسے میرے بہت اچانک رائے" (میرے بیٹے کا چاہنا ہے)

(یہی خوف تھا جس کی وجہ سے اس والان میں مکمل ہو گیا تھا۔ ایک لڑکی کی سونگھنے لگے ہی ہے)

"اماں بی۔ اینوں نظر دو انک لاؤ تھی۔" صبر نو ازکی بیوی شہر کو گھر میں بھر کر اس کے پاس چلی آئی  
 لگائی نے بڑے چاہ سے پوچھے کہ بڑوں میں بھر لیا۔ اسی وقت ثریا کو اپنی بیوی لے کر سے باہر آئی اور اتنے ہی ملک  
 سے غلاب ہوئی۔

ملک۔ گاؤں بہت اچھا ہے۔ مگر ایک بڑی ہے یہاں کر کے ساتھ باجھو رہم نہیں ہوتے۔ خانہ بجان  
 ملک کہتے ہیں ہر انسان کو صبح بچا ہوتا چاہئے۔ چاہے سردی ہو چاہے گرمی۔"

سیا کشمیری کام کے کرتے شوار اور کھڑا ہونے کے وہ بھوتی ہوئی ہے پناہ مسکین کی تھی۔

صبر نو ازکی بیوی ملک کو اس پر ہی تھی۔ شہر کو لایا۔ یہ تھا ملک جس میں فصل خانے میں بعد پچھلے بھتیجے  
 "بھابی۔ آپ لوگوں نے تو بدنام کر رکھا ہے۔ اسی مقامی سخرائی تو ہر انسان کو کرتی چاہئے۔" ملک

نو از نے مسکراتی نظر میں ثریا کا حسن جذب کیا۔ (حسن میں کتنا جاہو ہوتا ہے۔ اگر یہ مسکین نہ ہوتی تو قطعی ناقص  
 نہداشت ہوتی۔ اس نے منصفانہ انداز میں خود کو دکھایا تھا۔

"ہر کسے۔" صبر نو ازکی بیوی نے ملازمد کو آواز دی۔

"ہاں آئی بی بی۔" ہر کسے کی آواز لگس اور سے آئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ حاضر خدمت تھی۔

"دیکھ۔ وہی وہی نہان دا انتظام کر۔ چھتی کر۔ فصل خانہ شیشہ لگا دے۔" اس نے ہدایت کی۔  
 ملک نو از بھابی کے اس انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا اس کی بیوی اور بیٹے پر بنا رہی تھی۔

ملکائی۔ ایک مستقل سوچ میں مستغرق تھیں۔ لیکن خود کو حاضر مارا غائب کر رہی تھیں۔

"اماں بی۔ کیسے کج رہے (اماں بی) کیا سوچ رہی ہیں صبر نو ازکی بیوی نے احتیاط کیا۔"

"کچھ ہی دیر ہے۔ میں سوچ رہی آں گھر میں آہنی آئے۔ دھرت۔" (گھر میں آہنی آئی ہے۔ دھرت)  
 "کیوں نہیں اماں بی۔ ضرور۔" بھولنے فرما شوق میں اس کی بات کاٹی تھی۔ ملک نو از کا دیکھنے سے

ملک لگے بغور ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

وہ بغور اس لیے دیکھ رہا تھا کہ اس کے "کج" کا پس پر قطعی رد عمل تو نہیں۔

"بی بی۔ آ جاؤ۔" ملازمد نے آکر بھوتی بھاتی ثریا کو متوجہ کیا تھا۔

صبر نو ازکی بیوی باورچی خانے کا انتظام دیکھنے باورچی خانے کی سست بڑھ گئی تھی۔

ملکائی گرمیوں میں ہمیشہ والان میں سویا کرتی تھیں۔ والان کا رخ بھی مغرب کی سمت تھا۔ پھر صحت پر بھی  
 عجیبے لگے ہوتے تھے۔ سفری ہواؤں کے سبب یہ نہ والان بے حد آرام دہ تھا۔ وہ ملازمد سے قاری ہو کر صبح پڑھ رہی تھیں

کہ ثریا چار دیواری اور آسانی پرنت کے خوبصورت شوار سوٹ میں جلیں چلی آئی۔ اور وقت پر ملکائی کے پاس بیٹھ گئی۔  
 ملکی تھیں پڑھتے پڑھتے اس کے چہرے کا ایک ایک نقش نکلتی رہی۔ اچھی صورت کے چادروں نے ان کے اسامات پر خود

بھرا دیا تھا۔ ان کی آنکھوں سے نری دشمنیت اور دھیمی مسکراہٹ بھاگنے لگی۔ ان کے ہونٹ ضرور مل رہے تھے  
 لیکن عمل تو بھوکہ کی طرف ہو گئی تھی۔ یہ لازمی امر ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس سے منسوب ہر شے اچھی لگتی تھی

ہے۔ انہوں نے تھیں کا حلقہ تمام کیا اور چوم کر رکھ دی اور عا میں مصروف ہو گئیں۔ ثریا اپنے خوبصورت ترشے ہوئے ہاتھوں

سے نکلتی رہی۔ اس کی سزا گھوڑوں میں سوچ کے کس تھے۔

اسی لمحے ملکائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دیکھئے۔ کاکا سو گیا؟" (جینی پو سو گیا؟)

"جینی اماں جی۔" وہ ان کی بات سمجھ گئی تھی اور ملکائی بھی اس سے مراد وہ لڑکے کی کوشش کرتی تھیں۔ ہر چند کہ اردو کو پانچ کر دیتی تھیں۔

"کیا بات ہے خیر نہیں آ رہی۔" انہوں نے اس کے پیاز کی ہونٹوں کی تراش کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں جی۔ ملک کہہ رہے تھے آپ میری خالہ ہیں۔ اور میں آپ کو خالہ جان کہا کروں۔ لیکن سب تو آپ کو اماں جی کہتے ہیں۔ میں نہیں کہوں گی خالہ۔" اس نے زمین پر پاؤں سے خطا مینے۔

"کوئی بات نہیں۔ تو مجھے اماں جی ہی کہہ لے۔ خالہ ہی ماں اور مگر ہوتی ہے۔ ماں مرے ماں جی۔" (خالہ بھی ماں ہی کی طرح ہوتی ہے۔ ماں مرے خالہ جی ہے)

"جینی اماں جی۔" لڑکے کے پلے خاک نہیں پڑا۔

"مطلب یہ ہے۔" ماں کے بعد خالہ بھی ماں جی ہی کہتے تھے۔ خالہ ماں جی ہی ہوتی ہے۔

لڑکے نے کمر کر رہا تھا۔

"اماں جی۔ آج آپ سے میں نے بہت ساری باتیں پوچھا ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"پہلے فیروز (پہلے بھائی) آج میرے بستر سے آرام سے ماں دھو گھاں کر اس کے (آرام سے) ماں جینی باتیں کریں گے۔ انہوں نے تھک کر چل نٹولی۔

وہ ملکائی کے لیے چڑے چنگ پر آ گئی۔ وہ لپکتی رہی لیکن ملکائی جھنجھکی رہی۔

"اماں جی۔ آپ ملک کی اماں جی ہیں اور میں شہر کی مکی ہوں۔ اور میری ماں۔ کون جی اماں جی۔ آپ کی تو بہن تھیں۔ آپ نے تو انہیں دیکھا ہو گا۔"

ملکائی اس سوال کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ایک دم شہنشاہ تھیں۔ پھر شہنشاہ کر بولیں۔

پھر۔ تیری ماں بھلی عورت سی۔ اونوں یا دکر ان دا لیدہ (اس کو یاد کرنے کا فائدہ) بن تے میں تری ماں آں دھئے (اب تو میں ہی تیری ماں ہوں جینی) ملکائی نے اپنے بچنے کی سوچ میں جواب دیا۔

"ماں بھلی اچھی ہوتی ہے۔ اماں سے اچھا تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ ہے ناں اماں جی۔"

"ہاں میری دھئی۔" (ماں تو خالہ یاں چھانواں) (ماں خالہ ہی چھائی ہوتی ہیں)

(اماں جی۔ اس کا علاج ہوا ہے۔ یہ کھلی باتیں یا نہیں کر سکتی) ان کے کان میں جیسے ملک کی آواز گونئی۔ وہ اس کے باقی کے حوالے سے بات نہیں کر سکتی تھیں۔

"امریکہ تو بہت اچھا ہو گا۔"

"ہاں اماں جی۔ بہت اچھا ہے۔ صاف ستر بہت ہے ناں۔ اور اماں جی تو یارک تو اس ملک سے مکی اچھا ہے جہاں ہم رہتے ہیں۔" لڑکے کو ایک امریکہ یاد آیا تو یہ خوش ہو گئی۔

"اچھا۔"

"جینی اماں جی۔ میرا علاج وہی ہوا ہے ناں۔ اماں جی۔"

"ہوں۔" ملکائی نے ہلکا سا ہنسا۔

"اماں جی جیجی کو بہت ملاط سے پالتا ہے۔ اسے چوت سے پالتا ہے۔ اگر سر میں چوت لگ جائے تو وہ اچھل ہو سکتا ہے۔ علاج تو ہو سکتا ہے اماں جی لیکن کیا لگائے وہ لکڑی کا دھبہ وہ تو ہم کھلی باتیں ہی بھول جاتے۔ کبھی کسی انسان کا دل چاہتا ہے وہ پیچھے گزرنے والی باتیں یاد کرے۔ پہلے کیا ہوا تھا یاد کرے۔ ہے ناں اماں جی۔"

"ہاں۔ میری دھئی۔"

"اسی لیے میں شہر کا بہت خیال رکھتی ہوں۔"

"میں نے دیکھا ہے وہ جیتے تو بہت اچھی ماں ہے۔" ملکائی نے بے ساختہ اس کی جوتھی کی چم کی لڑکے کو جیب کی سرت کا احساس ہوا۔

"اماں جی۔ میری بھی کوئی زندگی ہے۔ ناں باپ یا دھئی ناں بہن بہائی۔ ناں آپ لوگوں کے ساتھ گزراؤت۔" اس کی آنکھوں سے قطرے بہہ نکلے۔

زمین کی ملکائی کا کھینچ کر لیا۔ تو اس نے اس پر کانٹوں لگا دیے۔ لیکن جو علم تو نے اس پر توڑا ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔ میرے لال۔ ذرا سے کوئی دھجڑکی ہے (بھجڑکی ہے)

"کوئی گل نہیں پڑا۔ انسان پہ دے دے اس کا آتے ہیں۔ یہ تیرے نصیب کا کھٹا میری دھئی لبتو خوش رہا کر۔ گھر گھر جی ہے تیری۔ رپ تھے شادو آدھ رکھے۔"

"اماں جی میں بھائی کے ساتھ کام کرتی ہوں تو وہ مجھے متع کیوں کرتی ہیں۔"

"تو تیرا خیال کر دی اے پڑا۔" ملکائی بھی لپٹ گئیں۔ لڑکے کو ایک طرف ہونگی۔

"کوئی بات نہیں۔ بھلی رہ۔ بھلی رہ۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔

وہ باتیں کرتے کرتے خالہ ہو گئی تھیں۔ ملک نواز نے باہر آ کر دیکھا تو سانس بھونکا تھا۔ اس کے لوہوں پر یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ مسکراہٹ دور آئی۔ وہ اہنس پلٹ گیا تھا۔

تھک کے بعد تو ویسے ہی ملکائی سونیں پاتی تھیں۔ صبح کو انہوں نے لڑکے کو پتے کرتے دیکھا تو ان کا دل ٹٹکا۔ وہ جیتے پڑے اس کے پیچھے ہی آ کھڑی ہوئیں۔

"ایسے کچھ حال بنا رہا ہے۔" بھائی ایک دم نہیں یاد آیا کہ وہ ان کی بولی مشکل سے سمجھتی ہے۔ لہذا وہ بارہ

"کب سے ہے یہ تیری حالت۔"

"تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔ مس آت کہہ رہی تھیں کہ ملک کو تاروں لیکن اماں جی مجھے شرم آتی ہے۔" اس نے نظریں جھکائے جھکائے سانس کو یاد کر لیا کہ وہ اپنی اس حالت سے بے خبر نہیں ہے۔

"اللہ تجھے سلامت رکھے۔" ان کی آواز سے سرت چمک رہی تھی۔ "رپ نے سینوں پہ ہاتھ لگائے"

(لٹائے مجھے بہت دیا ہے) خوب باگ بازی نکالی ہے۔ (خوب باغ کا فنجہ نکالیا ہے) اور اسے تمام کر اپنے کمرے میں لے آئیں۔ اور اپنے بستر پر لٹا دیا۔

پھر رپ کو اڑکی کی آواز دی۔ "سیدہ۔" (سیدہ)



وہ آسودہ ہوئی۔

"مٹی لوں آکھ کلا کر لے آئے۔ میں صدق اتاروں۔ کدو لوکاں دی نظر لگ جاوے میرے ہر دے مگر نوں" (کبھی لوگوں کی نظر لگ جائے میرے سینے کے گھبراہٹ کو ابھرا ہنگامی سے گویا ہوئیں۔)

"سیدہ (سعیدہ) میری تنہائی کو دب میرے ہر نوں گھبراہٹ والا کرے اس کی ہانگ ہانگی ہو۔ میری تنہا پوری ہوئی ہے۔ میں جتان شکر ادا کر اس گھٹا ہے۔"

سعیدہ کی بکھ میں سب کچھ آگیا کہ وہ بھی دو بچوں کی ماں تھی۔ وہ مٹی کو غم دینے چلی گئی۔

جب ملک نو اپنے معمولات سے فست کر آدھے میں آیا تو عجیب چہل چل دیکھنے کو ملی۔ ملکائی نے کلا بکرا اثر پاکے نزدیک کر کے ہاتھ لگائے کو کہا۔ شریا نے ہاتھ لگا دیا تو مٹی کو کہا کہ اسے ذرا کر کوشت تقسیم کر دے۔ مٹی بکراے کی ذخیرہ بکراہٹ کر باہر نکل گیا۔ تمام بکراہٹیں اپنے ختماتے چروں کے ساتھ ادا ہو گئیں۔ سعد و دعو کو کچھ کر شریا کر مسکرا دی۔ اور وہاں سے چلی گئی۔

ملکائی نے شریا کو لہار پاد چلنے نوٹے لگیں۔ سرائی یا تو حیران پریشان دیکھ نظر آیا۔ وہ مسکرا دیں۔

"ماں صد تے ہر۔ کیوں پریشان اے۔؟"

"اماں جی۔ ابھی یہاں کیا ہو رہا تھا؟" تو وہ اس کی آنکھوں سے میاں تھا۔

"کوئی گل نہیں ہر۔ وہ مٹی چنگی اے۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔ اسے داخل کریں۔ پریشان کریں۔

پریشان کریں۔ یہ تینوں بہت ہی چنگی چیز دے کی۔ (یہ تم کو بہت ہی اچھی چیز دے کی)

وہ ہنسی بات کر کے باہر نکل گئیں۔

"کیا اور ادا ہے جی۔؟" وہ شریا کے ہلکے کی پٹی سے تک گیا۔

"نیکو بھی نہیں۔" وہ شریا کو مسکرا دی۔

"اتنا سب کچھ۔ پھر بھی کچھ نہیں۔ اور کیا چیز دینے کا پروگرام ہے۔؟"

(اف کس قدر نازیبا تھا) وہ جھنجھلا گئی۔

"دیکھو مٹی۔ جو بات ہے تمہیں کو بتاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سب ہی بغیر تانے کے ہیں اور الہام مجھے

ہونے سے رہا۔"

"کچھ بھی نہیں ایسے کہہ رہی تھیں اماں جی۔" وہ تانہ پائی۔ شہر کی دلف میں انہیں کیسے پنا چلا ہوگا۔؟

"بھئی۔ کیا نصیحت ہے۔؟" وہ جھجکا گیا۔

"بات نہیں۔"

"سنا بھی دو۔"

"جب شہر ہوا تھا تو۔"

"اور۔" وہ اب اتنا بھی ڈانٹ نہیں تھا۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"زخم کر دیا۔ کیوں اسے مجھوں میں پھنسا رہی ہو۔"

"یہ مجھوت ہے۔؟" وہ دھکا ہوئی۔

"اگر یہی راز رہی تو حد ہے۔ بہت جلد ایک "لیم" کار ہو جائے گی۔"

(ہائے اللہ۔ کس قدر رہے گا مہم ہے۔) لڑکی کڑی گز رنگی۔

ملک نو نے شریا کے چہرے پر بکھرتے چہرے کے غم و غصہ دیکھ کر گھٹے۔

"تمہارے پاس میری چیز ہے اس لیے پہلے سے زیادہ ابھی لگ رہی ہو آج کل۔"

شریا۔ اس سے نظر چمک کر مسکرائی رہی۔

☆ ☆ ☆

"ارے تاک میں دم کر دیا ہے ان ہنسیروں نے۔ تو جوتے پہنے ہیں اللہ کا خطاب۔"

"ارے تو جوتے کچھ۔ حد ہے تم سے بھی۔" شہلا نے دھوکے سے جوتی کھجوا ایک طرف کیا۔

"ارے۔ ایسا۔ کج تائیے۔ آپ کے پیچھے بھی اتنا تک کرتے ہیں۔ اور؟ ہاں ہی ہوری جی۔"

"پچھے تو پہنے ہوتے ہیں کچھ۔ اس عمر میں سب ہی شراعتیں کرتے ہیں۔ اسی سے بچ چکا تم کس قدر شراعتیں کرتی تھیں۔"

"ارے نہیں ایسا۔ آپ کو ان کی حقیقت نہیں معلوم۔ کج۔ پورے طبقے میں "مقبولیت" حاصل کر

کے آ رہے ہیں۔ اگر اب ہوش بھر تکی نہ ہوتی تو یہ کات پت میں کس کر پائنت کو پناز منت پر بھجور کر دیتے۔"

شہلا کا فٹس فٹس کر رہا حال ہو گیا۔ کجکی بری حالت دیدنی تھی۔

"آپ کو تو پتا ہے سب ماں ہی کو کہتے ہیں کہ یہ تربیت کی ہے۔ اس قدر مصروف ہستیاں ہیں کہ انہیں تو

تربیت حاصل کرنے کی فرصت نہیں۔" اس نے پریشان رنگوں کو جوڑے کی شکل دی۔

"ارے چھوڑو اسے پیار سے پیار سے بولو گزروں کا بچھا۔"

"کب دیکھیے یہ ہارون ہی ہے۔ چھوٹا سا تھپ سے دیکھ ہی ہوں۔ کج کجی اسے تنگ کی بہت نہیں آتی۔"

"یہ۔ ہارون۔" شہلا نے سوالیہ نظروں سے گھوڑ دیکھا۔

"میرے چہلچہ ہیں اس کا قارق مٹانی۔ ان کا اگوتا جیتا ہے۔ اس کی امی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب میرے

پاس ہی رہتا ہے۔ بلکہ میری شادی کے فوراً بعد معظم (گھو کے شوہر) اسے لے آئے تھے۔ کج بہت ہی پیدار ہے۔"

شہلا نے سولہ ستر و سال کے "بچے" جو دیکھا۔ جس کی سیس ہلک رہی تھیں۔ سلو کے چہرے پر چلائی کشش

تھی۔ شہلا کو یاد آیا اس نے تو آتے ہی بذی شائستگی سے سلام کیا تھا مگر کجی بڑ بڑک میں دو توجہ نہ کر سکی تھی۔

"ہارون یہ ہماری ایسا ہیں شہلا۔ جن کی باتیں میں تم سے اکڑ کیا کرتی ہوں۔ ہیں ناں اتنی ہی پیاری جتنی

میں تائی کرتی ہوں۔" گھو کا لہجہ بن اسی طرح قائم دو اہم تھا۔

شہلا مہین کو کچھ کر بے تھا شافوش ہوئی تھی۔

"ارے کچھ میں تو کئی مرتبہ تمہارے ہاں گئی ہوں۔ لیکن ہارون کو کبھی نہیں دیکھا۔ کہاں چھپا کر کھتی تھیں۔؟"

"خوب جانا ہوتا ہے ہے آپ کا۔ دعو کو ہاتھ کو ہاتھ لگائے آتی ہیں اب بھی آتی ہیں۔ یہ اسکول کیا ہوتا تھا

یا کجی بغیر دیکھتے۔ میں نے ذکر بھی کیا تھا شاید آپ کو دھیان نہیں۔"

"چلو بھی تمہیں شہلا دوں پہلے۔ حالانکہ کوئی فائدہ تو نہیں۔" اس نے تینوں بچوں کو بنگایا۔

"پڑھتے ہو ہارون۔" گھو کا "زور" فتم ہوا تو اس نے ہارون کا حال احوال پوچھا۔





"ہوں۔" شہلا نے پھر ہوں میں جواب دیا۔

گھولنے پر اسادو پناہ پنے کیلئے کپڑوں پر پھیلا دیا اور پچاس کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

صحن سے اس کا برا حال تھا۔ سارا دن کی مصروفیت بچوں کی دھماکے جیڑی۔ اس کا دل چادر ہاتھ جلد سے جلد اس پر گر جاتا ہے۔

وہ تیزی سے اپنے بڑی ست آئی۔ دیکھا تو ٹھوٹھیلی ہوئی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ اس نے ٹھٹھک کر شہلا کو جھک دی۔

"آج نہیں ایسا۔ بہت تھک گئی ہوں گی۔"

وہ لیٹ گئی۔ "بہت تھک گئی ہیں ایسا۔"

"ہاں۔ کافی صحن محسوس ہو رہی ہے۔ اور چھوڑو۔ یہ تو روز کا معمول ہے۔"

"ایسا۔ پتا ہے میں کتنی پریشانی میں آئی ہوں۔"

"فرین ہے تم پر کچھ۔ تیرا پریشانیوں میں یہ حال آتا ہے۔ یہ انداز ہوتا ہے۔" (۴۴)

"خیریت۔"

"ای نے پانچ روز پہلے فون کر کے بتایا تھا کہ ہاسٹا آئی ہوئی ہیں۔ بھالی جان لے کر آئے ہیں۔ اگلے روز میں لے آئی کا انتظار کیا کہ شاید بچوں کو لے کر آئیں۔ پھر اگلے دن میں نے فون پر معلوم کرنا چاہا تو پتا چلا بچیاں بھالی جان کے ساتھ واپس چلی گئی ہیں۔ ماسے قحب کے میرے تو اعصاب ٹپل ہوئے گئے۔ اسی کالپہ بھی پریشانی ظاہر کر رہا تھا۔ وہ رک گئی۔"

(ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ تائمری جگ ہسٹائی کی داستان۔) "اچھا پھر۔"

گھونے شہلا کا جذبات سے عادی "اچھا پھر؟" سنا اور ایک حیران نظروالی۔

"پھر میں اسی کے پاس گئی تھی۔ بھائی تو سیکے گئی ہوئی ہیں۔ ان کا تو ملنا ٹپ۔" ایک ماہ سے کم نہیں ہوتا۔

"ایسا۔"

"ہوں۔"

"کیا اور ہے۔" اسی نے کہا گئی تو کب سے کہہ رہی ہے کوئی جانے کے لیے۔ جا۔ جا کر مین کے دکھ کو سن کر آ۔ دو تو اتنی ہوا اس پناہ دہریں ہیں آج کل۔ ہر آنے والے مہمان کی صورت سہم کر دیکھتی ہیں کوئی بری خبر براہ نہ لایا ہو۔ میں بھی بہت غلٹ میں دوڑی ہوں۔ میں جانتی ہوں۔ من بھائی سیر ہیں تو صور بھائی سوا سیر۔ ہمارا تو ایک ہی بھائی ایسا۔"

اس نے گردن موڑ کر ٹھٹھک کو دیکھا۔ یہ کھلند ڈی سی ٹھٹھک تھی گہری ہے۔ صبح جب آئی تو اس کی کسی اداسے ظاہر نہیں تھا کہ وہ اتنی "ڈانچر" ہے۔

"ایسا۔"

"ہوں۔"

"ایسا۔ لوگ ارمان کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی اپنا ہو تو اس سے اپنے دکھ سکھ کہیں۔ آپ ہمیں اپنا نہیں

سمجھتیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہے گی۔ بات یہ ہے کہ ہر طرح سے نقصان میرا ہی ہے۔ انسان جتنی مضبوطی سے مزاحہ کر بھی صاف کرتا ہے اگر بھی اچانک القاد آجائے تو یہ عمارت اتنی ہی شدت سے دھماکوں سے ٹوٹی ہے۔ کالے کالے آواز سنائی دیتی ہے۔ میری خاموشی میرا نقطہ ہے۔ میری شہرت۔ میری ایک نامی۔ میرے لیے دل جان میں جلی ہے۔ مگر۔ اہتیاں کر آئی ہے۔ جو اگر محسوس کیا ہے۔ وہی جیسے ہر بات بھانے کا کافی ہے۔

اتنا اضافہ اس دن اور۔ وہ مجھ سے سب کچھ لے چکے تھے۔ میں نے بھائی دیا جان میری پاک دانی کا غور۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ انہیں انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔ مگر۔ وہ میرے لائق نہیں ہیں۔

ادراہی بابا سے کہہ دیا۔ "وہ" جتنی چیز تھے؟ سوچا نہیں تھے۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ حق آج ملی ہے آپ لوگوں کو۔ حالانکہ بہت ہی پرانی ہے۔ اور خدا کے لیے ٹھٹھک یہ بھی کہہ دیا کہ۔ مجھے ہمدردی کے دم پر پریشان نہ کیا جائے۔ میرا انصیب ایسا میرے پیچے ہیں۔ میں اب بھی مطمئن ہوں۔ "کلی قطرے" دیکھنا دیکھنا میں لاٹھک کر گیسے میں جذب ہو گئے۔

"ایک بات ہے ٹھٹھک۔"

"جی ایسا۔"

"جن مردوں کو انشا انا انتہا پسند کرتا ہے تو ہوتا یہ چاہیے کہ ان کے دماغ میں سوچیں نہ ہوتے والا خصوصی آواز بھی لگا دیا جائے۔ جس سے وہ ہر انسان کی حقیقت سے واقف رہیں۔ تاکہ کام از وہ اتنی زندگی کا زہران کی رنگوں میں بھی تو اترتا ہوگا۔ ان کے اس رویے میں آسودگی کا پہلو کسی جانب سے نظر نہیں آتا۔"

"جی۔"

"جی ایسا۔"

"لوگ ملال اور بچھڑاؤ کیوں انتخاب کرتے ہیں۔"

"کیونکہ ہم اور ہر انصیب ہوتے ہیں ایسے لوگ۔" ٹھٹھک نے بے شکل اپنے آنسو روکے۔

"نکو۔ آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرنا۔ ٹھٹھک پاشی ہوگی۔ جو تم لوگوں کو ہمارے بندہ۔"

"میں جانتی ہوں ایسا۔" اسی نے مجھے آنے کے لیے اسی لیے کہا تھا۔ کہ خدا تو اسے گڑباز زیادہ ہوئی تو ان سے عداوت نہیں ہو سکے گا۔ اور۔"

"تمہیں زیادہ بتانے کی کیا ضرورت۔؟" ہاں کہہ دینا۔ "دار السلام" میں اب اوصو سے لوگ بنتے ہیں۔ میرا حال پوچھیں تو کہنا۔ جتنی مضبوط چیز ہوتی ہے اتنے ہی شور سے ٹوٹی ہے۔ ابھی تو اس عمارت پر ضربیں نہ مارا شروع ہوئی ہیں۔ آپ لوگ چاہیں تو شور اور ٹوٹ پھوٹ سے بچا سکتے ہیں۔ یہ میرا انصیب ہے۔ یہ میری آگ ہے۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ ابھی صبور بھائی کو بھی یہی سمجھا کر آ رہی ہوں۔"

"کیا آپ ہم سے الگ ہیں ایسا۔"

"دکھ دنا ٹھٹھک نہیں۔ دکھائے کہ سکھ حاصل نہیں ہوتے اور نہ ہی دکھنا کر۔"

اس نے کرٹ بدل لی۔ ٹھٹھک آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

"میری واپس کے بعد بابا آئیں گے۔"

"بابا سے کہنا۔ قاتل انکھنے نہ آئیں۔ جیسے پہلے آتے تھے اسی طرح آئیں۔"





میرے بیٹے کا کتنا خیال کرتی ہے۔ جتنی وہ میری دبی

"تو یہ۔ اماں جی۔ ملک کے جانے سے گھر کتنا سو سا ہو گیا ہے۔ ہے ناں۔"

"ہاں۔ وہ تیرے دل کی بھی روٹی ہے اور میرے دل کی بھی۔"

وہ ہر دم حیرے ساتھ ہے اس لیے تو مجھ سے زیادہ نصیب والی ہے۔ میراں لگیاں وہ جیسے چھلکی کی دھماکے کا باندا ہے۔ "میریں گزرتی ہیں چھلکی کی دھماکے کا چلا جاتا ہے"

ملک کی شریا سے آواز نکلتی تو اردو میں کرتی تھیں عمر وانی میں بھول جاتی تھیں اور اپنی انصوس زبان پر آجاتی تھیں۔

"اماں جی۔ تو آپ ہمارے ساتھ ہی رہا کریں۔"

"کس طرح رہ سکتی آں۔ گاؤں میں تھوڑے کام ہیں۔"

"آپ کیا کرتی ہیں۔" "ٹریا کو توجہ ہوا۔ بھائی رب نواز جو ہیں۔"

"گھروں کے بہت کام ہوتے ہیں۔ اور غیر۔ میرے پتر کو کدی نہیں آکھیا کہ اماں جی میرے بل رہو۔"

"پہلے کی بات اچھی اب اور بات ہے۔ پہلے تو میری وجہ سے بھی آپ لوگ پریشان ہوں گے۔ غیر۔ میں

ملک سے کہوں گی کہ انہیں اماں جی کو اپنے ساتھ رکھیں گے۔"

"جیوندی رہ پتر۔ اتنے مرضی والا ملک ہے۔ اپنی مرضی کرتا ہے۔ خیر۔ رب انوں خوش رکھے۔"

پھر وہ اپنی ضروری بات کر کے لگیں کہ ان کی بیٹی رضیہ آ رہی ہے۔ یہ ہے وہ ہے وہ غیر وہ غیر۔

وہ بڑے بڑے گرام سے گاؤں سے نکلتا تھا۔ مکان روڈ عبور کر کے وہ شاہ نور اسٹوڈیو کی جانب آ رہا تھا۔ اس کے ایک فلسفہ دوست نے تین سال قبل فلم کی تکمیل کے لیے تین لاکھ روپے لیے تھے اور اب وہ اپنی کاٹ کر دیا تھا اور

شاہ نور ابھی کافی فاصلے پر تھا۔ وہ انکسیر موڑ پر آیا تھا کہ جیو رفتار جیپ کو بڑیک لگانا پڑے۔ وہ تھیں اور دیگر گاڑیاں کی ہوتی تھیں اور راستہ نظر پانہ تھا۔ وہ جیپ سے اتر کر بیٹھے آئے۔ معلوم ہوا کہ سوڈ کی دین اور ایک رکشہ کا تمام ہو گیا ہے اور رکشہ ڈرائیج تو موقع پر ہی شتم ہو گیا جب کہ سوڈ کی دین کا ڈرائیج اور اس کا بھرائی بری طرح ڈھکی ہو گئے ہیں۔ لوگ بھارت بھارت کی بولیاں بول رہے تھے۔ جاس باب زمینوں کے سر ہانے ابھی مشورے ہی ہو رہے تھے۔ وہ

بجیڑ کوچ تا ہوا زمینوں کے قریب آیا۔

فریڈک کانٹیل نے زمینوں کے پاس سے ان کے شاخ کاٹ کر آدھ کیے تھے۔ وہ فریڈک کانٹیل کی پشت پر

جا کھڑا ہوا تھا۔

"حسن زید۔ والد۔ زید فاروقی۔ سٹینک ڈائریکٹر شیخ اختر پر انڈرز۔" مشتعل۔ "ہاٹی پتا" دارالسلام

"G۔ کوئٹہ۔"

ملک نواز کا تو گویا سچے ہی اڑ گیا۔

اسے سارے لوگوں میں وہ اس کا رشتہ دار نکل آیا تھا۔

اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر زمینوں کی جیپ کا رخ تیکر پڑنے کی جانب موڑ دیا۔ نہایت تیزی سے

جیپ چلا تا ہوا وہ مقامی پاجمل کے ایریسٹیوار میں آیا تھا۔ زمینوں کو داخل کر کے بھی اس کی مضطرب کیفیت بدستور تھی۔

اسے اپنے زمینیں محبوب کو تصور ہی میں سلیڈ وہ پٹا اوڑھے دیکھ کر وحشت ہو رہی تھی۔ وہ بار بار دست ادا

پر نگرہ ڈال رہا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد ڈاکٹر ورنہ کھول کر با آئی۔

اس نے ملک نواز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ زمینوں کی حالت غم ہے۔ تپہ ہے۔ ہر پتہ کی بار

صرف یہ ہے کہ انہیں فوری طور پر خون کی ضرورت ہے۔ بلڈ گروپ نہایت کیا ہے۔ آدھ انکار کرے۔

اسے کافی انکار کرنا پڑا۔ اسے اس سے وہی ہے تھوڑا سا قصداً رہا تھا۔

وہ طویل برآمدے میں بیٹھنے بیٹھنے کھول رہا تھا۔ دل صبر اور دھڑکنا کہ پاجمل کی انکسیر سے بیٹھے ہیں وہ

گاؤں نہیں جائے گا۔ وہی وقت نرس اسے دلائی۔

وہ غروب تھا وہ پاتا ہوا ڈاکٹر کے کمرے میں چلا آیا۔

"تھریف۔ کیجیے۔"

"دو تو خیر میں کھلاؤں گا۔ پہلے یہ جان کر کہ کچھ لینے کی زمینوں میں زندگی کے آثار ہارے جاتے ہیں یا نہیں۔"

"صاف کیجئے گا ڈاکٹر۔ آپ کے لیے یہ دوا مرہ کے افعات ہیں لیکن۔"

اس میں ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ "ڈاکٹر کھایا سا کیا تھا۔" آخر قصور میں یہ دھج سے لئے بغیر تو کوئی

تجربہ نہیں تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" ملک نواز کے لہجوں پر زہریلی مسکراہٹ غور کر آئی۔

اس کی شخصیت ہی میں ایسی کوئی خاص بات تھی کہ مخاطب تو جین آ میروا ہے سے لاشعوری طور پر اہتباب کرتا تھا۔ شاید اس کا قدرتی جیسا پان۔ اور غروں سے حزن خود اعتمادی جو اس کی شخصیت کا غیر معمولی پان اور معاشرتی حیثیت

آشکارا کرتی تھی۔ اس کے وجود سے مشکل ہر شے اس کی حیثیت کا اٹھار کرتی تھی۔ اور امارت سے مرغوب ہونے اس

معاشرے کی امتیازی خصلت ہے۔ کہ مراد کم تجربہ کار ڈاکٹر کا بغیر خود اعتمادی و قدرت خوانہ ہو گیا۔ وہ ملک سے گویا ہوا۔

"بات یہ ہے کمزور۔ تمام پر و بیکر صرف ڈاکٹر پر انحصار نہیں کرتا۔ کافی دور گردن ہوا ہوتے ہیں یہ

رذلت ہے۔ ایک صاحب کا بلڈ گروپ اسے پانٹو ہے دوسرے کا اوٹیکلیو۔ اسے پانٹو والے صاحب کو تو خون میا کیا

جار ہا ہے اوٹیکلی کی ہمارے پاس صرف ایک بول ہے جبکہ دوسرے بول درکار ہیں۔"

"تھنکس گا۔" دیکھیے ڈاکٹر صاحب۔ خوش قسمتی سے میں ان افراد میں سے ہوں جن کا بلڈ گروپ

اوٹیکلی ہے۔ پلیز۔"

ڈاکٹر نے ملک نواز کے خون چمکاتے لہجوں پر بے حد انسان دوست مسکراہٹ دیکھی۔ اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

ایک ایک کر کے میری کی چیز میں تم سے۔ تمہاری ذات سے وابستہ ہو رہی ہیں شہلا۔ اور فاصلے جوں

کے توں ہیں۔ اور ہیں گے۔ سچی مریا تک حقیقت ہے اور تجب کی بات ہے کہ میں زندہ ہوں۔

وہ ڈاکٹر کی تھکی کرنا ہوا اس کمرے میں چلا آیا جہاں اسے خون دینا تھا۔

"ایک تو تم نے ابھی تک بچوں کے نام بھی نہیں بتائے۔ ابھی میں معرفت کا قائل نہیں معرفت بھی نام ہی ہوتا

ہے۔ نام بچکان کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ جبکہ معرفت کے معنی بھی یہی ہیں۔"

اب یہ آکاشٹ کو گنڈہ کہنے لگی تھی۔ پھر گنڈہ ہی چل پڑا۔ اور تم نے تو نرالی ہی معرفت دہی ہے بچوں

کی۔ "نمبر 1 نمبر 2 نمبر 3 پچا جان مسکراہٹ ہے۔"

"اب کیا تاؤں۔ کیا جواب دوں آپ کو چچا جان۔"

"یہ ہمارے بیٹے۔ دراصل۔" حزب اختلاف "ہیں۔ باپ دادا کے رکھے ہوئے نام پند نہیں۔ یہ نمبر 1 ثابت رانڈر کا ٹائیکل ہے۔ اور نمبر 2 جیکسن والا ٹائیکل ہے۔ یہ نمبر 3 ابھی کسی تیسرے ٹائیکل کے مشورے ہوئے کا انتظار کر رہا ہے۔" "تمہیں بڑے مصروف اور پر حرج انداز میں تشریح کی۔ وہ سوٹ کس میں کپڑے رکھ رہی تھی۔ چچا جان بھیجی کے برصرت مطلق پر بے ساختہ ہنسے تھے۔ پھر اطمینان سے چچا کے سامنے بیٹھ کر بولی۔

"وہ جو ہمارے سر ہیں ناں۔ انہوں نے کہا ہمارے ہاں نام اللہ تعالیٰ کے نالوںے ناموں میں سے رکھے جاتے ہیں وہ بھی "عبدل" کے ساتھ۔ وہ خود عبدالرحمن عثمانی ہیں۔ ان کے والد عبدالعزیز۔ معظم کا نام ان کے خضیال والوں نے معظم رکھ دیا تھا۔ مگر اباجان انہیں عبدالعزیز کہتے ہیں۔" معظم کے ابا جان کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کو بغیر "عبدل" کے پکارنا بے ادبی ہے۔ نمبر 1 کا نام انہوں نے عبدالباسم نمبر 2 کا عبدالصود اور نمبر 3 کا عبدالہادی رکھا ہے۔ اور یہ ہے جس کو "ٹائیکل برادر" کہتے پھرتے ہیں۔ ذرا بلا کر خود ہی پوچھ لیجئے۔ اس کے ساتھ پابندی یہ ہے کہ کہ نام باسٹا باری نہ لیے جائیں بلکہ عبدل کے ساتھ استعمال کیے جائیں۔ اس لیے میں نمبر 1 نمبر 2 نمبر 3 کہہ کر ادا کی ہوں۔ کیا کروں اسٹے لیے نام ہیں انہیں تو ایک منٹ میں ساتھ مرتبہ بلانا پڑتا ہے۔ نوکنے کے لیے۔ ان کے لیے تو بہترین ٹائپسٹ بھی مجبور ہے۔" "تمہیں بچوں کی شرارتوں سے کچھ یاد رہی مابرجھی۔

"بیٹے۔ تمہارے آنے سے گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ کیوں اتنی جلدی جاری ہو۔" "وہ شفقت سے گویا ہوئے۔

"نہیں چچا جان مجبور ہی ہے۔ معظم کو اور بھائی صاحب کو بہت پریشانی ہو رہی ہوگی۔"

"بھائی صاحب۔"

"ہمارے ان کے ابو۔ بیوی تو ہیں نہیں۔ دوسری شادی پر آمادہ نہیں ظاہر ہے ان کی ضروریات کا خیال بھی مجھے ہی رکھنا ہوتا ہے۔ اماں جان اور اباجان اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس رہتے ہیں۔" "تمہیں اپنی ذمہ داری اور ان کی اہمیت گواہی۔

"ہاں بیٹے چچا جان گھر یاد دہانی ہو جائیں تو بہت ذمہ داری آن پڑتی ہے۔ اب عالیہ ہی ہے اسے وقت ہی نہیں ملتا۔ شہلا طبعہ ہر وقت مصروف۔ گناہات یہ ہے کہ مجھے شہلا کا بہت احساس ہے۔ ان چند سالوں میں چلے رہے وہ قبا تھیں ٹوٹی ہیں کہ ہماری تو کمری ٹوٹ گئی ہے۔ شہلا کا دم ہیں مگر کے لیے بہت قیمت ہے۔ مانی تو مستقل آنے کو کہتا ہے میں نے ہی منع کر دیا ہے یہاں سوائے ذاتی اچھٹوں کے وہ ہی کیا گیا ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹتے کہ بہت ہیں۔

حالات کی گشت و رشت نے چچا جان کو سواتر بنا چا پھلایا تھا۔

گھونے ان کی کیفیت بہت شدت سے محسوس کی تھی۔

"کیا معلوم چچا جان آئے والا وقت پھر صبر مان ہو۔" "تم کو ہمیشہ سے روشن دیکھنے کی عادت تھی۔

"ہاں۔ میرے بیٹے۔ اسی امید پر زندہ ہو۔" "وہ آہستگی سے بولے۔

"تم بھی اتنی جلدی بنا رہی ہو۔ تم کیا آئیں اس گھر میں گویا زندگی آگئی تھی۔"

گھونٹا کچھ کب کھانہ کھڑی ہوئی۔

"میرے تو ہر سون چلا گیا۔ اس پرست کیسے ہوا گی۔"

"انکڑ کر میں ایسا چھوڑ آئیں گی۔ کہہ رہی تھیں۔"

"تمہیں۔"

"مئی چچا جان۔"

"بیٹے۔ تم نے مجھ سے کتنی پوچھا۔ ۱۲ مئی ان کے دکھ بھی نہیں گھوٹے۔" "تمہیں کے قریب پہلی آئی۔

"چچا جان۔ میری بہن کو نصیب ہے۔ وہ نصیب نہیں۔ آپ جیسے صبر مان مایہ زور وقت ہو ہیں اس گھر میں۔

وہ دن وہ نصیب اور بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ بہت دیکھے ہیں انہوں نے گھٹ لگے سر پہ کا پتلا زرد پتھر رکھ دیا۔

"بھائی بیگم۔ کہا کرتی تھیں۔ یہ جو بہت لالہ لالی۔ اور بے خوف ہے۔ لیکن میری بیٹی تو

بہت دانشمندی کی ایک سطر ضرور سکھا دیتا ہے۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ مگر بیٹی کو فخر ضرور کر دیتا۔"

"بے فکر ہے۔ پیارا کام بھی کروں گی۔"

وہ پوچھا کہ باپ لگ گئی۔

وہ صرف گڈو کو ہر اہلے کر گھٹ کوئی آف کرنے اصرار رکھتی تھی۔ اس نے ہارن دیا تو وہ بھی ملازم سے

جلدی گیت کھول دیا اس نے گاڑی لاک کی گڈو اندر بھاگ گیا تھا۔ وہ جانے کے لیے مڑی تو ملازم نے کہا۔ "بیگم

صاحب۔ بڑے صاحب کہہ رہے تھے جی ہی آپ آئیں تو ان سے ملیں۔" "اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"خیریت۔"

"مئی۔ بہت پریشان ہیں۔ ابھی سسکیں ٹپک کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" "وہ ایک لمبی تاخیر کیے بغیر

تیزی سے سر کے کمرے میں پہلی آئی۔

وہ کمر پر ہاتھ باندھے مضطرب کیفیت میں ٹپک رہے تھے۔ بہک کر کچھ کر رک گئے۔

"شہلا۔ بیٹے۔ ابھی ایک معلوم شخص کا فون آیا تھا کہ۔ من کا ایک بیٹہ نہ ہو گیا ہے۔ اسپتال کا

نام فون وغیرہ بھی بتا رہا تھا۔ میں نے لکھ لیا ہے۔" "شہلا کا دل سوکھے چنے کی طرح کانپا۔ (کب قسم ہوں کے

احتمال۔)

"بھلا نام چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی نے مذاق نہ کیا ہو چچا جان۔" "اس نے دل کو بھلا دیا۔" وہ

صرف دونوں کے لیے لاہور کا تھا۔ اسے آج آ جانا چاہیے تھا۔ آواز سے وہ شخص موقوف آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ دیکھو

سب ضروری چیزیں گھسوائی ہیں۔ حتیٰ کہ انکڑ کے نام۔ کہہ رہا تھا معمولی پونٹیں ہیں۔ غصے کی کوئی بات نہیں۔"

شہلا۔ غیر اختیاری طور پر فون کی طرف بڑھی تھی۔

ڈاکٹر خاور ابھی ابھی اٹھ کر گئے تھے کہ فون کی گھنٹی بج پڑی۔

پولیس اور مخصوص شاہد کارروائی کی وجہ سے وہ ابھی تک بٹھا ہوا تھا۔ اور حیرت کی بات تھی کہ اس "عدو"

روائی پر پچھتا بھی نہیں رہا تھا۔

اس نے ریسپورڈ اٹھالیا۔

"ویلو۔" "دوسری طرف سے نسوانی آواز ابھری۔

"مئی۔"



دیکھیں میں کوئٹہ سے بول رہی ہوں۔ اور میں نے اس ٹبر پر دنگ کیا ہے۔ دوسری طرف سے ٹبر تان گیا۔  
 "میں ٹبر ہے۔ فرمائیے۔" وہ اس آواز کو پہچانے سے کیسے حیرت زدہ رہا۔ یہ تو وہی آدمی تھا جس کی "بسم اللہ"  
 "دیکھیں میں" میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آج کوئی ڈی "میں زب" کے نام سے ایجنٹ ہوا  
 ہے۔؟ معاف کیجئے۔ میں معلوم کرنا تو بھول ہی گئی کہ آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔؟"  
 (یہ خواہشیں ہوں) "میں ڈاکٹر خاں کا دوست بول رہا ہوں۔ اور میں زب سے متعلق اطلاع درست ہے۔  
 یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے۔" وہ بہت آہستہ اور شہر کر بول رہا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ عادیہ صاویر میں کس جگہ ہوا۔؟"

"بالکل ناممکن ہوں اس لیے کہ ان کو کوئی حالت میں اس پائل میں نہ پہنچانے والا ہی ہوں۔"

"ان کی حالت کیسی ہے۔؟"

"بہتر ہے۔"

"کیا وہ ہوش میں ہیں۔؟"

"جی۔ لیکن بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

"کوئی شہر وہ نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" (خدا کرے تمہاری حیات کے دنگ سلاست رہیں) اس کی آواز بدستور مدہم تھی۔

"آپ کی آواز سچ نہیں ہے۔ کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔؟"

"کیا بہت ضروری ہے۔؟"

"آخر آپ ہمارے کرمز ماہ ہیں۔"

"اماؤں میں یاد رکھیے گا۔ نام میں کیا رکھا ہے۔؟" اس نے ریسیور کو بیل پر رکھ دیا۔

اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ میرے اختیار نہ ہو جائے۔

"میں جانتا ہوں شہنازہ وہ دم ہو جو پیش کا نشان چھوڑ جاتا ہے۔ لیکن پہلے کی بات اور تھی۔ اب مجھ پر  
 بددیانتی کا الزام آ جائے گا۔ حالانکہ ابھی ابھی بہت دن لگ جائیں گے تو کوئی سنبھالے میں۔" کارنگال کو وہ اس کا سراپا لکھ  
 لگ گیا۔

یہ میرے کانوں میں کسی کی آواز آتی تھی۔ یہ خواب تھا۔؟

یہ ظلم تھا۔؟

وہم تھا۔ گمان تھا۔؟ کیا تھا۔؟

(کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔؟) "میں نام ہی پوچھوں گی۔؟" وہ تپتی سے منکرا۔

اسے میرے خیال کی انتہا آ کر وہ مجھ سے کلام نہ کرنا۔ ایک ایک ڈھم تو اڑوں گا۔ کیا کر دیتی ہوں۔؟

میں کر رہی تھی پیشہ جوڑتا ہوں۔ تم بھر کر اوتار دے۔

(ڈاکٹر خاں اپنے ساتھی ڈاکٹر کے سر کو دھکیلتے ہوئے اور خیال کا سلسلہ راز نہ ہوا۔)

بہت تک شبانہ کی کارروائی ہوتی رہی وہ اسی مکان سے بیٹھا رہا۔ ٹریک کا ٹیمپل اور ان کی ٹیموں کے حیات

کامیاب ہوئے۔

وہ ملک کو زمین ملک سپار تھا۔ اپنے علاقے کی منتہی تھی۔۔۔ ہر ماہ کی مصیبت ہانکے کے بعد ہوا۔  
 احرام میں آیا۔ بلکہ "چند" خدمت طلب پر حسین آفرین کے ڈوگرے بھی رہ گئے۔

اب باقی کام رہا تھا قادیان اور مرحوم مسٹر رکن راہیہ کے اہل و عیال کا جب وہ ان لوگوں کے ایک  
 آدمی سے باہر آیا تو رات کے نو بج چکے تھے۔ اب اس کی بیپ کا رخ پھر گاؤں کی جانب تھا۔ تقریباً کچھ گھر تھا۔

وہ جانتا تھا اگر بارہ بجے سے پہلے گھر نہ پہنچا تو اس کی اور بیپ اپنا بیٹا بیٹا ہو جائیں گی۔ گاؤں میں فون  
 کھینچنے کے کافی امکانات روشن ہو چکے تھے۔ اسے تو عرصہ ہو چکا تھا۔ فون پر ہی معلومات ملے کرتے ہوئے۔ اگر وہ

پاکستان سے باہر نہ ہوتا تو کب کا یہ مگر سر ہو چکا ہوتا۔ اور وہی میں فون لگ چکا ہوتا۔ جبکہ گھر کے دیگر لوگوں کو اس بات  
 سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ سب دراصل وہ اس لیے سوچ رہا تھا کہ اسے اگلے روز بھی لاہور میں کام چمکے تھے کہ وہ انہیں

میں سے ایک سے اس کا "مخصوصی رابطہ تھا۔ جس کے سال سے باہر ہونے کی غیر شعوری ہی ترپ تھی۔

وہم۔ اس کی بیپ میں عین لاکھ دوپوں کا چمک تھا۔ جو رات آٹھ بجے وصول ہوا تھا۔ اور آٹھ بجے چمک  
 کھلے نہیں ہوئے۔ ظاہر ہے اگلے روز صبح کرنا تھا کہ تصدیق ہو جائی کہیں ایسا نہ ہو اس کی آواز سے گاؤں کو لاہور کی

طرف روانہ کر دیا۔ کیوں کہ آج سے قبل بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ آئے اور نہ اس کی وضاحت کر کے نہ چلا ہو۔  
 اور وہ شہر۔ خوب مل نہیں گئے ایمانے۔ وہ جتنا ڈراؤنک کرتے ہوئے مسلسل سوچ رہا تھا۔ کبھی

گھر والوں کے پریشان چہرے سامنے آتے اور کبھی حیات کش آواز۔ "آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔؟" جتنا  
 سوچیں اس پر جلتا اور ہمیں نہیں دھمک دیتا تھا۔

اور یہ فیصلہ تو وہ کر ہی چکا تھا کہ کسی بھی قیمت پر وہ من کے سامنے نہیں آئے گا۔ صبح بھر وہ لاہور آئے گا۔ اس  
 کی خیریت سے آگاہی حاصل کرے گا۔

اور پھر ہمیشہ کی طرح ابھی تک بن جائے گا۔

اور وہ اس کی خیریت اس سے معلوم نہیں کرے گا۔

بلکہ۔

ڈاکٹر خاں سے ہلائی بالا معلوم کرے گا۔ کہ "اس کی" حیات کے دنگ ہی طرح چمک رہے ہیں کہ نہیں۔؟

☆ ☆ ☆

اس کے خدشات کے عین مطابق۔ بھائی رب نواز تو چمک پر ٹپٹے مل گئے۔ اسے دیکھ کر ایک طمانیت سی

ان کے چہرے پر نظر آتی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے بار۔؟" وہ مگر مدعی سے بولے۔

"لاہور گیا تھا بھائی۔ ملنے ملانے میں قوت لگ ہی جاتا ہے۔" وہ جب اندر لے گیا۔

ملانی تخت پر بیٹھی صبح کھاری جس پر پان کے پاس بیٹھی تھی۔

"بہت دیر ہو گئی آپ کو۔ کہاں رہ گئے تھے۔"

"جنم میں۔" وہ وہی طرح جھلا پڑا۔ "بندہ باہر جا رہا تھا تو دیر ہو رہی جاتی ہے۔"

"ہائے۔ ہائے ہتر۔" مگر کرن دی کیڑی گئے۔ "بے قصد کرنے کی کیا بات ہے (ملکانی نے ٹوکا۔

"رات دہی تے بھوتی ہو گئی ہے ہتر۔ خیر حال۔ لکھ لکھ کہ تے ہے ہاں تو؟ رات بھی بہت ہو گئی ہے۔ تو

ٹھیک ہے۔

"ٹھیک ٹھاک ہوں اماں جی۔ آپ کیا ہو رہے تھے۔" وہ فلت لہجے میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مٹکانی نے بہو کو بیٹے کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔

شریاس کے پیچھے چلی آئی۔

"کھانا کھا نہیں گئے آپ۔؟" وہ ڈرتے ڈرتے ہوئی۔

جوتے کے تھے کھولتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر شریاس کی سمت دیکھا۔

"ہاں کھاؤں گا۔ لیکن تم خدیجہ کو اٹھا کر کہہ دو۔ خواہ تو وہ ہاتھ پاؤں جلا نہیں تو۔" اس نے امریکن مین کی عادی بیوی کو کسی ناگہانی سے بچانا چاہا۔

شریاس نے کچھ بولے وہ ابسٹنٹ گئی۔

"وہ کپڑے بدلنے لگا۔ پلکا چھٹا ٹائٹ سوٹ مین کر ایک گریپ سا اطمینان محسوس ہوا۔

اس نے سوتے ہوئے فیکر کے رخسار چھوئے۔ "حرفے میں سو رہے ہو یا۔ وہاں تمہارے ماسوں ممانی

تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اگر تمہاری ماں کو سب رام کہانی معلوم ہو جائے۔ تو شاید میرے سینے میں چھری اتار دے۔" وہ وہ گئی سے مسکرایا۔ پھر کوٹ کی جیب سے تہہ شدہ اخبار نکال کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر میں خدیجہ کھانے کی کشتی اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی اور کھانا سلپتے سے میز پر لگائے گئی۔

"بی بی! کہاں ہے تمہاری۔؟" اس نے خالی پلیٹ اپنے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کون۔؟" خدیجہ شاید بھی نہیں۔

"بھئی۔ شہر کی بھی کہاں ہیں۔؟"

"آ رہی ہیں جی۔ ہاتھ دوسری ہیں۔" وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد شریاس اندر داخل ہوئی۔ اس نے ملک کو گہری نظروں سے نوازا۔ شاید اس کے موزا کا انداز لگاری تھی۔

"کھانا کھا لیا تم نے۔؟" اسے خیال آ گیا۔

"نہیں۔" وہ اختصار سے بولی۔

"کھا لیتیں بھئی۔ گریپ ہو تم بھی۔" وہ اس کو جگہ بننے کی نیت سے ایک طرف کھسک گیا۔

"پریشانی ہو تو بھوک کب لگتی ہے۔" وہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔ (ایک طرف بہت کی آگ کیا ہوتی ہے۔ تم تو

ابھی طرح جانتے ہو ملک۔ قدر کر دو شریاس کی۔ جو تم اسے نہیں دے پا رہے یہ تمہیں دے رہی ہے۔)

اس نے شریاس کی سمت دیکھا۔ ہیرے کے ہانک آویں سے اس کے رخساروں پر جھک آئے تھے اس نے

اپنے تراشیدہ ہاتھوں کو بڑبڑاتے میں قید کر رکھا تھا۔ ٹھکڑے ٹھکڑے نگاہی چہرے پر ہلاکی شہید کی تھی۔

"اماں جی کھانا کھا جائیں۔؟"

"جی۔ میں نے ابسٹنٹ زبردستی کھا دیا تھا۔ آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔"

"تم کافی ابھی بہو ہو۔" اس کے لہجے میں قہقہے کی مود کر آئی۔

"آپ کو احساس ہو جائے۔ بڑی بات ہے۔" اس کے لہجے میں شکایت کی تھی۔

"بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ اسے بہت محاس ہیں۔ ہم۔ بہت ساری باتوں کا احساس ہے ہمیں۔

ابھی تو تم سے بہت کچھ پوچھا ہے۔ ہماری چیزیں سنبھال کر رکھتی ہو۔ میں تو کچھ نہیں ہوتی۔" وہ مسکرائی۔

"ملک۔ آپ کتنی محنت کرتے ہیں۔ اور ہم آرام سے رہتے ہیں۔" اس نے بات بدل دی۔

"ارے کہاں محنت کر رہا ہوں۔ ٹھیک منار ہاؤس پاکستان میں۔"

"امریکہ میں تو کرتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں نا۔"

"ارے کام تو کرتے رہتا چاہیے نا۔ دل لگا رہتا ہے۔ بندے کا۔"

"لیکن گھر سے تو دور ہو جاتے ہیں۔ آپ گھر میں نہیں ہوتے تو میرا دل نہیں لگتا۔"

وہ صاف دلی سے بولی۔ تو ملک نواز کو گریپ سی سرٹ کا احساس ہوا۔

"ارے تمہارے ساتھ تو میں بہت برا سلوک کرتا ہوں۔ پھر بھی۔؟"

"پھر بھی۔؟" وہ مسکرا پڑی۔

"دیکھو۔ بی ایچ ای ایس ایس ایس میں ڈپٹی ہو مجھے۔ جس میں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ

مستی خیز انداز میں مسکرایا۔ شریاس نے ابھی ہوئی نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔ لیکن فوراً ہی بچوں کی جھانک کر رہی۔ جملہ مشکل

تو مگر نظری زبان آسان تھی۔ وہ پھر کچھ بول نہ سکی تھی۔

صبح ہشتا کر تے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تو شریاس نے فوراً اس کی شیت بھانپ لی۔

"آپ پھر کیس جا رہے ہیں۔؟"

"ہاں بھئی رات تو تم لوگوں کی وجہ سے مجھے گرتے پڑتے یہاں پہنچنا پڑا تھا اور تم کام بہت دے گئے ہو لے ہیں

میرے آج چونکہ جلدی جا رہا ہوں اس لیے مصر تک واپس آ جاؤں گا۔"

پھر وہ ماں کو اطلاع دیتے والا ان کی طرف گیا تھا۔ شہر کو دیکھ کر اس کے چہرے پر قدرتی مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے بھی باپ کی طرف دوستانہ مسکراہٹ بھیجی۔

"یار۔ اتنے دن ہو گئے تم سے تو ٹھیک طرح بات ہی نہیں ہوئی۔" اس نے بیٹے کو دوسرے ہوا میں اچھالا۔

"شکر ہے تجھے اپنی غلطیوں کا احساس تو ہونے لگا۔" مٹکانی نے شہر کے کمرے کی ترپاتی کرتے ہوئے بتایا۔

ملک نواز نے پھر پور مراد قہقہہ لگایا۔ "اچھا اماں جی۔ آپ بھی چوٹ کرنا سیکھ گئی ہیں۔"

"سیکھ لہیہ۔ وگت (وقت) آپ ہی سکھا پڑھا رہا ہے۔ (سیکھا لہیہ ہے وقت آپ ہی سکھا پڑھا رہا ہے)

یہ سویرے سویرے کھڑ چلیا۔" (یہ سویرے سویرے کہاں جا رہے پھر۔؟)

"نیکیا تانے آیا ہوں۔ لاہوری جا رہا ہوں۔ شام کو جلدی آ جاؤں گا۔"

اس نے شہر کے رخسار چوم کر گود سے اتار دیا اور قدم باہر کی سمت بڑھا۔

"جی۔؟" شہر کی معصوم آواز پلٹنے لگی۔ وہ باپ کے پیچھے دوڑا تھا۔

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب

زندگی سی اک پاؤں میں پھنک جاتی ہے

اس کی والدہ بہت کا اعتراض اب منہ سے زبان سے ہونے لگا تھا۔

دھننے کا افکار۔ اور ایک گریپ سی معترتی کا احساس اسے سر سے پاؤں تک بھگنایا۔

"جی۔؟" شہر بڑھ چلا۔ اس کی جانب بڑھا تھا۔ کوئی اس کے موزا کو دیکھے بغیر بھی اس سے بات کر سکتا تھا۔؟





"میرے گھر اطلاع کس نے دی تھی؟"

"شاید مسٹر ملک ہی نے۔" نرس کو پے درپے سوالات سے الجھن ہونے لگی۔

"ہوں۔" حسن نے کہا۔ "ہوں" کیا اس کا ذہن سوچوں میں گم ہو چکا تھا۔

"وہ آپ سے ملنے کے شائق ہیں مسٹر ملک۔ کوئی حرج نہیں ملے میں۔ آپ تو ان کے عمن ہیں محرم نہیں۔"

"چھوڑیں۔ ڈاکٹر۔ اب ایسا بھی ضروری نہیں۔" ان نے سگڑا سا شروع کر دیا۔

"نمائش دکھاؤ اور خود قاتل کے اس دور میں آپ حیران کن انسان ہیں۔"

"ڈاکٹر خاور مسکراؤ تو ملک نے بھی چھوٹا سا قہقہہ لگا دیا۔

"کیا مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے؟" وہ مسکرایا۔

"نہیں۔ اب ایسا بھی ضروری نہیں۔" ڈاکٹر خاور نے اس کا جملہ ٹوٹا کر حساب برابر کیا۔

"کب تک ہیں آپ امریکہ میں۔" ڈاکٹر خاور دوست سے ہو گئے تھے۔

"پتا نہیں۔ دیکھیں کب تک ہیں۔ ویسے ابھی تو میرا بچہ بہت چھوٹا ہے۔ جب تک تو امریکہ ہی میں رہے۔ فی

الحال میرا یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ لیکن ایک دن تو اپنے گھر آنا ہی ہوگا۔ میں اپنے بچے کو کہیں بھیجوں گا اس کے

اپنے گھر میں تعلیم کے لیے میں نے اس کے لیے خواب دیکھا ہے۔ کہ اسے لی۔ اے۔ ایف کی سٹ لائونگ۔ یہ خواب

میں نے اپنے لیے دیکھا تھا۔ لیکن کنسن ٹریشن (یکسوئی) حاصل نہ ہو سکی۔ بس مجھے ہندیاں اور ہند لوگ بہت اہل

کرتے ہیں۔"

"ایک ہی بیٹا ہے۔"

"فی الحال۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تو ڈاکٹر خاور بھی مسکلائے۔

"وہاں آپ کس باب پر ہیں۔"

"پرنس ایڈمنسٹریشن کا ایک چھوٹا سا پتہ زوہ ہوں۔"

"میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ کتنا چھوٹا پتہ زوہ۔" وہ اس کی انکساری سے متاثر نظر آتے تھے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم ان۔" ڈاکٹر خاور نے دروازے کی سمت دیکھا۔

سکمرے میں پارو تیرو جس کی "سویت لنگ" سی لڑکی داخل ہوئی اور آگے بڑھتے ہوئے کچھ ہلکی سی گئی۔

"آؤ۔ بے بی۔ خیریت۔" ڈاکٹر خاور شکر سے ہو گئے۔

"وہ میں پوچھنے آئی ہوں۔ کیا میں اپنے بچے کے پاس ٹھہر سکتی ہوں۔"

"کیوں نہیں۔ ایک آدمی ان کے پاس ٹھہر سکتا ہے۔" ڈاکٹر خاور نرسی سے بولے۔

ملک نوادہ ششدر سا اس بچی کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے بڑا کالینجین اس کے سامنے آکر اہوا تھا۔

"کیا میرا بچہ جلد ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ کس قدر شکرگزی۔

"بالکل۔ مگر نہ کرو۔ بے بی۔ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ شفقت سے بولے۔

جب وہ ملک نوادہ کو دیکھے بغیر واپس چلی گئی۔

"مسٹر حسن کی صاحبزادی۔" ڈاکٹر خاور نے ملک کو تھکا ہوا ضروری سمجھا۔

"اندازہ ہو گیا تھا مجھے۔" وہ انہیں حواسوں میں آ گیا تھا۔

"بہت حساس بچی ہے۔ پتا نہیں مسٹر حسن کی دوائے کیوں نہیں آتیں کہ بچی بہت چھوٹی ہے۔" مہرا اگل

خاور کو خدا حافظ کہہ کر دیکھ جانے کے لیے پلٹا۔ چپ کی طرف آ گیا تھا۔

وہ حسن کے سر ہانے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"بہت تکلیف دہ رہی ہے بچہ۔" وہ بہت پریشان تھی۔

"نہیں بیٹے۔ اب میں کافی ٹھیک ہوں۔" اس نے بچی کو دلا سا دیا۔

"لیکن چوبیس تو بہت آئی ہیں۔" اسے باپ کی بات پر اکتاہٹ نہیں آ یا تھا شاید۔

"ہاں بیٹے۔" چوبیس۔ "تو واقعی بہت آئی ہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔

"آپ جس جگہ گئے پتہ۔"

"نہیں میری جان۔ قطعی خواہش نہیں۔"

"وہ کتنے اچھے اکل ہیں پتہ جنہوں نے آپ کو خون دیا ہے۔ بے ہوش۔"

"تم ملی ہو ان سے۔" اس نے چونک کر بچی کی شکل دیکھی۔

"نہیں۔ وہ مجھے نہیں ملے۔ حالانکہ ہمیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ کیوں پتہ۔"

"ہوں۔ انسانیت کا تقاضہ تو یہی ہے۔" اس نے پھر طویل سانس لی۔

"امی تو بہت پریشان تھیں۔" اس نے باپ کی شکل بخور کچھ کر کہا۔

"دادا جان کہاں ہیں آپ کے؟" وہ پھر طرح دے گیا۔

"بازار تک گئے تھے۔ آتے ہی ہوں گے۔" باپ نے بات بدلی تو اسے دکھ ہوا۔

"شعبہ۔ خدا کی قسم۔ بہت پریشان ہوں میں تم سے۔" وہ مگن سی میں سے چلائی تھی۔

"جگ۔ مکی ہل ش پارو نے کی تھی۔ پہلے یہ مجھے تک کرتی ہے پھر آپ سے شکایت کرتی ہے۔"

"ہاں۔ تم تو بہت ٹیک ہو۔ کل اور پر والے پارٹنٹ کی کھڑکی پر بھی چھبیں ش پارو نے لگا یا تھا۔ ہے ہاں۔"

اور وہ سز پال کا آسٹریلیئن پورٹ (طوطا) بھی ش پارو نے اڑایا تھا۔ "وہ بدستور مگن سی میں سے بول رہی تھی۔

"ہونہ۔" کھڑکی میں لٹکا کوئی بری بات ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اور وہ سز پال کا پورٹ میں نے نہیں اڑایا تھا۔

بٹ۔ بٹ۔ بٹ۔ سیٹ۔ سز پال اڑا سکا۔ آئی ڈس لائیک نو ہر سوچ۔ بٹ۔ آئی سیٹ ہر۔" وہ آرت ہو گیا تھا۔

(بلکہ وہ خود اڑا تھا۔ سز پال جھوٹی ہے۔ میں اسے تپند کرتا ہوں بلکہ اس سے نفرت کرتا ہوں) "سز

پال۔ ہونہ۔" بلیک برڈ" (کالا پرندہ) وہ مٹونے پر اٹا ہو گیا تھا۔

کس آسنے اسے پیچھے سے آ کر قہقہہ لگایا تھا۔

"بابا میری بات۔" بڑوں کو اس طرح نہیں کہتے۔ سز پال نے سنا تو کیا سوچیں گی؟ کہ شعبہ کے بھی بیٹا اپنے

بچے کو کھنکھناتے۔ جو ان کا بچہ اٹا۔ "کل مہرا" ہے۔"

ٹی ازال میرا ہر سیٹ۔" بلیک برڈ۔" (وہ خود بخیر ہے۔ کالا پرندہ) اس پر کس آسنے کی بات کا کوئی اثر نہ

ہوا۔ سیدھا ہوا تو بڑا کو اپنی جانب مگورتا پڑا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا مکی۔ آئی سوئیر۔"



"نہی بات یہی نہیں کہتا ہے۔" مس آمنہ نے اس کا گال جھپٹا ہے۔

"چھوڑیں آمنہ۔ یہ خود مجھ جانے گا۔ اس کے بچا آچکے ہیں۔ ایک ایک حرکت بتاتی ہوں اس کی۔"

بچپن سے ہاتھ پانچھے ہوئے ہوئی۔

شہر کی تو سٹی کم ہو گئی۔

"اوہ جی۔ سو رہی تھی۔ اب کچھ نہیں کروں گا۔ جی جی جی۔" اس کی کھٹکھی بند ہو گئی۔

"نہیں اس بہت ہو گیا۔ آج تو میں انہیں بتا کر ہی رہوں گی۔ بہت پریشان کرتے ہو تم۔"

"طیو۔ جی۔ نہیں کروں گا ناں شرارت۔ آپ دنیا کو نہ بتائیں۔ پلیز جی۔"

"تم ہمیشہ یونہی کہتے ہو۔"

"جی مجھے پیاسے ارگنا ہے۔ آپ تو بہت سوٹ ہیں۔ آئی لو جی سو جی جی۔" اس کے خوشامد انداز پر مس آمنہ کو سکر اپٹ دیا۔

"دیکھ رہی ہیں آمنہ؟ یہ ہمیشہ اس طرح نہیں کہتا۔"

"جی۔ پیاسا کا قصہ بہت سخت ہوتا ہے۔ مجھے ارگنا ہے۔ اس دن انہوں نے امیر اکبر کے ہاتھ دم میں بند کر دیا تھا۔ مجھے وہاں جن بھوت دکھائی دے رہے تھے۔ اس دن میں مر جاتا تھی۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"تم تو ہمیشہ ایسے بھوتوں سے ڈرتے ہو۔ اور ان کے جانتے ہی وہ خلاف ہو جاتے ہو۔"

"بس۔ جی۔ آ۔ آ۔ آ۔" وہ بڑی طرح ہکا بکا کر رہ گیا۔ ملک نواز میر برٹش ہاتھ میں لپے دوڑے ہی میں دکا ہوا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس کی بھاری آواز گونجی۔

"گک۔ گک۔ کچھ نہیں۔ ڈرن یہ مل رہا ہے۔ جی جی۔" قریب جلدی سے ہوئی۔

"عجب دم کیوں میں بات کرتی ہو۔" وجہ پچھا۔ ہونٹ ہلکا کر مسکرا دیا تو شہر کی جان میں جان آئی۔

مس آمنہ کشن ٹھیک کرنے لگ گئی تھیں۔ ملک نواز وہاں پلٹ گیا۔ شہر نے آپک کرٹیا کا رخسار چوم لیا۔ "تھیکس جی۔" تڑپا مسکرا پڑی۔

☆☆☆

"بیلا السلام علیکم"

"کافی اچھا جی رہے ہیں باقی بھائی۔ واقعی میں بہت شرمندہ ہوں۔ گزریا کی شادی میں شریک نہ ہو سکا۔"

آپ کو اپنی مجبوری سے آگاہ کر چکا ہوں۔ بچوں کا بھی سیشن شروع ہے اور میں بھی چھٹی لینے سے قاصر رہا۔"

"ویسے سب ٹھیک تھا کہ رہا۔ طے بہت اچھا ہوا۔ آپ ایک فرض سے تو عہدہ ہرا آئے۔"

"مس آمنہ تو ہمیشہ ہی آپ کو بہت بچہ کرتی ہیں۔ پوچھتی رہتی ہیں آپ کا۔"

"ٹریا اصل پیش تو ان کے ہیں۔ اس قدر مصروف رہتی ہیں کہ بس مس آمنہ کا دم قیامت ہے۔ اور نہ؟"

تو یاد ہی نہیں رہتا کہ ان بچوں کا کوئی باپ بھی ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ شہر بہت چمکس بچہ ہے۔ لیکن ساتھ ہی بے انتہا شرارتی

بھی۔ نہ جانے کیوں۔ میرے سامنے تو خاموش رہتا ہے مگر دوسرے گھر والے نشانے پر رہتے ہیں اس کی تو بہت

پھپھائی ہے۔ لیکن ہم نے بھی زمانہ دیکھا ہے۔ آخر ہے تو میرا بیٹا۔ جی۔ آ۔ آ۔ آ۔ اس نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔

"جی۔ اعتراف۔ جی ہاں۔ ایسے سب اسی اعتراف کے تو بکیز سے ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے تو مجھے ملٹنس کر دیا

جی۔ اس اپنی ماں کو بہت گھٹ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ بے چاری تو بے قصور ہے۔ اس نے بڑا قہقہہ لگایا۔

"جی ہاں۔ بچوں کی پٹیاں ہوں گی تو آنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ میرا دوسرے گھر کو پاکستان

اپر نہیں سے ملے گا۔"

"نہیں خیر۔ ابھی تو وہ چھوٹا ہے۔ میرا آج وہ کاہر گرام ہے۔ اس جہ سے جلدی پاکستان کا پتہ لگے گا۔ میرا

جی جی کو بھی اپنی "ماس" سے بہت محبت ہے۔ مجھے ان کو اس بھوت پر یقین کرنا چاہتا ہے۔ کتنی ہے پاکستان اور "ماس"

بہت دانت ہے اس بات تو تینوں بچے ہی اسکول جاتے ہیں۔ مس جانتے ہیں شام کو آتے ہیں۔"

ٹریا کی اپر وہ سنٹ قابل رنگ ہے۔ آپ اس کی تحریر دیکھیں گے تو یقین نہیں آئے گا۔ انگریزی اسے

کامروں نے اور شہر نے سکھادی ہے۔ یعنی انگریزوں بھی انگریزی ہی لیتی ہے گزرا ہے اس کی۔ اور کچھ شہر بھی

ماحول کی جہ سے آدھی اردو آدھی انگریزی ہی ہوتا ہے۔ اور شہر پارو بھی۔ شہر پارو کافی چھوٹا ہے اپنی ماں ہی کی ماں ہوتا ہے۔"

"جی۔ واقعی تو مہر تو سن گیا۔ بس دیکھ لیا کریں۔ آپ جیسے شخص لوگ تو میری رنگا رنگی ہیں اور زندگی کا

جیب ہیں۔"

"ہائل۔ میں شہر گزرا ہوں خدا کا۔ آپ کا۔ مس آمنہ کا۔"

"اچھا جی۔ ٹریا کا سلام لیں۔ اوکے۔ خدا آفا۔" اس نے ریسرچ کر ٹیل پر آہستگی سے اشارہ دیا۔

اسی وقت ٹریا سیاہ اور سرخ لائیکوں والی ساڑھی میں ملیوں اندر داخل ہوئی۔ اور سیاہ ڈاکل کی رستہ واقع ہو

برت چم کر رہی تھی ہانڈا شروع کر دی۔

"گم گم پتا ہو گئیں۔" اس نے ٹریا کے چہرے کی دائمی خوبصورتی کو نظر میں بند کیا۔

"آپ ذرا شہر پر نظر رکھیے۔" وہ مصروف سے انداز میں گویا ہوئی۔

"کیوں؟ اسے نہیں کے کہ جا رہی ہیں۔؟ حالانکہ ہر تھوڑے پارٹی تو ہوتی ہی بچوں۔"

"وہ خود ہی نہیں جا رہا۔ حالانکہ مسز پال تو اسے بہت پیار کرتی ہیں۔ کہتا ہے۔ وہ "کالی" ہیں۔ اور ان کے

کان بہت چھوٹے ہیں۔"

پھر تو اسے "گدھے" بہت پسند آئیں گے۔ خاصے لیے کان ہوتے ہیں گدھوں کے۔" بچے کے خیالات سن

کر اس کا سوڈا خراب ہو گیا۔ برابر والے اپارٹمنٹ میں عارضی طور پر قیام پذیر یہ ٹیکر و سائی بہت اچھے اخلاق کی عورت تھی۔

"اسے کنٹرول کر دیا۔ یہ دل آزادی کے انداز دیکھ رہا ہے۔ وہ کہاں۔ میرے پاس بھی جاتا۔" ٹریا پر اس

اور ٹٹ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد سہا ہوا شہر اس کے سامنے تھا۔

خوبصورت وہاںٹ ڈریس میں ملیوں تھا۔ سیرے بال ریشم کے تاروں جیسے پوشاکی پر جھک آئے تھے۔ سرخ

سرخ اور ہڈی بے دردی سے کاٹ رہا تھا۔

"اے۔ پرس۔ اور آؤ۔" (اس نے بیٹے کو "پرس" بلایا تو اسے ہر صاحب یاد آگئے جو اسے پرس کہا

کرتے تھے۔)

وہ ڈراڈرا ہاپ کے نزدیک آ گیا۔

ملک نے بازو کو گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ لگایا۔

"کیا میرے چہرہ کی صورت آنکھوں میں بھاگتا۔"

"آئی۔ ایم۔ ایلیون ایرزاولڈ۔ جیہ۔" وہ کہے ہوئے انداز میں بولا۔

"صرف گیارہ سال کے؟ میں تم سے عمر میں بڑا ہوں۔" اس نے بیٹے کے چامچی نظروں سے دیکھا۔

شہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور تم سے زیادہ جانتا ہوں ناں۔"

شہر نے پھر "ہاں" میں ہر دن ہلائی۔

"جوابات میں کہوں گا۔ کیا تمہیں اس کا یقین آئے گا۔"

"نہیں دیا۔" اس نے خوشیوار باپ کے وجود میں گم ہو کر جواب دیا۔

"تو پھر۔ یاد رکھئے والی بات ہے۔ کہ جو انسان بھی مسکرا کر اور بھی محبت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ بہت

خوبصورت ہے۔ جو آپ کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ وہ آپ کی دولت ہے۔"

شہر نے حیران آنکھیں باپ کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

"جو محنت کرتا ہے۔ بیٹے۔ وہ بد صورت نہیں ہوتا۔ یقین کرو۔"

مسز پال۔ آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ وہ ہمارا خزانہ ہیں۔ آپ کو ان کی محبت کا جواب محبت سے دینا

چاہیے۔ لہذا اے بیٹے مائی سن۔ وہ بھی ہاتھ پاؤں والی انسان ہیں۔ وہ "بلیک بڑا" کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ "بڑا" کے تو پر

ہوتے ہیں۔"

شہر نے شرمندگی سے آنکھیں جھکا لیں وہ تو سمجھتا تھا کہ بچا کو کچھ نہیں پتا۔ جبکہ بڑا "بلیک بڑا" والی بات

جانتے ہیں۔ اسے واقعی شرم آگئی۔

"یہ میرے لیے دکھ کی بات ہے کہ میرے بیٹے کی وجہ سے کسی کا دل دیکھے۔ محبت کرنے والوں سے نفرت

نہیں کرتے۔ میری زندگی اگر محبت اور دولت اللہ دیتا ہے بیٹے اور اللہ کی دی ہوئی چیز کو نہ نہیں کہتے اگر میں میں جو

تمہارا لپٹا ہوں سپاؤ۔ ایک دم بلیک ہوتا؟ تو پھر آپ تو مجھ سے بات کرتا بھی پسند نہ کرتے۔ یا آپ کی می۔"

شہر ہلکے نواز سے لپٹ گیا۔

"سوری دینا۔ (ٹپٹی۔ ویری سوری۔"

"آپ بالکل ٹھیک تھا کہ میں محترم۔ لہذا مسز پال کے ہاں چلے جائیے۔ ٹونی سے پال انکل سے مسز پال

سے کہیے۔ سوری آئی ایم سوئیٹ۔ رت آئی کیم۔"

اس نے مسکرا کر شہر کی پشت چھبائی۔

وہ فوراً ہار بھاگ گیا۔ ملک نواز کے لبوں پر ایک نرمی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

وہ دروازہ پر دستک دے کر اندر چلی آئی تھی۔

"اسلام یتیم۔"

"وہ یتیم اسلام۔ بیٹے۔ اچھی تو ہو۔"

"جی ہاں جان۔ بالکل ٹھیک ہوں۔ سر ہیں۔"

"ہاں۔ اندر ہے وہ ہلائی ہوں۔"

"جیشید۔ دیکھو جیٹا۔ جیٹا آئی ہے۔"

تھوڑی سی دیر بعد وہ مکرے سے باہر آگئے۔

"اسلام یتیم۔ سر۔" اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"وہ یتیم اسلام۔ ٹھیک ہو۔"

"جی۔ ایک دم ٹھیک۔ پھر مطلب ہی سے آئی ہوں۔"

"کسی طرح بھی آئیں۔ مجھے خوشی ہوئی۔ کوئی سے کب وہ ابھی ہوئی۔"

"کل شام ہی آئی ہوں سر۔ اسی تو آئے ہی نہیں دے رہی تھیں۔ گرا آئی چل دی گئیں چارہ ہی ہو۔ لالت

پر پٹش ہے۔ میرے تو اعصاب پر حاوی رہتا ہے۔"

"ارے۔ ارے۔ ارے۔ اعصاب پر حاوی نہ کرو۔ لالت نو۔ آخر چلیں لڑکی ہو۔"

"جھپک ہو سر۔" وہ شکرگزاری کے ساتھ مسکرا دی۔

"سر۔ وہ میرے ٹوٹے حاصر قریبی نے وہاں کر دیے۔"

"ہاں۔ دے گیا تھا۔"

"بہن اسی لیے آئی تھی سر۔ پلیز ٹوٹے حاکمیت کرو بیٹے۔ شام گہری ہو رہی ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی ٹائی کا گھر یہیں نزدیک ہی تو ہے۔"

"جی سر۔ نزدیک تو ہے۔ مگر وہ ہونے پر پریشان ہو جائیں گی۔ وہ کتنی ہیں میں ان کی بہت بڑی ذمہ داری

ہوں۔ اسی سے بھی بڑی۔ ذمہ داری۔" وہ مسکرائی۔

"اے سے بھی بڑی۔ کیا مطلب؟ میری ناقص عقل میں یہ بات واضح نہیں ہوئی۔"

"مطلب یہ کہ اسی توان کی بیٹی تھیں۔ لیکن میں جناب حسن زیدی کی صاحبزادی ہوں۔"

"اچھا۔" جیشید نے چھوٹا سا غور لگایا۔

"اگر سے ماں جان۔ یہ آپ نے کیا کیا۔" ہما نے جیشید کی والدہ کو ہر سے اٹھائے دیکھا تو شرمندہ ہی ہو گئی۔

"کیا کرنا بیٹے۔ ذرا سی چاہئے بٹائی ہے۔"

"آپ نے کیوں تکلیف کی۔" وہ حقیقت ہی تھی۔

"اتنے فائل نہیں ہوتے ہما۔ چائے ہی تو ہے۔" جیشید مسکرا دیے۔

"شباباش چائے بناؤ۔ خود بھی پیو اور ہمیں بھی پلاؤ۔"

"اور کوئی کیک کا موسم کیسا ہے۔"

"نا دل ہے سر۔ کیسا ہوتا ہے اس پھر ملی زمین کا موسم۔" وہ لاشعوری طور پر آرزو ہی ہو گئی تھی۔

"مگر میں سب خیریت ہے۔"

"جی۔ دادا جان کی کچھ طبیعت خراب تھی۔ وہ تو مجھ سے بے انتہا پیار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں ان کی پوتی

ہی نہیں بلکہ بیٹی بھی ہوں۔ دراصل میری چھو چھو ہوئی تھیں شہا میں ان میں بہت ملتی ہوں۔ دادا جان تو کہتے ہیں۔ تم

پھر چھو چھو ہوں۔"



"کیا ان کا انتقال۔"

"نہیں نہیں سر۔ ایشیادہ دراصل وہ قریبی طور پر اب ذرا قریبی قریبی ہیں۔ ان کی تم ہوگی قریبی نہیں۔"

"اور۔ یہ تو واقعی ٹریڈ ہوئی۔" ہوشیہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"اوصاف تو ہو گا۔" اماں جان نے نما کی صورت دیکھی۔

"آج تک واسطہ ہے جس ہم لوگ۔" ہمارا کی ہزار گھنٹوں میں پانی تیر گیا۔

"ہاں بیٹے۔ بعض اوقات ایسے حالات سے سنا ہے کہ جاتا ہے جو قصہ میں نہیں ہوتے۔ یہ بھی قدرتی کی

طرف سے اتفاق ہوتے ہیں۔ جن پر صبر کرتا پڑتا ہے۔" اماں جان نے سر آدھ کر کہا۔ "اور وہی جان تہہ داری۔"

"پھر پھر کے تم ہونے کے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"

ماحول افسردہ سا ہو گیا تھا۔ چند ٹاپے تینوں بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ پھر ہوشیہ نے اس کی فائل لینے اور

کمرے میں چلے گئے۔

"کوئی نہ کوئی دکھ۔ کوئی نہ کوئی کی ہر انسان کے ساتھ ہے بیٹے۔ میں نے بھی ایک جوان لاش اٹھا پایا ہے۔

جوشیہ سے چھوٹا تھا بھڑک۔ اپنے بھائی کی بیٹی سے اس کی تو بات چیت ملے تھی۔ وہ پسند کرتا تھا اسے۔ بس ایک دن چپ

چپاٹے چل دیا۔ آہ۔ جہاں کہیں دکھ ملتی ہوں۔ کان کھڑے ہو جاتے ہیں میرے۔ سنی جاتا ہے۔ دکھ کا دکھ ہانٹ لیں۔

اورت کسی کی ہو۔ تم چاہے کسی کا بھی ہو۔ میری برداشت سے باہر ہے۔" ہمارے ڈاکٹر جوشیہ کی والدہ کو قدر دان نظروں

سے دیکھا۔ "اٹھ۔ کس قدر محاسن ہیں یہ۔ اسی کی طرح۔"

(ای۔ آ۔ آ۔)

"یہ نیچے نما۔ حاصر شکر یہ کہہ رہا تھا۔" جوشیہ نے فائل اس کی کی سمت پڑھائی۔

"شکر یہ سر۔ اچھا میں جلتی ہوں۔"

"میں آپ کو چھوڑ آؤں گا نما۔"

"بہت بہت شکر یہ سر۔ ابھی رات نہیں ہوئی میں چلی جاؤں گی۔" وہ جلدی سے ہوئی تھی۔

"اچھا۔ سر۔ اماں جان۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ بیٹا۔" اماں جان سے سوچ کے تصور میں ڈوبے ڈوبے جواب دیا تھا۔

"ارے خورشید۔ تم ناں۔ بے وقوف بہت ہو۔"

"کیسے چھوٹے مالک۔" وہ پریشان سا ہو گیا۔

"اے۔ کراہتے ہوئے گھر کے واقع میں ہو۔ روز صفائی کرتے ہو۔ اور سوتے سروٹ کو اڑھ میں ہو۔ اور اسے

بچا کے بیڈروم میں سو جایا کرو۔ جب ہم لوگ امریکہ میں ہوتے ہیں۔"

خورشید نے ملک لٹا کر اس کے شاندار سے لیکن بے انتہا شرافتی سے وارث کو مسکرا کر دیکھا۔ "مالک کو بچا ملک

گیاناں۔ میری کمال میں بھر داکر مین گیت پر لکھوا دیں گے۔"

"ہیں۔" ہوشیہ کے خاک پتے نہیں پڑا۔

"آئی کڈ ناٹ اٹھرا شیڈ۔" یہ "بھس" کہا ہوتا ہے خورشید۔"

"چھوٹے مالک۔ یہ جانور کی پسند و خوش ہوتی ہے۔ خورشید نے بڑی طبیعت سے بتایا۔

"اچھا۔ لیکن یہ کمال میں کس طرح بھرا جاسکتا ہے۔"

"بڈیاں۔ آنتیں باہر نکال کر۔"

"یعنی ہمیں کھنکھیں آلی۔" ہوشیہ نے بے زاری سے کہا۔

"خورشید۔ یہ بالکل جو باہر کھڑی ہے۔ کیا اس میں بروقت ڈال۔ یہ ڈال بھر دیتا ہے۔"

"ہاں۔ جب مالک آتے ہیں تو بروقت۔" خورشید نے بتایا۔

"خورشید بچا یہاں گاڑی کیوں نہیں لیتے۔؟ ہاں تو دھارے پاس اکوڑا سے بھی ابھی گاڑی ہے۔ باغیچوں

کی اکوڑا سے بھی ابھی۔ جی جی کی کبھی نہیں۔ کہ ہم پانچ انسان ایک اسے تمام مالک پر نہیں چڑھ سکتے۔ اسے بھی مالک

پرانی ہو گئی ہے۔"

"خیریت تو ہے چھوٹے مالک۔ یہ بالکل پر بڑا اور چارہ ہے۔ کہیں۔ اسے مست دے گا۔ پولیس حراست۔"

"یہاں۔ فائن کو (جڑے کو) کو حراست ہے۔" وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے پولیس بچا کر کے جانے کی۔"

"تو ملے جائے۔ ہمیں کسی سے نہیں لگتا۔ بس پیاسے لگتا ہے۔"

ڈاکٹر نے بھی پیاسے لگتا کی بات تو ہم چست سے بچے کو دیا میں گئے۔ اس نے دھکی دی۔

"مجھے بالکل خور بھجواتے آپ نے۔" خورشید نے نچے سے شیر ہو کے شہر مارا تھا۔

"تہہ داری دیکھ صاحب ہو سکتا ہے بچا سے میری شکایت کیا کریں۔" کیا مالک یا قصہ کا انداز تھا۔

"نہیں نہیں۔ میں نہیں سمجھاؤں گا۔" خورشید نے اطمینان دیا۔

"جھجک۔ سوچ۔"

"کیا مطلب۔ یعنی۔" خورشید کا ماتھا ٹٹکا۔

"نہیں نہیں۔ ہم تو ایسے ہی کہہ رہے ہیں۔" ہوشیہ ایک نشست میں پڑ رہا تھا۔

اس نے ہر طرف سے اطمینان کر لیا۔ جی اور اس آواز ٹانگ کر لے گئی ہیں۔ بچا تو اچھی کے ساتھ جنگ

لگے ہیں۔ خورشید جگن میں ہے اس کی جی دیا کا بند روٹھک کر رہی ہے۔ میدان صاف ہے۔ اس نے بالک کی چالی

الٹائی اور ہچک سے باہر نکل گیا۔

کافی دور بالک کو ایسے ہی کہتے تھے۔ کافی فاصلے پر ڈاکٹر اسات کی تھی۔

گرمی اس قدر شدید تھی کہ بول دانی جان چل بھی اٹھا۔ چھوڑ بیٹھی تھی۔

اس سے سناں راستے۔ لیکن امیر یا سے کافی پرے ایک بے رونق کی۔ کج تھی جس نے وہ جی بہت

سے بلی جادری تھی۔ مالک کے ہاں شام تک کا پرہیز کر رہا تھا۔ یہی سوچ کر اسے اطمینان تھا کہ ہاتھ سے ساتھ ہی خطہ ابھی

شکا بھرا اچھا سا کھانا بھی اور پھر ٹھنڈے کمرے میں تقریباً ایک گھنٹے کی ابھی ہی فینڈ تھی۔

مالک سے اس کی دوستی کراچی آتے ہی فوراً ہو گئی تھی۔ اس دوستی میں آج کی بات تو کوئی خاص نہیں تھی

حوالے اس کے کہ مالک اس سے ایک سال پیارے دی تھی۔ اور آج کل اپنے کسی اچھے کے ٹھیکہ میں کام کر رہی تھی۔

وہ اس کی بہترین دوست تھی۔ تعلیمی مساوی تھی۔ اور زندگی بچا بچا تھی۔ بیٹھ سے کبھی آ رہی تھی۔

"نما۔" جیسے پتا ہے۔ میری ان سفید آنکھوں میں صدیوں پرانا کوئی طمس ہوتا ہے۔ "وہ شہر کا قریبی پڑتی





"السلام علیکم"

"والسلام علیکم۔" ہمارے جواب دیا۔

"کون ہیں یہ چھوٹے مالک۔" خورشید کی بیوی کی نظر میں بڑا شوق تھا۔

"کیسے ہیں ہماری۔" داران کے لیے کولڈ ڈرنک لے آؤ۔ شہ پارہ کہاں ہے۔" اور مکی آنکھیں گھٹی۔

"پارہ لی بی اپنے کمرے میں ہیں۔" بیگم صاحبہ تو نہیں آئیں آمد لی بی آگئی ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی بیگم صاحبہ

"انکر باقر کے گھر چلی گئی ہیں۔"

"تھکس گا۔" اب تم جلدی سے کولڈ ڈرنک لے آؤ۔" شہ نے اپنے سفید ہاتھ اٹھا کر نہ اکا کر دیا

کیا۔ ہنسا مسکرا دی۔

تھوڑی دیر بعد خورشید کی بیوی چھوٹی سی لڑکے میں کولڈ ڈرنک لیے چلی آئی۔

"آپ سی۔" بیگم صاحبہ کی رشتہ دار ہیں۔" اس نے ہنر ہنسا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن تم نے مجھے ان کا رشتہ ارا کیوں سمجھا؟" ہنسا نے گھونٹ بھرا۔

"آپ ان میں بہت مل رہی ہیں۔ بہت سی۔ کیوں چھوٹے مالک۔" اس نے شہ سے مکی تانبہ چاہی۔

"ہوں۔ ہم نے انہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ یہ ہماری مکی میں بہت مل رہی ہیں۔"

"ہاں سی۔ بہت مل رہی ہیں۔ وہ بھر ہوئی۔"

"ارے بھئی۔" شہ نے اب تو تمہاری مکی سے ملنے کو بہت سی دل چاہ رہا ہے۔" ہمارا اشتیاق بڑھ گیا۔

"آپ ان سے ضرور ملنے گا۔" بہت اچھی ہیں میری مکی۔" وہ بے نیازی سے تھیل پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا

تھا۔ "لیکن ان سے میری شکایت مت کیجیے گا۔ کیا آپ بیٹہ بیچ کر لیں گی۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی خاص پوت نہیں آئی۔ ہنسا نے انکار کر دیا۔

"کر لیجئے۔" چاہتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے اعلان بزم نکالی۔

"بہت معلومات ہیں۔" ہنسا ہنس پڑی۔

"آئے دن گرتے ہو رہے ہیں چھوٹے مالک۔" خورشید کی بیوی نے ننگا لگایا۔

شہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

"ارے بھئی۔" شہر مہمان کو لے آئے اور ہمیں بتایا۔" یاد آیا۔" مس آمد ہنسا کو کچھ کر تھک گئیں۔ بات

ادھوری رو گئی۔

"ہمارے پاس تو وارنٹس ہے لیکن آپ کے پاس نہیں ہے ماما۔" پھر کیسے تاتے۔" وہ شرارت سے ہوا۔

"ارے بھئی انکو وارنٹیشن تو کرنا۔" وہ دونوں کو ہادی ہادی دیکھ کر ہلپس۔

"یہ ہماری دوست ہیں ماما۔" وہ عثمان استغنا سے گویا ہوا۔

"دوست۔" آمد ہنس پڑی۔" میں جان گئی ہوں۔" یقیناً میڈم سی۔" شہتہ وار ہیں۔" ان کے لہجے میں

انوت یقین تھا۔ کچھ لیجئے۔ ان کی کسی شرارت کا رازت ہے۔"

"وہ شرارت بھی تو چاہتے ہیں۔" جس کا اتنا خوبصورت رازت ہے۔"

شہ نے ڈر کر ہنسا کی شکل دیکھی۔

"میری کوئی خاص شرارت نہیں ہے۔ میں تو ہی ہمارے ایک گھر میں اپنے گھر میں اپنے دوست سے ملنے

جاری تھی کہ۔

"کس ہماری دوستی ہوگئی۔" شہر بات کاٹ کر تیزی سے ہوا۔

"اچھا۔ اچھا۔ گری بہت ہو رہی ہے۔ اچھا کیا آگئیں۔" آمد ہلپس۔

"شہر کی مکی کب آجائیں گی۔"

"وہ جواب دات تک سی آئیں گی۔ ان کی دوست انہیں لے گئی ہیں شہ کا مکان وہاں مکا نہیں کی۔" شہ کو ہن

کا راتیاں کر بچوں کو مکی لے جانے گا۔ ان کی دوست کا راتیاں۔"

"او۔ اس کا مطلب ہے آج ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔"

"مجھے افسوس ہے۔" آمد نے معذرت کی۔

"اب تو بیچ کا وقت ہو چلا ہے۔ آپ شہ کی دوست ہونے کے ہاتے آج کہا ہمارے ساتھ کھا بیٹے۔"

"نہیں۔ بہت بہت شکر یہ میری دوست میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" شہ شہر کی مکی سے ملنے پھر آؤں گی۔"

"اچھا بھئی تجھے دوست۔ بہت بہت شکر یہ۔ کولڈ ڈرنک اور لٹھ سے ڈر انک۔" دم کا۔"

ہنسا نے شہ کے رخسار چھونے۔ "خدا حافظ۔" وہ باہر نکل گئی۔ پیچھے پیچھے مس آمد بھی۔ شہ نے رینگا رینگا

پرائکٹس دھن لگا دی۔ اور دارانک روم کے دروازوں کے پلٹ کر آکر اپنے کونے لگا تھا۔

باہر سے مس آمد نے دروازہ دھننا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

کچھ عرصہ تک بے اشتیاق تھا وہ چلا تھا کہ وہ شہر کی مکی کو دیکھے۔ لیکن پھر یہاں ہوا کہ اس کے بچے بڑا شروع ہو

گئے۔ وہ تین تین دن کی بازی لگا کر میدان کارزار میں کود گئی۔ اس نے اپنی دوست لانا خانہ کو اپنی ضرورت بتا دیا تھا۔ کہ اس شہر

میں اس کی ہم شکل بھی موجود ہیں۔ اس پر گونے لگا تھا۔

"تم تو خوبصورت ترین لوگوں میں شامل نہیں ہنسا۔ اب مجھے افسوس ہے لوگ تمہیں "عام" شکل کی نہ کہنے لگیں۔

اپنی ٹریڈ پوجو میں تم بہت ملتی ہو۔" گویا ایک تم ایک ٹریڈ۔ دو۔ تیر تین وہ موصوفہ نہیں مانی بھائی نے امریکہ میں دیکھا۔

پوچھی یہ جن کا تم تذکرہ کر رہی ہو۔"

"میں بھی بے خوف ہوں مگر خاندانی دیر وہاں بیٹھ کر آگئی۔ تصویریں دیکھ لیتی۔ یہ اشتیاق کی آگ تو کم ہو جاتی۔"

"ارے سنو جب تم جاؤ تو مجھے بھی لیتی جانا۔ مجھے بھی شوق ہو چلا ہے۔"

"کس چیز کا شوق آئی۔" ہارون اندر چلا آیا۔

"ارے بھئی اس شہر میں ایک ہم شکل مل گئی ہیں۔"

"ہم شکل۔ ہم شکل سے کیا ہوتا ہے۔" مکمل ترین کاربن کاپی ہونا چاہیے۔" اس کے لہجے میں شرارت جھلکے گی تھی۔

"کاربن کاپی ہوتی بھی تو کیا ہوتا۔ تمہارے تو پھر بھی کسی کام کی نہیں تھی۔" گیارہ بارہ سال کا تو بچہ ہے ان

کا۔" مگر نہیں پڑی۔

"ارے ہنسا۔ تم مائیک کے مان جانے کا کہہ رہی تھیں۔ ہارون کے ساتھ چلی جاؤ۔ یہ بھی تو اسی طرف جانے

کا۔ گازی پینے ایک نئے سے ورکشاپ میں ہے۔"





شہر تو آگ کی طرح ہے اور آس پاس بھی حرارت پہنچا رہی ہے۔ تو بہت کثرت بہت مجلس ہے۔  
یہ افش کے روز سب سے پہلے وہ میرے بازوؤں میں آیا تھا۔ ابتدائی پردہ میں صرف میری شریک رہی ہوں۔ اس  
لئے کہ اس کی بیوی تھا ہو گی جس۔ اس لیے اولاد سے بڑھ کر بڑا رہے مجھے۔  
"تبی آپ شرمیلی سے ان لوگوں کے ہاں ہیں۔؟"

"نہا اولوں میاں بانی کو سلامت رکھے۔ صرف ان لوگوں کی وجہ سے۔ کہ اسے اچھے لوگ کم ہوتے ہیں  
ایک مستقل جلی میری حیثیت ہے میری۔ سسر ملک بہت عزت افزائی کرتے ہیں۔ ہر بات میں مشورہ لیتے ہیں۔ بہت  
مہربان لوگ ہیں۔" "میں آنند فکر کے جذبات پر عادی نہ ہو پاری جس۔"

"دولت ان کے گھر کی لوطی ہے۔ آپ ان کے حراج دیکھیں گی تو ایسے جیسے عام سے لوگوں کے ہوتے  
ہیں۔ بلکہ سسر ملک تو بھر بھی بہت ٹیپ ٹاپ سے رہتے ہیں۔ اور ان کے گھر والے تو بہت ہی سادہ ہیں۔ دیکھ کر حیرت  
ہوتی ہے۔ میری تقریر بہت اچھی ہے جو ان لوگوں میں آگئی۔"

"امریک میں کس جگہ رہتے ہیں آپ لوگ۔؟" "نہانے بھی کچھ بات کرنا مناسب سمجھا۔"

"یہ سن میں۔"

"اچھا۔ پہلے میری چچا جان بھی یو سن میں ہوتے تھے پچھلے سال ہی واپس وطن آئے ہیں۔"

"ہاں جی۔ کافی پاکستانی ہیں وہاں۔ عموماً شاپنگ کے دوران ہم دفنوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔"

"لیجئے۔ میڈم آگئیں۔"

"نہا بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔"

زور رنگ کے کرتے پاجامے میں ملیس گئے میں ہم رنگ دوپٹہ اٹکائے۔ تراشیدہ ہاتھوں والی۔ سسر ملک۔

اس کی پھر پھر۔ کیسے ہو سکتی جس۔؟

"ہرگز نہیں۔"

"نہیں یہ پھر پھر ہیں۔ جن کے بازوؤں کی گرمی اب بھی اس کے وجود پر عادی ہے۔"

"ارے تو پ۔ بالکل ہی داغ چل گیا ہے میرا۔" اس نے سر ہلکا۔

"یہ سسر ملک۔ یہ تو پھر پھر۔"

بب دویم ہوئی جس وہ تقریباً دو برس کی لوش منڈی تھی۔ اس کے ذہن میں طوفان سا اٹھ چکا تھا۔ قہر کا  
بجریک ان تھا جس میں وہ غوطہ زن تھی۔

☆☆☆

ٹریا کے لوں پر بے ساختہ سکر اہٹ ورا آئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر نہا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ارے۔ آپ تو بہت پریشان ہی ہو گئی ہیں۔ خیریت۔؟ کہیں آپ کی بھی کوئی رشتہ دار میری ام

فعل تو نہیں۔؟"

"میڈم۔ ان کے پکڑانے کی اور وجہ ہے۔ یہ اپنی کاربن کالی دیکھ کر پکڑا آئی ہیں۔" آنند فیس کر رہا تھا۔

رشتہ دار کی کیا گئی آپ نے تو خود ہی آپ بھی ہیں۔ "وہ حریف ہو گئیں۔"

"پھر تو مجھے بھی فکر اچھا ہے تھا۔" ٹریا فیس پڑی اور اس کے شانے پر ہاتھ ڈال کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "بھئی

میرے بیٹے نے تو میرے کان کھائے آپ کی باتیں کر کر کے۔ جی۔ آپ بھی ہیں وہ جی۔ لکھتے۔ "ٹریا نے فیس کر

تاتے ہوئے اپنے ہاتھ بھی پیچھے کیے۔

"اور میڈم یہ بھی تو بتا رہا تھا آپ کو گرمی۔ برا تیرہم لکھتے۔" (اس کی آنکھیں بالکل آپ بھی ہیں)

آنند بولیں۔

"جی ہاں۔" ٹریا نے پھر فیس کرنا بند کیا۔

اتنی دیر میں نہا خود کو سنبھال چکی تھی۔ اس قدر گر لیں غل عورت۔ میرا طرہ اور عورت۔ اگر چہ جی آٹھا

عورت۔ اس کی پھر پھر کیسے ہو سکتی ہے۔

"جی آئی آپ کو تو ہمارے گھر کا کوئی بھی فرد دیکھ کر پکڑا لے گا۔ آپ کے لہجہ (فعل) آپ کی بات۔

(تو) آپ کا لہجہ۔ جی آئی۔" "نہا کے اند سے الفاظ ٹوٹ کر نکلنے لگے۔

"آنند۔ وہ جو یو سن میں ساہو لوگ تھے میرا خیال ہے انہیں کے رشتے دار ہیں۔ ساہو کے یہاں بھی

بالکل نہا کی طرح پکڑا آگئے تھے۔" ٹریا نے آنند سے پوچھا۔

ساہو کے نام پر ہمارے کام کھڑے ہوئے۔

"یو سن میں کس جگہ کا ذکر کر رہی ہیں۔؟" "نہا نے نہ شوق انداز میں پوچھا۔

"اتریشہ گارڈن۔" آنند نے جلدی سے کہا۔

"پھر تو میری چچی جان کا بھی ذکر کر رہی ہیں۔ ساہو میری چچی جان اور انان میرے چچا جان ہیں۔"

"جی۔ جی۔ ان کا بیٹا بھی تھا پورا سا سلطان۔" آنند کی یادداشت موڑ کر آئی۔

"جی ہاں۔ اب تو ان کی بیٹی بھی ہے روا۔ اور اب تو وہ مستقل پاکستان آچکے ہیں۔"

"کہاں رہتے ہیں۔؟" "آنند نے پچھن ہی ہو گئیں۔

"وہ ہیں کوئٹہ۔ ہمارے ساتھ ہی۔"

"کوئٹہ۔ تو آپ کو کس سے آئی ہوئی ہیں۔؟" آنند بولیں۔

"جی۔ پڑھنے کے لیے پھر رہا۔"

"کیا پڑھتی ہو۔؟" میرا مطلب ہے کس ایریا میں۔" ٹریا کو مانی ساہو کے ذکر سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔

لہذا وہ پڑھائی کی سمت آگئی۔

"میرا میڈیکل کا آخری سال ہے۔"

"واگت تو بہت پھولی ہی ہو۔" ٹریا سکر اپڑی اور اس آنند سے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرنے کو کہا۔

"ارے نہیں آئی۔ کچھ نہیں۔ اس میں تو آپ سے ملنے پہلی آئی تھی۔"

"دیکھو۔ اتنی چاہت سے آئی ہو تو قابل مت ہو۔" "آنند کہتی ہیں۔ ملک۔ میرے

شوہر۔" ٹریا نے رک کر وضاحت کی۔ "بہت قابل ہیں اور میں ان کی انت ہوں۔ مجھے بے تکلفی ہی میں زندگی کا

اساں ملتا ہے۔ تلف میں دم گھٹتا ہے میرا۔ میرے بیٹے کو پتا چلے گا تو کیا کہے گا گرمی آپ نے ہماری دوست کے

ساتھ اس طرح لڑتے کیا۔؟ پتا نہیں کیا کر رہا ہو گا۔" ٹریا کو ایک دم دینا یاد آ گیا۔ "میں تو صبح کر رہی تھی کہ بے انتہا

شرابی سے لگن۔ خیر اب تو ہم بھی جا رہے ہیں۔"

سب جا رہے ہیں۔ "نمائے ان کے کچھ چہرے کو نظر کر رہا تھا۔  
(ہائے اٹھ۔ اگر میری شریا چھو ہاگل ایسی ہو جس کو کتنا حرا ۲۰ ایسی کر سکیں۔ اچھی ہی نا۔ ایسی  
ی بال بچوں (والی امیری میڈم)۔  
"دیکھیں ملک آج آکر تائیں گے کب کی سٹیں ملی ہیں۔"  
"شہر ہوتا تو کتنا حرا ۲۰۔" نمائے بولی۔

"ہاں۔ میرا بیٹا اسی طرح دغا دے گا دتا ہے لوگوں کو۔" شریا کے لیے میں ایک غیر معمولی سے بے بی  
ماں ہونے کا فخر سائڈ آیا تھا۔ "بچپن ہی سے بہت تیز ہے۔ ایک دم پاک کر لیتا چار سال کا تھا اور بہت ابھی انگریزی  
جان گیا تھا۔ حالانکہ آٹھ۔ میں اور ملک ہائٹل خاص اور یو لے تھے گھر میں۔ ایک لفظ انگریزی نہیں بولتے  
تھے۔ اس کی وجہ سے میری زبان بھی خراب ہو گئی ہے۔ آدمی انگلیش آدمی اور۔"  
ہمارے ہاں اس خرابی کو فیشن کہا جاتا ہے آئی۔ آدمی انگلیش نہیں تو تھوڑا بہت پھڑکاؤ تو لازمی ہے عرب  
ڈالنے کے لیے۔"

ہائے مسکراتا تو شریا بھی ہنس پڑی۔ اور بولی۔ "اچھا۔ پھر تو مجھے احتیاط کرنا چاہیے۔ کیوں نہ۔"  
"آپ کو چاہتا ہے آئی آپ تو اب ٹانہ بچا ہوا ہے بعد اس کی ہیں۔"  
"میرے بیٹے کے سامنے امریکی مت کہہ دیجئے گا۔ ملک کہتے ہیں کہ ہمیں چاہیے ہم اپنے بچوں کو خاص طور  
سے تاتے رہیں کہ ہم پاکستانی ہیں۔ اور پاکستان لوٹ کر جائیں گے۔"  
"مجھے اس گھرانے کے سربراہ کے خیالات سن کر بہت خوشی ہوئی۔"  
"سربراہ سے مل کر ہمارا زیادہ ہوگی۔" آٹھ نے اندر داخل ہو کر کھڑا ہوا۔ ان کے پیچھے خود شریک پی پی ٹی ٹی  
و شریک اندر آ گئی۔

"کیا ملک آگئے۔" شریا چوکی۔  
"جی۔ ابھی ابھی آئے ہیں۔ میں نے ان کو بتا دیا ہے کہ شہر کی دوست آئی ہیں۔ آ رہے ہیں۔"  
آٹھ نے اور جا کر بیٹھ گئیں کہ میڈم کے بڑے ایک اب "سر" نے رضمنہ تھا۔  
شریائے مدارات شروع کر دی۔  
اسی دم تھی بلو چوٹ اور دھاری دار شرٹ میں لمبیں ڈھیلی گروہ کی نائی انکے شہر کے پیا اعداد داخل  
ہوئے۔ نمائے سامنے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔  
"السلام علیکم۔"

"و علیکم السلام۔" ملک نواری آنکھوں میں خیر سا تھا۔ "شہر کی دوست۔" وہ تو ایک چھوٹی سی بچی کا تصور  
لے کر اندر بڑی بے نیازی سے آیا تھا۔ وہ غم شریا کی گہری شاہت پر وہ مضحک سا کیا تھا۔  
"بھئی۔ مس آٹھ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ شہر کی دوست۔"

"دوست ہی مجھے سر۔ شہر انکس بہت پسند کرتا ہے۔ ویسے ان کا تعارف۔ چلے میڈم آپ کراچی۔" وہ  
رک گئیں۔ "فیملی ڈاکٹر" نالینے۔ ملک نواری شریا کی بات پر بے سادہ مسکرا دیا۔ پھر شریا نے مختصر اور محالہ تاتے ان کے  
سبب نہ کی شہر سے اوتی ہوئی تھی۔

نمائے بڑی گہری نظر سے ملک نواری کو دیکھا تھا۔ چار شہر شہر کے پیا کوئی ہی ہوتا ہے۔ ملک نواری کے کوئی  
چلائے اب بہت دیر مسکرا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ تنگ تھی۔ سیاہ گھبراہٹ اور ہکا بکا تھیں۔ کوچوں پر  
نہیں کہیں سفید بال بھی ہلکے رہے تھے۔ وہ انکس الٹ نکلتے سے سی ادنی ایک دم سیاہ تھیں۔ شریا کی جگہ اور ہوائ  
سری چلا رہے تھے۔ اس پر بیٹھنے کا دغا دھاوا سنا تھا۔ ہماری آنکھوں والے مضبوط سے چھو۔ ہائیں ہاتھ میں کسی جتنی چتر  
کی پادری کی آنکھیں بھی تھیں۔ ان میں چھلکا اور گلابی اور بھڑکن صحت کے لہا تھے۔ وہ ہاتھ کے ہائے انکس نواری پر بعد ہی۔  
جب نمائے کیا۔

"بیٹے اگلے پائے تو لیجئے۔"  
"ضرور بیٹھتا۔ لیکن اس وقت مجھے گھر کی طلب ہے بچوں کے سامنے گھر نہیں چچا۔ اس لیے کہ آدمی  
توہ گھر یا سگریٹ کی طرف ہو جاتی ہے اور بیکل توجہ بچوں کی منسلک ہے۔" کیسی کھیر تھی۔ کیا اٹھ اٹھ کر تھا اور کیا  
صاف گوئی تھی وہ چلا گیا۔ لیکن وہ پھر بھی ڈرائنگ روم ہی میں تھا۔  
تھوڑی دیر بعد وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا آئی اب اجازت۔" شریا نے حیران ہو کر دیکھا۔  
"ارے آئی جلدی۔"  
"ہاں آئی۔ مجھے عائشہ کے ہاں بھی جانا ہے۔" وہ حضرت یحیٰ بن زکریا میں ہوئی۔

"اچھا بھئی پھر آنا۔" ہاں۔ میں اپنے بیٹے کو فون پر بتاؤں گی کہ میں اس کی دوست سے ملاقات کر چکی  
ہوں۔ پہلے تو ہمارے گاؤں میں فون نہیں تھا۔ بہت پرالہم تھی۔ اب ہوشین سے بھی ہم کال کر لیتے ہیں۔ امان کی۔  
میری ساس اور میری خالہ جی ہیں۔ وہ بھی بہت مطمئن ہو گئی ہیں۔" شریا مسکرائی۔

"یہ سید سید سادھے لوگ ہیں میری سسرال والے۔ میرے بیٹے کا زیادہ تو وقت شوگر مل ہی میں گزارنا  
ہے۔ گھر میں بس عورتیں ہی رو جاتی ہیں۔ سیدی سادی۔ اب بھی ملک کی ہی کوششوں سے لگا ہے ورنہ۔" شریا نے  
بات اجموری چھوڑ دی۔

"شہر کو میرا بیٹا رو بیٹے گا آئی۔" اٹھ پھر نکلے ہوئے بولی۔  
"اور ہاں گاؤں سے واپسی پر آپ ہماری نائی جان کے گھر ضرور آئیے گا۔ سب کو آپ سے ملنے کا بہت  
اشتیاق ہے اور آپ بھی ماما۔"

"کیوں نہیں؟" مس آٹھ مسکرا کر بولیں۔  
ہمارے خوشگوار سے احساس کے ساتھ گیت سے باہر آئی تھی۔  
شریائے پارہ کے بال نمائے میں مصروف تھی۔

"جی۔ میں آپ کو بہت یاد کر رہی تھی اور میں روٹی بھی تھی۔" پارہ نے مسود کر بتایا۔  
"ارے میرا بیٹا۔ یعنی دوامی جان کو بہت پریشان کیا۔" اس نے جبکہ کر بنی کار قضا پر دم لیا۔  
"نہیں۔" شریا نے نلی میں گردن ہلائی۔

"آپ روٹی ہوں گی تو وہ پریشان ہوئی ہوں گی۔ ایسے نہیں کرتے بیٹے۔ آپ کو فون پر بتایا تھا ناں کہ ہم آ  
رہے ہیں۔"



شر پارو نے انہات میں گرون چالی۔

"بھرم" آپ نے خود ہی تو خود کی جی شہر کے ساتھ آنے کے لیے۔

اس نے شر پارو کی چھوٹی چھوٹی پونیاں بنائیں۔ اسی دم اماں جی امداد آئیں۔

"خیر مال۔ مگن کر رہی اے ماں دے مال میری دمی۔ گناں کیسیاں ہیں؟" انہوں نے پانی کے سر پر شفقت سے ہاتھ بھرا ہاتھ کر دی ہے ماں کے ساتھ "چوٹیاں نکالی ہیں"

"آئیں انہیں اماں جی۔ پھر عی جی میں کد آپ کو پریشان تو نہیں کیا۔ اس نے۔"

"لے لے پریشانی کیڑی۔ میری تو اکھاں اے تارے ہیں۔ وہ اماں توں کی عمر اس دے۔ صحت تندرستی دے مال۔" لڑ پریشانی نہیں۔ میری تو آنکھوں کے تارے ہیں۔ خدا نہیں لمبی عمر دے۔ صحت تندرستی کے ساتھ انہوں نے شر پارو کا سراپہ سینے سے لگایا۔

"اور تے خیر خیریت اے؟"

"جی اماں جی۔ ایک تو ملک کو کام اتے پڑ جاتے ہیں کراچی میں۔ جاتے کب کب کے جمع کیے ہوتے ہیں۔ اور نہ تو اچھے دن ہی یہاں آ جاتے۔"

"کل خیر ہے آگے۔ قتل ہو گئی سی۔"

"ارے تم۔ میری اماں جی کی کٹلی کرا رہی ہو۔ بالکل اچھی بات نہیں ہے نہ۔" ملک نواز کیلے ہال تو لے سے گزرتا اندر چلا آیا تھا۔

"جان دے پتر۔ فرانے دن لا کے آیا اے۔ کیا تے اسٹیج کی کزن ای آیا۔" (جانے اے بیٹے۔ پھر اسے دن لگا کر آیا ہے۔ کیا ایسے تھا جیسے ابھی آیا)

"فصل ہے اماں جی۔ یہاں اے میرے سکے تو کن کے نہیں۔ عمر ان نکلیاں۔ کب آواہی ملے ہے تھانے کو لوں (آپ کے میرے شکوے کی کمی نہیں ہوں گے۔ عمریں گزرتیں۔ ایک ہی بات ہے بس آپ کے پاس) اس نے شرارت سے مسکرا کر ماں سے کہا تھا۔ ٹریا بہورت سی ملک نواز دیکھ رہی تھی۔ بچائی ہلان ہوا ملک اسے بہت بھایا تھا۔

"واہ آپ کو تو اماں جی کی زبان بھی آتی ہے۔" وہ وجہ سے بولی تو ملک نواز اپنے قبضے پر قابو نہ رکھ سکا۔

"جی ٹریا جیم۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ کے بچوں کو آپ کی زبان آتی ہے۔"

ملک نواز بھی ٹریا کی بات مسکرا دی تھیں۔

"یہ ٹریا کی بولی تے مینوں بچگی طراں سمجھ آ دندی اے۔ پر پتر شیر (شہر) تے انگریزی ہانڈل ہاتوں۔" اماں جی نے اکتھار مارا سنگی کیا۔

"کیا ہو اماں جی؟" ملک نواز نے ہاتوں میں بہت سنبھل کر برش چلایا۔

"انگریزی بولہ اے میرے مال۔" وہ اظہار کی سے بولیں تو ملک نواز بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ماحول کا اثر تو ہوتا ہی ہے اماں جی۔ اس کے ساتھ کھیلے پڑھنے والے بچے سب ہی انگریز ہیں۔" اس نے

ماں کو سمجھایا۔

"تے مینوں تے انگریز ہی سمجھ نہیں آ دندی ہاں۔ (مجھے تو انگریز ہی سمجھ میں نہیں آتی)"

"میں اسے سمجھاؤں گا کہ وہ آپ کے ساتھ انگریز ہی نہ ہو۔" اس نے ماں کو اڑھا دیا۔

"جی۔ وہ جو سامنے کا مکان ہے۔ ان کے ان میں بہت سارے گھر تے ہیں۔" شہر، پنجاب

اور آقا خاں، باپ سے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔

"میں نے تم سے کہا نہیں تھا نہ۔ اسے مسٹر پال کے چھوٹے کان سے کہتے ہیں۔ لہذا گھر سے بہت پتہ

آ نہیں کے تھرا۔ بے شک۔"

"جی۔ آئی اڈنٹ نو رائیڈ ٹک۔" اس نے گویا جہازت ماگی۔ (میں سواری کرتا چاہتا ہوں)

"گھر سے پر۔" اسے شہر سے جہازت کا پتہ لگا۔ اس نے قہر سے شہر کو دیکھا۔

"لی کا۔" سیزلٹ لوگ ایڈ (کیوں کہ اس کے کان لے ہیں؟) "ملک نواز کو یقین نہیں آیا تھا کہ اس کا چاکی اسکا نواز خواہش بھی کر سکتا ہے۔

"جی۔ آپ یقین نہیں کریں گے۔ سامنے والوں کے ہاں سے ایک عورت گھر سے پھر ہو گئی تھی اور تین

پاروں کے بڑے بڑے بچے بھی رکھے اور ایک بہت بہت بڑے بیک (پوری ات اور جی آف وہ تم ٹھک) (وہ کسی چیز

ملک ہاں کے برابر میں بیٹھ گیا اور شہر کا ہاتھ سمجھنے کراپنے برابر میں بٹھالیا۔

"شہر۔" دیکھ بیٹے۔ ہر ایک کو کافی نہیں کرنا چاہیے۔ ہر کام کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔ کیے؟

جس عورت کی تم بات کر رہے ہو۔ وہ اس قبیل (بیک) میں جی بھر کر تیل لٹوانے جا رہی ہوگی۔ یہاں گاؤں میں پورے

(غریب) اسی طرح کے کام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے قبیلوں میں جی بھر کر تیل لٹوانے جاتے ہیں۔ کچھ تیل لٹا دیتے

ہیں۔ کچھ پورے (استعمال) کر لیتے ہیں۔"

"صرف آملی ہی پر جی کرتے ہیں جی غریب لوگ۔" اب شہر کا زبان دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اس کے چہرے سے گراہ اور سنجیدگی جھلکے لگی تھی۔

"نہیں اور بھی بہت سے کام کرتے ہیں۔ خارجہ میں۔ گارڈز میں۔"

"جی۔ آملی ملل سم جی تھی فارویم" (میں ان سے تدریسی محسوس کر رہا ہوں)

ملک کا قلب جیسے اس نے محسوس میں سمجھ لیا۔ اسے اپنے بے پناہ خواہشات و مسائل بیٹے پر بہت سناچار آ

گیا۔ زندگی کی بہت سی تحسین اتر گئی۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کا بچہ ابھی افسریت کا حامل ہے۔

ٹریا اور ملک نواز دونوں سے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"اور ہاں بیٹے۔ یہ ادا جان آپ کی شکایت کر رہی تھیں۔"

شہر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے گھر آکر باپ کی شکل دیکھی۔

"دواہی جان کہہ رہی تھیں کہ آپ ان سے انگریزی بولتے ہیں۔ بیٹے آپ کو کوشش کیا کریں کہ پوری اردو

بولیں دواہی جان انگریزی نہیں سمجھتیں۔ جو دواہی جو زبان آسانی سے سمجھتا ہو اس سے ہی زبان میں بات کہتا چاہیے۔

تم اس کے کہتے ہیں بیٹے پاکستانی ہیں ہم۔ وہاں تو ہمیں مجبوراً بولنا پڑتی ہے۔ اپنے گھر میں اپنی زبان بولتے ہیں شہر۔"

"جی۔ آپ دواہی جان کو انگلش سکھا دیجیے۔ میں HABITUAL (عادی) ہو چکا ہوں۔" اس نے

گھبراہٹ سے کہا۔

"انسان کو اپنی چیزوں کا عادی رہنا چاہیے۔ آپ نے دیکھا نہیں۔ میں آپ کی جی اور پاپا اور دے لیتے ہیں۔"

آپ ہمیں غور سے سنا کیجئے۔۔۔ واقعی کیجئے نہیں۔ ادوی جان آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہیں۔ آپ انہیں انگشت سے اورا  
اسے ہیں۔

”ادوی جان بھی تو مجھے پنجابی سے ڈرا رہی ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی۔ ”کمرے میں قہقہے بلند ہو گئے۔ شہر نے  
قلعی قہقہے نہیں کیا۔

”میں نے انکو (مرب نو اڑکا جانا) سے پوچھا تھا کہ ادوی جان کون سی لنگوٹ لگا رہی ہیں۔ اس نے مجھے بتا دیا  
کہ پنجابی زبان ہے۔“ اس نے وضاحت کر دی۔

”مگر کیجیے وہ کوشش کر کے آپ کے ساتھ اردو بولتی ہیں ناں؟“ اس نے بیٹے سے پوچھا۔

”ہم دونوں ہی ایک بھٹی اردو بولتے ہیں۔ وہ پنجابی بولتی ہیں اور میں انگلش۔“ اس نے پارہ نامی پھر  
ایک دلیل دی۔ اس نے اس کم عمر سے بیٹے کی بے پناہ ذہانت کا اعتراف کیا۔ اور اپنے ”مادری“ کے اعتراف کی گواہیت کا  
اعتراف کیا۔

”پھر بھی اردو بہت اچھی زبان ہے۔“ اس نے شہر کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

”نہیں بیٹا۔ مجھے یقین ہے۔ اس لیے کہ آپ پیپا ہیں اور پیپا کی بھوت نہیں بولتے۔“ اس نے بہت  
یقین سے کہا۔

ملک نو اڑکا دل بڑھو سے دھڑکا تھا۔

”کیا اس کے بیٹے نے اسے اپنا آئیڈل بنا لیا ہے؟“

اور جب بیٹے ماں باپ کو اپنا آئیڈل بنائیں۔ تو والدین کو بے اندازہ جھٹکا ہو جانا چاہیے۔

”جائیں بیٹے۔ کھلیں۔ لیکن گھر پر نہیں بیٹھنا۔“ اس نے سنجیدگی اور اچھل کر باہر نکل گیا۔ اس کی تقلید  
میں شہر پارہ بھی باہر نکلی تھی۔

”دیکھیں ماں بی۔ آپ کے سامنے ہی شہر کو سمجھا دیا ہے۔ کہ میری ماں کو انگلش سے نہ سناؤ۔“

”خوش رہو۔ خوش رہو۔ میرے دل۔“ وہ بمشکل خود کو سنبھال کر باہر چلی گئیں۔

”میں تو آج تک یہی سوچ رہی ہوں کہ میں آپ کو پسند بھی ہوں یا نہیں۔“

اس نے چونک کر دیکھا۔ یہ شہر۔ اتنی گہرائی میں بھی جا سکتی ہے۔ ”شاید اندازہ نہیں تھا۔

”کیا مطلب۔“ وہ شہر کی بات کو مذاق میں نہال رہا۔

”مطلب یہ کہ ہمیشہ آپ کی بات ماننا پڑتی ہے۔ کبھی مجھ کو ابھی شوق سے۔ شہر کرتی ہوں تو آپ کے لئے

سے ڈر لگتا ہے۔ خیال آتا ہے آپ کو تکلیف نہ ہو۔ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ مجھے آپ سے محبت ہے جب ہی تو آپ کا

خیال رکھتی ہوں۔ آپ کی بات مانتی ہوں۔ لیکن آپ بھی میرے ساتھ اس طرح نہیں کرتے۔ اس کا مطلب ہے آپ کو

میری پروا نہیں ہے ناں۔“

وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔ اب بھوت پر بھوت ہوا تھا۔

”دنیائی ہر چیز جنہیں حاصل ہے۔ اور کیا چاہیے۔“ وہ اس پر جھک آیا۔

”آپ۔“ اس نے بھی پلوں کی جھارگر آکر جواب دے دی دیا۔

”میں تو ہوں تمہارے پاس۔“

”بہت مرتبہ محسوس ہوتا ہے کہ میں ہیں۔“ وہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ نا کیجی پھر کرنا نہ کہتے ہیں وہ مجھ  
میں نہیں جانتا۔ لیکن وہ ان خیالات کو الفاظ انداز سے پالی۔

”یہ تو ہوا۔ اس کے سالوں سے گزر رہی ہے۔ اور کی کو دیکھتا ہے میرے ساتھ۔“ (۲۰۱۰ء میں غول

نہیں ہوا۔) تو صاحب نظر صاحب اور اک نہیں۔

”میں تو یہ ہے کہ میرے ساتھ شاید کچھ بھی نہیں۔“ وہ اسے

”جانتے مجھ سے کہا کہ آپ سے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا ہوا آپ سے ملنا ہے آپ کی تعریف

کرنا ہے شاید آپ مقرر ہو گئے ہیں۔“ وہ سادگی سے بولی تو ملک نو اڑکا سر ہل گیا۔

”اچھا۔“

”بی۔“ اور آپ نے دیکھا وہ کس قدر مجھ میں رہی تھی۔ ”معاذ گویا یاد آیا۔

”ہاں۔ میں تو دیکھ کر ہی آ رہا تھا۔“ وہ بکپا ہوا کہا کہ لیت گیا تھا۔

”ڈر گئے تھے۔“ ”شہر کا جواب ہوا۔“ ”کیوں؟“

”اگر ایسے ہی کہہ رہا ہوں۔“ وہیں رہتی ہے ناں۔“ اس نے سرسری پوچھا۔

”نہیں۔“ ”جڑنے آئی ہوئی ہے کراچی۔ اپنی مانی کے ہاں رہتی ہے۔ ماں باپ اور اچھا سب کو نہ سمجھ رہے

ہیں۔“ ”اسے ہاں یاد آیا۔“ وہ مسز ایمان وغیرہ نہیں لے تھے جو شہر میں آ رہی تھیں۔ ”میں آ کر کی دوست۔“

”گے ہاں آپ نے مجھے جانے نہیں دیا تھا۔ وہ ہمارے چچی بچا ہیں۔“

”کیا کہیں کر رہی ہو۔“ ”وہ ایک جھگڑے سے اٹھ چکا۔

”شہر کا کہیں اس کی شکل دیکھنے لگی تھی۔

”بی۔“

”ایک لمحے میں سارے قہقہے کے پروں میں لگے تھک جیسے سکھ اڑ چھو ہو گئے تھے۔

”کتنی مرتبہ آئی ہے وہ۔“

”دوسرے۔“ ”میری مرتبہ شہر ہی اسے لایا تھا۔ دوسری مرتبہ وہ مجھ سے ملنے آئی تھی۔“

”کیوں۔“

”شاید اس لیے کہ شہر نے اسے بتا دیا تھا کہ آپ میری ہی جیسی ہیں۔“

”کچھ کہہ رہی تھی تمہیں دیکھ کر۔“

”بہت حیران اور ہی تھی۔“

”شہر نے حیرانی سے اسے دیکھ کر بتایا۔

”ڈرنا مجھے ایک کپ چائے اور اوٹریا۔ پلیز۔“ ”معاذ نے غور پر دیکھا پالیا۔

”تمہارا نام چاہتی ہے۔“ ”اس نے جاتی ہوئی شہر سے جانے کیوں پوچھا۔

”شاید نہیں۔“ ”غور ہی آئی کہہ رہی تھی۔ شہر ہی کہتا ہے۔ آؤ میڈم کتنی ہیں۔ میرا نام تو اس نے پوچھا نہیں۔

ایک بار وہی میں سرکلک کہا تھا۔ کیا اسے میرا نام نہیں جانتا چاہیے۔“ ”شہر نے گہری نظروں سے ملک کو دیکھا۔

”کوئے نہیں۔“ ”میں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔





ماضی نوئے منظر سے لگتا ہے۔ سیکڑوں دا ہے اسے لایا کرتے ہیں۔

میرے ماں باپ ملے ہوئے ہیں۔

لیکن مجھ پر جان دیتے ہیں۔

میرے مائی بہن مجھے نوٹ کر پاتے ہیں۔

میرے گھر میں کبھی مسائل زیر بحث نہیں آتے۔

میری سہیلیاں مجھے عاشقوں کی طرح پوجتی ہیں۔

داراجان دعا دیتے دیتے جھکتے لگتے ہیں۔

لوگ میرے قدر کی تعریف کرتے ہیں۔

میری آنکھوں کے سر کا ذکر کرتے ہیں۔

میرے ساتھ میری زبان کو تسلیم کرتے ہیں۔

پھر مجھے کیا کی ہو سکتی ہے۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "ہر کی" مجھ ہی میں ہے۔

"حق تم کو لڑتے ہاتھ سے سوال پانے کا ہر کیوں نہیں سیکھ لیتیں۔؟" یہ بتاؤ۔ عروسی کی کثیر کون کی ہوتی

ہیں؟ یہ بتاؤ۔ بے خبروں تک بات کس طور پہ پگھلائی جاتی ہے۔؟

یہ بھی بتاؤ۔ داموں کے توڑ کیا ہوتے ہیں۔ رسائی کیوں کر ممکن ہوتی ہے۔ شب کو اگر شے پھینکی تو کج کو

ان کی نمی کہاں محفوظ کرتے ہیں۔؟

پھر اس نمی کو مطلوب کے سامنے کیسے لے کر جاتے ہیں۔؟

شع یہ ضرور بتاؤ۔ عشق کا انجام کیا سر میں خاک اڑا کر صحرانوردی کو جانا ہی ہوتا ہے۔؟

مجھے کسی عشق کی کامیابی کا قصہ سن کر ڈھارس دے دو۔

میرا دل کا پتہ بتاؤ۔ مجھے قرار کا ہنر دے دو۔

"تمہارا ہاتھ جمو جو طور پر بہت اچھا ہے۔" شع اسے سوچوں کے جزیرے سے کھینچ لائی۔

"اچھا۔؟" اس نے چونک کر اچھا کہا جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"اور کوئی خاص بات۔؟"

"ہاں تم حساس بے پناہ ہو۔"

(تم نے میری امی کی شاعری پڑھی ہے۔ آخر میں انہی کی بیٹی ہوں۔ کیا کروں۔ کیسے دامن بچاؤں اس

حسایت سے۔؟ اس نے پھر سوچا۔؟

"ارے بس۔؟" ناز یہ جیراں ہوئی۔ "یہ باتیں تو میں بغیر دیکھی ہی بتا سکتی تھی۔ بتا سکتی۔ تو پھر خاتم حیرا

ہی منجھ آستان کیوں ہو۔؟

بھئی یہ تو بتاؤ۔ وہ کب اترے گا مجھ سے۔؟ اس کے نام کا پہلا حرف کیا ہوگا۔ تاکہ اس حرف سے

شروع ہونے والے ناموں کی خاطر ہاتھ نہیں دھڑکا کر مردہ شادی کو لکھ کر مزی ہو۔ مجھے تو کسی نے بتایا ہے کہ اگر یہ

تمہارے "ان" کا نام "ف" سے شروع ہوگا۔ میں نے کہا پھر تو کوئی "فالٹو" ہی ہوگا۔"

"کاش" "ف" کے بجائے "پ" سے شروع ہوتا تو کم از کم "پاٹو" تو ہوتا۔" شع نے تاریکی بات کاٹ کر

بیز اثر لکھ کر فقیہہ لگے۔

"بھئی۔؟" ہمیں تو تمہاری دست کشائی نے قطعی حیرا نہیں کیا۔ "تاریخ و مذاکرہ مزی ہوگی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔؟" اس نے اسے پوچھا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔" اس نے غائب دماغی سے جواب دیا تھا۔

"ارے بس چھوڑو۔ خوب دیکھی تمہاری حاضر دماغی۔ نام تک تو پوچھا نہیں اور اب کتنی شروع۔ انکی نہیں

شہر کی کمی پہلے سوٹ میں اتنی کٹ لگ رہی تھی مسز ملک۔ وغیرہ وغیرہ۔" تم کو مل کر رہیں۔

"کج نہلا جانی۔ مجھے تو بالکل دھیان نہیں رہا۔ کبھی میڈم۔ کبھی مسز ملک کر کے ہی ان کا ذکر ہوتا ہے۔

یعنی ہوں گئے کام پلٹا رہا۔" اس نے آتی شرمندہ خمی متا سٹ بھی۔

"ارے بس چھوڑو۔ سارا جس بلکہ کھوج خاک میں مل گیا۔ اب خدا معلوم کب لوٹیں وہ گاؤں سے۔

ارے اتنی سوچ لیا ہوتا کہ کچھ تو بے چاری کا اپنا ہوگا۔" مسز ملک صاحب کی۔ پوچھ مائی وہ گاؤں کی۔ ماس وراثت

ملک صاحب کا۔ بچے ملک صاحب کے۔ گھر ملک صاحب کا۔ کم از کم بے چاری کا نام تو اپنے ہوگا۔ یہی سوچ لیتیں تو کبھی

نہ بولیں۔" تم کو کھود دینا اشتیاق تھا کہ "ہاں" کی ریت کیا کہہ دیتی ہے۔ وہاں سرے سے نام ہی گول تھا۔

"آپ آخر اس خوش فہمی میں جتا کیوں ہیں کہ بڑا پھر پھر دست دماغی حالت کے ساتھ مل جائیں گی۔ اگر

ان کا نام بڑا بھی ہو تو وہ بڑا پھر پھر پھر بھی نہیں ہو سکتیں۔

ہاں کو غلام بے قراری پر کوفت ہی ہوتی تھی۔ ہر چند کہ محسوس اسے بھی تھا کہ اس نے نام کیوں نہ پوچھا۔

"ارے سو۔؟" یہ تم ہی ہو۔ تو بڑا کی اسم کا پی دیکھ کر طبعیتان سے نہیں ہو۔ مجھے تو جین نہ آتا جب تک میں ان

کے اگلے پچھلے شجر سے نہ کھلوالیتی۔" تم کو بڑی تعلیمیت سے بولیں۔ "خدا ہوتی ہے ممانکت کی۔ تمہیک ہے بعض انسان ایک

دوسرے کی شبیہ مارتے ہیں۔ مگر تم تو اس بہت فرق تو جڑاؤں ہم شکلوں میں بھی ہوتا ہے۔"

"میں نے آپ کی یہ دلیل تسلیم کی۔ لیکن یہ بھی خیال رہے۔" ہماری پھر پھر جان اپنا آپ سنبھالنے کے

قابل ہی نہیں تھیں۔ کیا کہ اتنی بڑی گھر داری۔ آپ اگر کبھی مل گئیں ہاں۔ کج شرمندہ کردار ہیں کی۔ خالہ جانی۔" اس

نے مسکرا کر غصہ شکار کیا۔

"ارے تو نری پاگل تو نہیں تھیں بڑیا۔ اور نہ ہی خطرناک دنی مرید۔ کوئی جادو تو ان کی پرانی میڈیکل

رہنمائی دیکھنا جن میں لکھا ہے کامیابی کے خانو سے بعد چاکسور ہیں۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا اگر بچپن میں آپریشن وغیرہ کیا گیا

تو خطرناک ہو سکتا ہے۔ لہذا ان بولتے کے بعد ہی آپریشن وغیرہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ تو گھر والوں کی وجہ سے اتنا میں

پڑا ہوا معاملہ نہ تو تمہاری مسز ملک کی طرح ہی ہو تھیں بڑیا۔" تم نے بھائی کو مضبوط انداز میں سمجھایا۔

"وہ تو تمہیک ہے خالہ جانی۔ لیکن یہ بھی سوچے۔ آج کل لوگوں کو میاوت کا وقت تو ملتا نہیں کسی بھئی

لوہا جان لڑکی کا علاج کوئی دوسرا کیسے کر سکتا ہے۔ جس میں نام ہی نہیں کثیر رقم بھی دے دیا ہو۔"

اس نے کتاب میز پر رکھ دی۔

"شاید کوئی اللہ کا نیک بندہ۔" تم کو جانے کیسی آس تھی۔

"آج کی دنیا میں کوئی اتنا فارغ نہیں۔ ایک ہی کام ہو سکتا ہے ایک وقت میں یا تو وہ بیکیاں کر کے اللہ کا



بندہ بن جائے یا مگر کسی دینی مریض کا علاج کر اے۔ ایک وقت یہ دونوں کام ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔  
 امانت کے پاس آ کر لیت گئی۔ حالہ جانی ایسے کرتے ہیں۔ سڑک کوڑیا چھوٹا لیتے ہیں۔  
 "تم مذاق بھری ہو گئی۔ میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہوں کہ کوئی کسی میں اس حد تک مل سکا ہے۔  
 تاہم۔ خود ہی تم کہہ رہی ہو ذرا فرق نہیں۔"

"جی حالہ جانی۔ درست۔ ذرا فرق نہیں ہے۔ اور سب سے بڑا فرق بھی ہے وہ یہ کہ سڑک ایک  
 آسودہ معزز صبح الہ مارغ اور بہت ٹیس خاتون ہیں۔ اس نے حالہ کے گرد بازو دھاکل کر دیے۔  
 "اچھا بھئی۔ میں ہادی تم جیتیں۔ بس تم مجھے ان سے ضرور ملوانا خواہ کچھ ہو۔"  
 "بھتر۔ ویسے حالہ جانی حرا نہیں آیا اس حیرت میں۔ خالص زبردستی کا سودا لگ رہا ہے۔ ذہن تو آپ کا  
 ابھی بھی دیر ہے۔"

"بہت شیطان ہے تو ہا۔" تجویس دیں اور جھک کر ہا کی پیشانی چوم لی۔

"کوئی نہیں ہے مگر میں۔"

بارون کی آواز پر ہا کیسٹیل کر بیٹھ گئی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

"فرمائیے۔" ہا چاراس نے کہا۔

"آئی کہاں ہیں۔"

"کھانا چاہیے۔" ہا کی آواز ٹٹک گئی۔

"دنیا میں باقاعدہ لوگ کھانے کو درجہ دوم کے خانے میں رکھتے ہیں۔ یعنی جینے کے لیے کھاتے ہیں۔ اور یہ  
 آپ کو صرف ایک ہی بات یاد آتی ہے یعنی کھانے کی۔ مجھے تو آپ ڈاکٹر کے بجائے کسی ہوٹل کی ڈیڑھ لگتی ہیں۔ جہاں  
 آئی کا پوچھا۔ آپ کی طرف سے اس قسم کا سوال آیا۔ یہ کام کرنے کے لیے گھر میں تو موجود ہیں۔ میں اور آئی بھی ملنا  
 کی اور سے نہیں بندھے ہوئے ہیں۔"

کھانا ہی ضروری نہیں رہا ہا ہی کے لیے

کچھ اور بھی چاہیے اے دوست دوستی کے لیے

اور دروازے کی چوکت تھا شہر سے گنگا نیا۔ ہا بے ساختہ مسکرا دی۔ اس کے خیال میں شعر غائب ہو گیا تھا۔

ظہور دل ہی نہیں کافی رہا ہا ہی کے لیے

وفا بھی شرط ہے اے دوست دوستی کے لیے

اسے بھی سرسری سا یاد آیا تھا۔

"آئی تو جانی جان کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔" ہا۔ اسی طرح رخ موڑے موڑے ہوئی تھی۔

"یہ آپ کو وہاں سے لاکر خود کیوں چلی جاتی ہیں آئی۔" بارون کو اچھبھا ہوا۔

"مرضی ان کی۔" وہ ٹٹک کر ہوئی۔

"بہر حال مجھے حیرانی ہے۔ حالانکہ انہیں پتا تھا کہ شام کو میری ملاقات ہے۔ شاید آپ کے بھروسے ہو گئی۔

مجھے۔" اس نے چھلکا ہونٹ دبا کر مسکرا ہونٹ روٹی۔

"میں آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔" ہا کی پیشانی پر مل پڑ گئے۔

"بھئی۔ ایسی جوتی نکلتی تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ میرا سوٹ کس چارٹ میں ہے اور میری بیٹی لی تھرتی ہے۔"

"سوٹ کس چارٹ کرنا بہت بڑا سحر کرنا نہیں۔" ہا نے جھٹک کر قبل غولی۔

"جیلے۔ میں تیار کر دیتی ہوں آپ کا سوٹ کس۔"

بارون نے حیرانی سے اے دیکھا تھا۔ "آپ یہ میری کر رہی گی۔ جیتیں نہیں آتا۔"

"جب میں سوٹ کس آپ کے ہاتھ میں تھادوں کی تو خود بخود یقین آ جاتے گا۔"

"اوہ۔" اس نے چوکت چھوڑ کر راستہ دیا۔ "یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ سوٹ کس کے ساتھ میری روٹی

کھانہ کس قدر سکون بخش ہے۔ بھر بھی۔ بہر حال۔ جیتیں نہیں آتے۔"

ہا نے اپنا چہرہ ہر باثر سے عاری کر رکھا تھا۔ وہ بڑی خود اعتمادی سے اس کے بندہ دم میں چلی آئی تھی۔

"آپ کپڑے منتخب کر لیجیے۔ میں سوٹ کس میں لگا دوں گی۔" اس نے چٹک کر بارون سے کہا۔

"کاش میں جتنے میں تین دن سفر کے لیے روانہ ہوا کروں۔" وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔ "اور آئی میرا

سوٹ کس کا کھل چھوڑ کر چلی جایا کریں۔ اور گھر میں صرف وہی ہو۔ جواب ہے۔" اور بارون کی دست بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مس آمنت۔"

"بھول رہی ہوں سر۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہیں آپ۔"

"جی سر۔ خدا کا شکر ہے۔ دونوں بھائی کے ہمدردی تھی پھر وہیں آ گئی تھی۔ آپ لوگ کب وہیں آ رہے ہیں۔"

"فی الحال نہیں آ رہے۔ اس مرتبہ میرا ارادہ ہے بچوں کو پہاڑی مقامات پر لے جاؤں۔ تاکہ وہ بھی دیکھیں

کہ ان کے وطن میں سب کچھ ہے۔ کراچی اور گاؤں کے علاوہ بھی۔"

"جی سر۔"

"مس آمنت میں نے بطور خاص فون کیا ہے۔" اس کی آنکھیں آواز پر ہیں میں ابھری۔

"میں اس وقت گوش ہوں سر۔"

"وہ جو اس دن پچی آئی تھی۔ شہر کی دوست۔ کیا نام تھا بھئی اس کا؟" وہ الجھا۔

"معل ہا سر۔"

"ہوں۔ کیا وہ ہمارے ہلاک میں ہی رہتی ہیں۔ میرا مطلب آہل ان کی رہائش۔"

"نہیں سر۔ اس ہلاک میں تو ان کی دوست رہتی ہیں۔ وہ تو۔"

"اچھا اچھا۔ مس آمنت۔ بات یہ ہے مجھے اب بھی لوگوں سے ایک دم کھانا ملنا پسند نہیں۔ اور خاص طور پر

بچوں کے معاملے میں میں بہت محتاط ہوں۔"

"سر اوہ تو بہت اچھے گھرانے کی۔"

"مس آمنت۔" اس کے لہجہ میں تڑپ آ گئی۔

"میں کچھ ہی ہوں سر۔ لیکن آپ کے علم میں نہیں۔ وہ بیوسن میں مسز مان۔"

"مجھے نہیں ہے مس آمنت میں آپ کے علم سے لاعلم تھا۔ ان کے ساتھ میں نہیں ہوں۔ اس کا لہجہ بھر ٹٹک دیا تھا۔

میں نے آپ کی خدمت میں لیے حاصل کی تھیں کتا پڑا، بچوں کی بہترین مددگار اور بہت سہولت کی۔  
 ”کیا آپ کو ابھی سے سہولت ہے۔“ ”نہیں کی آواز گھٹتی ہو گئی۔“

”ابھی تک تو نہیں ہوئی۔“

”آپ بے فکر رہیں۔ آج وہ ابھی نوکروں سے ملنے وقت امتیاز کی جائے گی۔“  
 ”مگر بات یہ ہے کہ اس آواز نے لوگ ڈرا کے لیے پریشانی پیدا کر سکتے ہیں۔ خدا کی قسم یہانی سے  
 انہیں ایک نئی زندگی ملی ہے۔ پچھلے واقعات ان کے حاشیے میں محفوظ نہیں ہیں۔ لوگوں کی بیکار باتوں سے ان کا ذہن دوبارہ  
 متاثر ہو سکتا ہے۔“ ”اب اس سے منجھل کر اپنی پوزیشن صاف کی۔“  
 ”میں سمجھتی ہوں سر۔“

”اور صرف یہ ہی نہیں کہ مسز ایمان یا اسے دور رکھا جائے۔ بلکہ ہر ابھی اور باقی شخص جو شہر کی فانی  
 بیماری سے اطمینان پڑتا ہے اور رہتا ہے۔“

”لہذا سر وہ پڑنے پر ملک کو احساس ہوا تھا کہ اس آواز سے شک و شبہ میں پڑ سکتی ہیں کہ میں مسز ایمان کے گھر والے  
 کے بارے میں اتنا کاشف کیوں ہو جاتا ہوں۔ لہذا اس نے وضاحت ضروری کی۔“  
 ”آپ درست کہہ رہے ہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ آواز اس وضاحت سے مطمئن ہو گئی تھی۔ مگر ان کا ذہن  
 بھول بھلیوں میں پھنسے گا۔“

”اور کوئی بات سر۔“

”نہیں، بس اور کچھ نہیں۔ خود شہر کی یہی کہی ہے؟ شہر یا تھری تھیں کہ وہ بتا رہے۔“

”اب تو کافی ٹھیک ہیں۔“

”اچھا ابھی۔ اور۔“ ”ملک کی طرف سے ریسیور رکھنے کی واضح آواز آئی تھی۔“

”کون آیا ہے خود شہر۔“ ”آواز نے کچھ آوازیں سن کر کہن ہی میں سے پوچھا۔“

”ایک تو چھوٹے مالک کی بیٹی ہیں بی بی اور ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔“

آواز نے کھاتی وقت کیا۔ ”پھر بولیں۔“ ”بھاؤ انہیں۔“

”آپ آ رہی ہیں بی بی۔“

”ہاں میں آ رہی ہوں۔ تم انہیں بیٹھنے کو کہو۔“ وہ جھٹلا گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائیج روم میں داخل ہوئیں تو ہمارے چہرے ہی گھل سی گئیں۔ اور ”سر“ کی بات  
 فراموش کر گئیں۔

”السلام و علیکم۔“ ”ہمارے سلام کیا تھا۔“

”وہیں السلام۔“ ”کہتے ہوئے انہوں نے ہمارے ساتھ کی سچی کو دیکھا۔ سفید رنگت والی خاتون بالکل سیاہ چہرے  
 جتنی چارہٹ کی سادگی باہر سے ہوئے تھیں۔ بال جوڑے کی شکل میں سننے ہوئے ہے۔ بازوؤں میں سونے کی چوڑیاں  
 پڑی ہوئی تھیں۔ نہ کانوں میں کچھ تھا۔ اور نہ گلے میں۔“

”یہ میری خالہ ہانی ہیں۔ گھبت۔“ ”ہمارے مس آواز کو انہماک سے جائزہ لینے میں مصروف ملا تو ریشہ  
 انہیں کی خاطر صحت حصارف کر دیا۔“

”اچھا۔“ ”آواز غرضی سے سکرانیں۔“ ”غرضی ہوئی آپ کی آمد۔“

”بھئی ہماری بات تو بہت اچھی نہیں ہے اس سبلی سے۔ اور ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں۔“ ”گھبت ہو گئی۔ تو وہ  
 مس آواز کو خامی دلچسپ لگیں۔“

”ہم تو مسز ملک کی کھوت میں آئے ہیں۔ سنا ہے وہ ہماری خامی بہت مٹی ہیں۔ خوب زور دیا نہیں ہے مگر  
 ہے۔ اس لیے کہ ایک ہی پہلی میں وہ اطرا کے مابین خامی مشابہت ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ الگ الگ خاتونوں میں  
 مشابہت خامی دلچسپ مٹی ہے۔“

”کیوں۔“ ”گھبت نے مس آواز سے تاکید چاہی۔“

”جی ہاں پہلے دن تو میں واقعی بہت حیران ہوئی تھی۔ بلکہ بہت دلچسپ لگا تھا۔ دراصل ہمارے مسز ملک  
 کی آنکھیں ایک ایسی اس وجہ سے تھاپ۔“

”اب خدا ارادہ کیا ہوگا۔“ ”گھبت بے یقینی تھیں۔“

آواز نے بے تکلف خاتون کی بے مبری لاش کی بھر بولیں۔

”آپ کا شوق انتظار۔ منہ نہ سکا اس لیے کہ وہ لوگ بھی تھک نہیں آتے ہوتے۔ کاروبار بہت ہی ٹھیک۔“

”اور اچھا بولیں آج ان کی تصویریں ہی سے نکل جائیں گے۔“ ”گھبت سوچ کر بولیں۔“

”اتفاق کی بات ہے کہ کتا ابھی وہ سنیں ہی میں ہیں۔ ہاں کچھ تصویریں ہیں یہاں۔“ ”آواز کو یاد آ چھوڑ  
 کی تیسری برقعہ سے سینے کی کراچی میں منائی تھی۔“

”میں تلاش کر کے لاتی ہوں۔“ ”وہ باہر نکل گئیں۔“

”اے مجھے تو یہ لوگ گھر سے بالکل ہی غائب کئے ہیں۔ اتنی طویل سیر و سفر۔“ ”گھبت کو وہ حقیقت بے  
 حد کھوت ہوئی تھی نہ کیا نہ پا کر۔ لہذا تیار ہواں چہ عاکر ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد آواز ایک سفید لٹاؤ لیے اندر داخل ہوئیں۔“

”پہلے تو آپ مسز اور مسز ملک کی صورت سے آشنا ہو جائیے پھر باقی قصا دیکھنے کا حرا آئے گا۔“ ”انہوں  
 نے ایک تصویر گھبت کی طرف اشارہ کیا۔“

”ہاں ٹھیک کہہ رہی تھی۔ واقعی شہر بے حد مشابہت ضرور تھیں۔ لیکن ایک خاصیت تھی جو ان کے وجود کے ہر حصے  
 سے ہو رہی تھی۔ ہلاکی آواز کی اور اطمینان سے دیکھ کر خوفناک اور شک آئے۔“

”ملک صاحب کو کچھ کر گھبت واقعی شہر ٹھیک لگیں۔ پھر ہر مردار جی کا شہر اور انہیں شخصیت کے حامل گئے  
 تھے۔ ملک صاحب۔ ملک ملک سے درست ہے حد پر تکلف سے۔ تصویر میں وہ اپنی بیگم کی جانب متوجہ تھے۔ ہر  
 منہ پر ہاتھ رکھ کر فحش روکنے میں مصروف تھیں۔ ان کی اس اداسے ایک دلکش ہونہر کے لیے سفید ہو گیا تھا۔“

ایک جگہ وہ چھوڑ کر چھری تھوڑی تھیں۔ اور دوسری تصویر میں ایک کائے میں مد کر رہی تھیں۔ ان  
 کے تراشیدہ اور فیدہ زلفوں کے لمبے شانوں پر جھک آئے تھے۔

”عنا سیو لیس مختصر سے بلاؤ اور ہمیں کام کی حرکت سادگی میں ان کے کئی دلکش پورے مٹولا تھے۔ ایک تصویر  
 مسز اور مسز ملک کی خالہ ہانی میں تھی۔ ملک صاحب کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور مسز ملک چھوٹا سا تھیں  
 ہمارے سینے سے لگے کھڑی تھیں۔“

”ان کا لنگر بے فسق کا ہے۔“ ”گھبت بے ساختہ بولیں۔“



"بہت کم ہیں سسرلک اپنے ہارے میں اپنے لہی بچوں کے ہارے میں یقین کیجیے۔ سسرلک صرف ملک صاحب کی خوشنودی کی خاطر اس قدر ہتاشم سے ادریس اپ ہوتی ہیں ورنہ بہت لاپرواہ ہیں۔ ان کا لباس ملک صاحب کی پسند سے تیار ہوتا ہے۔"

"ارے۔ اس قدر لاپرواہ ہیں۔" گفت کو حیرت ہوئی۔

"بے حد۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے ادریس کو ہر قسم سے معیار تک پہنچانا چاہیے۔" آند نے مزید بتایا۔

"والہ۔ ایک ہمارے میاں ہیں۔ ہم خوب بچ بن کر آنکھوں کے سامنے سے ہار بھی گزر جائیں تو وہ سراسر غنہ گاہیں کہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں۔"

"ہمارا آندہ گفت کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"میاں کے ساتھ کون ہیں؟" میک لگائے ہوئے۔ "گفت نے آندہ سے پوچھا۔

"یہ سسر باقر ہیں۔ ڈاکٹر باقر بہت مشہور معالج اور سائیکو جسٹ ہیں اور ملک صاحب کے بہت اچھے دوست ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔"

"بلکہ ڈاکٹر باقری کے ذریعے میں ملک صاحب سے متعارف ہوئی۔"

"آپ پہلے۔ ڈاکٹر باقر کے ہاں کام کرتی تھیں۔"

"جی۔ ان کے ہاسٹل میں۔ میں ڈس جنی وہیں۔"

"اچھا۔" گفت بدستور تصاویر میں غرق تھیں۔

"آپ زنگ چھوڑ کر ملک صاحب کے پاس کیوں آئیں گیں۔" آندہ نے دریافت کیا۔

"کیا پتہ ہی نہیں۔"

"(س آندہ آپ کسی کو از خود بھی نہیں بتائیں گی کہ شریا دینی مریض رہ چکی ہیں۔) "بد وقت انہیں سسرلک کی بہت پہلے کی گئی تصویر یاد آگئی۔

"وہ سنہیل تھیں۔"

"ایسے ہی معمولی بنا تھیں۔ بس ڈیڑھ مین سخت تھا۔ وہیں ٹھہر ہوا۔ اور پہلے پہل میرے بازوؤں میں آیا۔"

"یعنی بہت پرانا تعلق ہے آپ کا۔" گفت نے ایک تصویر پر نظریں لگا دیں۔ یہ شہر کی حالیہ تصویر تھی۔

"اپنے باپ کے بازو کے گھیرے میں دل کھول کر سسکا رہا تھا اور اس قدر خوبصورت لگتا تھا کہ گفت بہت سی سچی رو گئیں۔

"خالی جانی پہلی فرصت میں ہی چہ لیجیے۔ بھول جائیں گی پھر گھر جا کر آئیں گی۔" آندہ نے گفت کو قہر لگا دیا۔ گفت کو واقعی یاد آ گیا۔

"ارے ہاں۔ ہم تو ابھی تک چاہی نہ جانا۔"

"ان کا نام ملک نواز ہے۔" چونکہ گفت ملک نواز کی تصویر نے کرشمی ہوئی تھی اس لیے آندہ بھی کہیں

کہ "سز" کا نام پوچھ رہی ہیں۔

"ارے نہیں۔ میں تو سسرلک کا نام پوچھ رہی ہوں۔" گفت جلدی سے بات کاٹ کر بولیں۔

"اچھا۔ میڈم کا نام۔ شریا ملک نواز ہے جی ان کا نام۔" انہوں نے بتایا۔

"نہ وہ میرے خدا۔" ہمارے گفت دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئیں۔

"وہیے ان کے کاندھوں میں تو صرف شریا ملک ہی لکھا ہوتا ہے۔ جیسا آپ دونوں کو کیا ہو گیا۔"

"انہیں ہم خود ہی لکھوا کر پٹیاں ہو گئیں۔"

"فلکوں میں تو مشابہت کتنی تھی۔ لیکن ہاتھوں کی یکسانیت۔"

"میں۔ سسرلک سے ملتا جاؤں گی۔" گفت کی آواز میں ایک غم اڑا رہا تھا۔

"آپ تو بہت مشکل ہے۔ ویسے آپ مجھے فون نمبر دے جائیے۔ سراسر انہیں کے تو میں اطلاع کر دوں گی۔

"لیکن مجھے آپ کی یہ بدلتی کیفیت کب تک آتی۔"

"آپ لوگ کتنے عرصے سے ہیں امریکہ میں۔" گفت اب خود پر قابو پا چکی تھیں۔

"میں تو بارہ سال سے ہوں لیکن سسرلک اور میڈم تو بہت پہلے سے وہیں تھے۔"

"یعنی دونوں میاں ہی۔"

"جی ہاں۔ دونوں شاہی انہیں تو وہاں سترہ سال پہلے ہی سے آگے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔"

"شہر ان کی پہلی اولا د ہے۔"

"جی ہاں۔" اب آندہ پریشان ہو رہی تھیں۔ "جہاں تک میرا خیال ہے شاہی ان کے ہاں شاہی کے

کافی عرصے بعد ٹھہر ہوا تھا۔"

"گفت کے چہرے پر بھی کسی کے سامنے پھیل چکے تھے۔

"سسرلک کرن ہوئی ہیں ملک صاحب کی۔"

"جی ہاں بہت ہی قریبی کرن۔ سگی خال کی بیٹی ہیں۔"

"گفت نے تصاویر پر ہاتھ ڈال دیں۔ ان کے اعزاز سے ایسا لگتا تھا گویا کہہ رہی ہوں۔ بد وقت

رہا دیا۔ لو بھلا شریا کو کم ہونے تیرہ برس ہوئے ہوں گے۔ جبکہ یہ پندرہ سال پرانی شاہی شدہ ہیں۔

"اس قدر امیر کہہ آ دی۔" ہمارے گفت کہہ رہی تھی۔ اسے بڑے آدمی کو بھلا دے دی اور انہیں عورت ہی نہ مل پائی

تھی جو وہ کسی دینی مرید کو ٹھیک کر کے شادی کرتا۔ لیکن اس دل کیا کریں جو خوش امیدی کے گھوڑے دوڑانے لگتا

ہے۔ گفت نے دل کا تصور نکال کر گفت مٹانے کی کوشش کی۔

"کبھی کوئی ہوں میں شہر کی گورنس کے سامنے۔ اور بھائی کے سامنے نہ بنا تو ہے ہی اتفاقات کا نام۔

لہذا شریا کی ایسی قسمت تھی۔ کراتا چاہئے والا اور تاکا ڈینٹ انسان اسے ملے۔"

"ایک بات پوچھوں۔ براتوں مانیں گی۔"

"انہوں نے خیالات کے سچ آنے کی آواز دی اور چونک کر بولیں۔ "جی کہیے۔"

"آپ کے اعزاز سے ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو معلوم کرنا چاہتی ہیں سسرلک کے ہارے میں۔"

"ارے نہیں۔ بس ہمیں بہت اشتیاق تھا ان کو دیکھنے کا ملے گا۔" آندہ نے دراصل بہت تعریف کی تھی

اور شریا کی دوست ہوں خالہ بعد میں۔" گفت نے بات بدلتی۔

"لیکن آپ کا اعزاز تو "شری لاک ہو" سے بہت مل رہا تھا۔" آندہ آخر کہہ رہی تھیں۔



"یہ میری عادت ہے۔ ہر بات کی تفصیل میں ضرور جاتی ہوں۔ اب دیکھیے ہاں سڑک سے ملاقات کا اصل لطف تو آپ آئے گا۔ کہیں ان کے بارے میں کچھ جانتی ہوں۔" نگہت ہنس پڑیں۔

انہوں نے نگہت کی بدلتی کیفیت نے حیران کیا تھا۔ نگہت ہر دفعی سے نظریہ انگیز۔ مس آؤں نے چائے اور دیگر لوازمات سے ان کی تواضع کی شعوری اور بعد وہ ہر آگئی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔" انہوں نے اصرار تک کرتی کہا کہ سامنے اعتراف کر لیا۔

"خدا جانی اب تو نام بھی 'سیم' نکل آتا ہے۔ اب تو صاف لگ رہا ہے کہ ملک صاحب نے ہماری بھوپلہ کو 'کڈ نیپ' کر لیا تھا۔" ہاسکرائی نظریں اس کی بدستور دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔

"ملک صاحب کے بھانے کوئی اور آدمی ہوتا تو میں کارروائی جاری رکھتی۔" نگہت مسکرا کر بولیں۔ "بھئی بدستور بدستور وار لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے مبین عالم شباب میں تو ان حضرت کے پاؤں کے نیچے 'ول' رہا کرتے ہوں گے۔ اور اپنی شریا۔ اگر بچی جان یہ اعلان بھی کر دیتی کہ وہ جھوٹ میں شریا کے وزن جتنا سونا دیں گی جب بھی کوئی شریا کو جانتے آتا۔ یہ حقیقت ہے۔"

"میں حقیقت میں نے بھی آپ کو بتائی تھی خالہ جانی۔" انہوں نے موز کاٹا۔ "مے بھر کے لیے منگو میں توقف ہوا۔"

"واہ قدرت کے کھیل بھی نرالے ہیں۔" نگہت نے سیٹ کی پشت سے سر نکال دیا۔

"اب یہ ہمارے ہی ایسا۔ اس کے بچے رخت ہونے کا انتظار تھا۔ ہم نے سوچا ہم بھی اپنی کڈ نیپ فوس کے سہرا آپ کے ہاں دھاوا بول دیں۔" نگہت ابھی ابھی ہاتھ روم میں سفر کی ٹکان اتار کر برآمد ہوئی تھیں۔

"مجھے تمہارے آنے کی قطعی کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ ایک دم ہوا کے گھوڑے پر سوار آتی ہو۔" شہلا نے فٹکی سے کہا۔

"بھلا فرمایا۔ جاتی بھی 'ہوا کے گھوڑے' پر ہوں۔ کیا کروں ٹرین کے سفر سے بیمار ہو جاتی ہوں۔" نگہت نے بچن کے گھگھے میں ہانسی ڈال دیں۔ شہلا ہنس پڑیں۔

"کج نگہت! آپ تو بچیدہ ہو جاؤ۔ بچے بچی جوان ہو چکے ہیں۔ کچھ دن جاتے میں یہودی میں لے آؤ گی۔ کیا کہیں گی وہ۔" ساس تو کہیں سے لگوئی ہی نہیں۔

"کیا کہیں گی۔؟ سجدہ شکر ادا کریں گی کہ اس گھر میں ساس جی کوئی چیز نہیں ہے۔ خیر پہلے تو کھلاچے اچھا سا کھانا۔" ساس روپشاد سے اب تک نہیں آئیں۔ "معاذت کو یاد آ گیا۔"

"ایک دو دن میں آنے والی ہیں۔ ان کے والد کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔"

"اب کیسے ہیں۔؟"

"اب تو کافی ٹھیک ہیں۔"

"مائی بھائی بھی گھگھے ہوئے ہیں۔"

ہاں۔ ظاہر ہے مائی کا جانا بھی ضروری تھا۔

"اچھا چلے۔" مائی باتیں آرام سے کریں گے پہلے کھانا۔ بہت حوصلے کے واقعات ہوئے ہیں بھرے اور ہمارے ساتھ سب بتائیں گے آپ کو۔"

نگہت اپنے سفری بیگ سے ہنر عرض نکالتے ہوئے بولیں۔ جب شہلا نگہت کی سرست جگمگائیں۔ وہ جانتی تھیں بھوک میں نگہت کا کتنا زور حال ہو جاتا ہے۔ اور ان کے بچوں کا ان سے زیادہ۔

بہت بیکاری کی امی جان!

آپ بیٹیا جہان اور ہی ہوں گی کہ میں نے آپ کے ساتھ واسے کرتے میں موجود ہوتے ہوئے کھانا ہے۔ بات یہ نہ جانی کو کچھ میں یہ سب آپ کے سامنے حور من کہنے کی ہمت نہیں ہے۔ مجھے اس بات کا بہت پہلے حد شد۔ کیوں کہ خالہ جانی کی سرچہ کی طریقوں سے اس کا اظہار کر چکی تھیں۔ مجھے ہارون سے نفرت یاد نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ مگر میں ہارون سے شادی کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں۔ آپ کا کہنا بھلا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتا ہے لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں اسے اس حیثیت سے پسند نہیں کرتی کہ طرف بہت اپنی جگہ مسلم لیگ اس کی سزا کسی بے گناہ کو نہیں ملنی چاہیے۔ ہارون کے علاوہ مجھے اور دوسرے بھی پسند کر سکتے ہیں کہ جی کسی ایسے گھر کی لڑکی ہوں اور یہ قطعاً ہی نہیں ہوں۔ ہر آدمی اپنی پسند پسند کے معاملے میں آزاد ہے۔ میں کسی کی آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھ سکتی۔ اگر کوئی مرد کسی کو اپنے طور پر پسند کر لیتا ہے تو اس میں لڑکی کا کیا قصور۔؟ جبکہ وہ ایسا ہو جاتی بھی نہیں۔

مجھے معاف فرمائیے گا۔ میں آپ کے فیصلے کو بپا کے فیصلے کو اپنے حق میں کرنا چاہوں گی۔ مجھے ایک طرف ہند کی ہیبت نہ چڑھا جائے۔ انسان ہوش مند اور بکھرا ہوا اور ساتھ ساتھ خوبصورت ہونا سے ایک وقت کی اغراض پسند کر سکتے ہیں چاہ سکتے ہیں۔ تو پھر اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ آپ کو ہارون پسند ہے واقعی وہ اچھا بھی ہے لیکن میں اس کے ساتھ چلنے کے لیے کسی طوطا مادہ نہیں پاتی خود کو۔ اگر تارضا مند ہو اور ہارون بھی تو بھی آپ کی خواہش ہماری ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے حنا آپ کی بات مان لے گی۔

آپ کی بیٹی۔

علاسن کے ہاتھوں میں لڑنا رہا تھا۔ ابھی ابھی آفس میں یہ خط پڑھ لیا کہ موصول ہوا تھا۔ اور یہ خط جابجا انداز لائن کیا ہوا تھا۔ سرخ روشنی کے قلم سے۔ یہ خط انہوں نے شہلا کو لکھا تھا۔ اور اب ان کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ جانتے تھے یہ خط ان کے آفس کے چپے پر کس نے ارسال کیا ہے۔ کیوں؟ اس؟ کیوں؟ نے ان کی حالت غیر کر دی تھی۔ ایک بار چڑھ کر انہوں نے دو بارہ مچر۔ پارہ بھی بیٹی کا خط پڑھا۔ انہیں ایسے محسوس ہوا کہ گویا اس خط میں ان کی "انا" کو زبان لگ گئی ہو۔

"انا" سنگدل ہوتی ہے۔ سرد مہر ہوتی ہے۔ اور اس کی زبان بھی کٹی ہوتی ہے اس کے باوجود قلم سے عاجز نہیں ہوتی۔

لفظ "انا" ہوتا اس کا ڈسپانی بھی نہیں مانگتا۔

"شہلا۔ تم یہ خط مجھے بھیج کر کیا یاد رکھنا چاہتی ہو۔؟ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن آج بھی میری انا بھی کٹی ہے کہ میں کسی طرح نہیں یہ بتاؤں کہ مجھے سرے سے یہ خط ہی نہیں ملا۔ جو تم نے چاہا وہ پھر بھی نہیں ہوا۔ اگرچہ ہو گیا اس خط سے پہلے ہی۔

اوچھڑ مری کے راستوں پر چلے ہوئے فخر قرائلات سے نہ بھیڑ ہوئی ہے میری۔

مشق تمنا نہیں ہے۔ لیکن اسے ایک دن محل آ جاتی ہے۔ کہ یہ وہ اہل نہیں جو بیٹو جائے۔

اسے بچی عورت اسن۔ ایک روز میرے مشق کو بھی ڈرنا ہو کر محل آتی تھی۔ لیکن انا وہ بڑی بچلی ہے جو شعوری







عجیبی بھی شباب ہے جتنا جوان ہے  
شہلا کو ان کی نظروں سے اسلمن کو کھٹ اور ہی تھی۔ ان کا اور وہ تھا وہ دور ان سے نہیں تو وہ ہمارے کل ہا تھا۔  
ان نظروں سے ان کے اندر سے کا طولان سا اندھ ہا تھا۔  
کیا تھی ہے تاج بھی نہیں خود صورت عورت کی بھرت کی بھرتی بھی ہو سکتی ہے جو "اکو" کو لگ سکتی ہے۔  
میں اس شخص نے مجھے کیوں نہ دیکھا۔ اور کچھ کر تھو کا کیوں نہیں؟  
کوئی حق نہیں اس شخص کو کہ مجھے ارادہ کرے۔ میری سرور گرم راتوں کو تنہائی کے جنم میں جو تھکے والا۔ میری  
وسا بھی تو نے والا۔

اپنے باپ سے ملو۔ اور چلے جاؤ۔ انہوں نے اظہارِ چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔  
یہاں باپ بولے سے صبر تھا انہوں نے باپ کی کلائی چھو کر دیکھی۔ پاس کھڑی تھیں سے حلقہ ڈاکٹر کا چہرہ۔  
اسے میں شہلا جی سے باہر نکل گئی تھی۔  
تھوڑی سی دیر بعد امان آ گیا تھا۔  
اس نے ساتھ نیکی پر جتن کر رکھیں اور کمر سے پر نظر دوڑا کر سیدھا ہو گیا۔  
"بھائی کہاں تھیں؟" وہ بے ساختہ حسن سے پوچھا بیٹھا تھا اور پھر ایک دم اپنی جگہ پار سا ہو گیا تھا۔  
کافی نزدیکی سا ہو گیا تھا۔

حسن جواب میں کچھ نہیں بولے تھے بلکہ امان کی لائی ہوئی دوائیں دیکھنے لگے تھے۔  
"آپ کو کیسے پتا چلا؟" امان نے غور سے بھائی کی صورت دیکھی۔  
"نہیں کیا تھا میں نے ارادہ اسلام۔" حسن نے بھائی سے نظر اٹھا کر جواب دیا اور غور سے ایک داکہ نام پڑھنے لگے۔  
اسی دم دروازہ کھلا۔ کاشف اندر داخل ہوا۔ باپ کو کچھ کر تھو لکھا گیا پھر آہستگی سے بولا۔  
"اسلام میٹھ گیا؟"  
"ہیکم اسلام۔" اس نے اپنے تقریباً نو جوان سے بیٹے کو بڑے جذبے سے جواب دیا۔  
"میرے بات تو نہیں چچا جان۔" وہ امان کی طرف متوجہ ہوا۔

حسن کو ایک عجیب سی غمزدگی اور غم کا احساس ہوا۔ باپ سے حد درجہ تکلف اور چچا سے اپنا تہ متوجہ ہوا۔  
"نہیں پاپ۔ انشا اللہ لکھک ہو جائیں گے۔" مانی نے بچتے کا شانہ چیتہ کر تھو دلی۔  
"اسی بھی تو آتی تھی۔" کاشف امان سے پوچھ رہا تھا۔  
"ہوں۔ ہاں کام سے گئی ہوئی ہیں۔" اس نے حسن پر اپنی ہی نظروں سے کر جواب دیا۔  
"کس کام سے؟" وہ اگلا۔

امان نے بیانی گہری نظروں سے کاشف کی سمت دیکھا تو اس نے بہت کچھ جان کر باپ کی سمت دیکھا اور  
گہری سانس لے کر غور سے باہر نکل گیا۔

"کون رہے گا؟" حسن نے امان کی جانب دیکھے بغیر پوچھا۔  
"ظاہر ہے بھائی ہی رہیں گی۔ حالانکہ ساہو رہے ہو کہہ رہی تھیں مگر۔ آج شام عالیہ بھی آ رہی ہے شاید ص  
بھی اس کے ساتھ ہوں۔" اس نے نہ چاہے ہوئے بھی تفصیل بتائی۔

"ہوں۔ اچھا میں چلا ہوں۔" امان میں آئیں تو تار پڑا۔  
"آپ نے تو انکس شیف سے ضیف تہین کر دیا ہے بھائی جان؟" اچھا۔ تاروں کو۔  
اس نے جواب دیا۔ چپ رہتا تو شاید اس کو اپنی اپنی بھائی بھائی تو ہیں گردانہ میں نے ایک لکھ باپ کو  
دیکھا اور باہر نکل گئے۔  
ان کے جانے کے کچھ دیر بعد شہلا اندر آ گئی تھی۔

"مانی۔"

"بھائی۔"

"دیکھو تو وہ کون سا تھو کو بائیں مٹانے نہ چاہتا کر۔"

وہ دم آواز میں بولیں۔ غلطی کا تاثر لگایا۔

"میں سمجھا نہیں بھائی۔" وہ بیٹھان سا نظر آیا۔

"کیا ضرورت تھی۔ اسے اٹھنے کی۔ کیا وہ احساس سے عاری ہے؟ میں نے غور ہی کیا تھا اسے حالانکہ وہ  
بیانی غمزدگی تھی۔ اس کی طبیعت پر سول سے شراب ہے۔ اس کی طرف سے وہ ٹیڈ و غمزدہ ہے۔ وہ ہر کام میں خود آگے  
جاتی ہے۔ بعض اوقات تم باقی اسے نہ دیتے ہو مجھے بہت جھوٹ ہوتی ہے۔"  
"مجھے آپ کا بھی تو خیال رہتا ہے۔ اس قدر مصروف رہتی ہیں۔ کتنی طور پر بھی دوسالی طور پر بھی انسان ہی  
ہیں مٹیں تو نہیں۔"

"اچھا چھوڑو۔ تمہارے جیسا قدر ان بھائی ساری حسن اتار دیتا ہے۔ اب کل کی پچھلی مت کر بیٹھنا۔ کل  
سے تمہاری شفت بھر بدل ہو گئی ہے یاد رکھنا۔"

ڈاکٹر کو کہہ رہے تھے ان کے ساتھ مر کو غمزدہ چاہیے۔ میں نے کاشف کو کہہ دیا ہے کہ وہ رات میں بیٹے سے  
کچھ چوبے تک یہاں رہے گا۔ ویسے بھی اس کے کانچ نہ ہیں۔ اور میرے خیال میں اچھا تھا ساہو رہے ہر ایشا۔ "کاشف  
کے ذکر پر شہلا کے لہجہ میں شریانی تھو گئی۔

وہ دستا دھریں تو کھل دیا اس کے ایک کونے میں بیٹھے بہت دم گھٹکر کر رہے تھے۔ ایک چمک تھو کچھ جان  
کے نزدیک بھی تھی۔

"بھائی جان پوچھ رہے تھے کہ یہاں کون رہے گا۔"

"مجھے آپ کا کاشف والا پوچھا تو معلوم نہیں تھا میں نے آپ کا نام لے دیا۔"

"تم نے کہا نہیں کہ آپ رہے گا۔ آپ کے بھی تو باپ ہیں۔" شہلا کا لہجہ کچھ آج ہو گیا۔

"میں انہیں یہ نہیں سکتا تھا۔" مانی نے اپنی حد کا اعتراف کیا۔

"گھٹ اچھا تک ہی بولی تھیں۔"

"اس کے تو سب کام چاٹک ہوتے ہیں۔ بارش ہو کر گئی ہے کہ میں ظاہر نہ کر سکیں۔ رہی۔"

"بھئی بھائی۔ ان سلسلوں میں زور دینا لکھک نہیں۔ وہ بھی باشعور ہے اپنا اچھا واسطی سکتی ہے۔"

"لیکن گھٹ تو اس کی بہت میں دیا تھی ہے۔"

"ویسے آپ نے اسے اتار کر دیکھا نہیں پوچھی؟" مانی نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر باہر لان میں بھاٹا۔



"باجی جی۔ وہ چپ ہے۔"

"اگر خان ابھی تک نہیں آئے؟" شہلا ایک دم کسی خیال سے چمک اٹھی۔

"میں ان کے آفس سے ہو کر آیا ہوں۔ بتا رہے تھے۔ اب طے سے باہر ہیں۔ آپ کو میرے اطمینان نے کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ ایسے آتے ہیں گے۔ پندرہ منٹ بعد آئے گا کہتا تھا۔" انان نے ریست وافی پر نظر ڈالی جی

"نیل۔ جی ہاں جی۔ میں ہاؤل ریوی ہوں کوئی سے۔"

شہلا لیکن جانتے جانتے ٹھٹھکی گئیں۔ یہ بات دس بجے ہاؤن سے شہر تک کر رہی ہے۔

"سر ہیں امی جی۔"

"روزانہ سے آ رہے ہیں۔؟ دیکھیے میں دو دن سے ان سے بات کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ بیٹا تم کوئی نہیں ہے امی جی۔ وہ جس نے آفر کی جی اس سلسلے میں بات کرنا جی۔"

"آپ نے انہیں میرا ہبر دیا تھا۔"

"دیا تھا۔؟ پھر بھی انہوں نے مجھے رنگ نہیں کیا۔" ہاکے لچے میں دیکھ کر اپنی لمباں جی۔

"اب آپ میرا بیٹا م فوٹ کر لیجیے۔ سر سے کیسے گا اب میرا کوئی فن نہیں آئے گا خدا حافظ۔" اس نے ریسورٹ ہنگل سے دیکھا۔

"کس کا فن تھا آلی۔؟" حنا دنی بڑے سے کرے میں داخل ہوئی جی۔

"کسی کا نہیں۔ میں نے کیا تھا خود۔" اس نے کم م سے اعجاز میں کہا تھا۔

"اپنی کسی دوست کو۔"

"نہیں۔ اگر جیشید کو۔ وہ بہر حال دوست نہیں ہیں۔" وہ بے دلی سے مسکرائی۔

"آپ نے انہیں رات کو اسٹریب کیا وہ بھی اتنی دور سے۔" حنا نے اس کی لٹھی جتائی۔

"ہوئے تو اسٹریب ہوتے۔ وہ تو رات کو بھی نہیں ملے۔" وہ کمر سے اعجاز میں بولی۔

"آلی۔ کوئی کام ہے آپ کون سے؟"

"ظاہر ہے۔" اسے حنا کے پچکار سوال پر کوفت ہوئی۔

"بہت اچھے سے ہیں آلی۔؟" حنا نے اڑی سادگی و مصمومیت سے پوچھا۔

اس نے چمک کر حنا کی شکل دیکھی۔

"اٹھ کے بندے ہیں۔ لائق فائن۔ غیر معمولی ذہین آدمی ہیں اس لیے شاید زیادہ افریکیشن ہے۔" حنا نے بڑا چٹا تجربہ کیا۔

"یعنی افریکیشن ہے۔؟" حنا نے شرارت سے کہا۔

"یہ تو فی کی باتیں مت کرو حنا۔ وہ اگر جیشید ہیں۔" حنا۔؟"

"آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ اگر جیشید نہ ہو شینڈل کم از کم ایشیا ہوں۔" حنا کو اس کے کم از کم کہنے پر بے ساختہ ہنسی آئی۔ اس کا ہنسنے کا بہت گھٹا اعجاز تھا پھر بھی وہ بھی بھاری ہنسا کرتی جی۔

"۱۳۔"

"ہوں۔"

"مجھے اپنی کٹلی جانیں۔ بہت مخلص آسان ہو جائیں گی۔" حنا شرارت سے مسکرائی۔

"انہی کوئی بات نہیں حنا۔ مجھے جرات بھی کہنا ہوگی میں اسی سے خود کہہ دوں گی۔ مجھے اس دن چاہیے ہی ہے

زیادہ راز دار دوست کی ضرورت نہیں۔ مجھے اچھا ہے کہ اسی جی ہری ہر بات میں کر ضرور خود کریں گی۔ تم نے دیکھا۔؟

ہاؤل ریوی جی ہری چڑی اڑتی دلی ہاں نہیں۔ وہ پیش سے ہاؤل ریوی ہر بات چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ بہت خود سے سنتی ہیں۔ اسی تو ہاؤل ریوی بہت اچھی دوست ہیں۔ حالانکہ حال چاہی کے ہاؤل ریوی کا ہم مجھے بہت پسند ہے چاہے ہاؤل ریوی میں ادا

پریشان نہیں ہوئی کہ اسی کے موجود ہوتے ہوئے مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جی۔

"ہاں آلی۔ میں سب کی باتیں دیکھتی ہوں کوئی بھی اسی کی طرح نظر نہیں آتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو حنا۔"

"آلی اصلی بات تو چلی ہی میں روگی۔ وہ اگر جیشید۔"

"پھر ہفتے میں کی بلی فون کیوں کیے جاتے ہیں۔؟" حنا نے تپ کا پتہ کیا۔

"تہیز۔ بات کہاں سے کہاں پہنچاؤں گی۔ میں شہلا سن کی بیٹی ہوں اب اسی جی ہری ہری نہیں کر سکتی

کو فون کر کے حنا کر دیں گی۔ بات یہ ہے کہ ان کی مصروفیات ہی مختلف نوعیت کی ہیں۔ عموماً رات دس بجے کے بعد ہی ملے ہیں۔ ایک جگہ تو مجھے نہیں ہیں دراصل انہوں نے مجھے آفر کیا تھا کہ رات کے بعد ان کے ذاتی کونکے میں ان کی اسٹنٹ بین چاؤں۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ خود کر کے جواب دینا۔ اب اسی تو منع کر رہی ہیں کہ آتی جاتے سے۔ جلد"

"تو یہ بات تو آپ فون پر کسی سے بھی کہلا سکتی ہیں۔"

"نہیں۔ اچھا محسوس نہیں ہوتا۔ شاید وہ یہ جانتا چاہیں تو یہ تو میں ہی تفصیل سے بتا سکتی ہوں ہاں۔ انہوں نے بیکش بھی تو براہ راست کی جی۔"

"آپ نے اسی کی بات فوراً مان لی۔؟ حالانکہ کافی اچھی بیکش ہے۔"

"کیا کروں پھر۔؟" وہ کہتی ہیں کام مجھے یہاں بھی مل سکتا ہے۔ اچھی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جو اسی کے شکایاں شان ہو۔ اس لیے چپ ہوں۔" وہ لیکن کو کچھ کر سکتی۔

شہلا نے بھی حنا کی باتیں چپ کر لیں جی نہیں لیکن حنا کا بارون کے لیے انکار سن کر وہ کچھ تجسس سی ہو گئی

جیسی بیٹی کی سلجی ہوئی باتیں ان کر انہیں عجیب سا اطمینان ہوا اور وہ آگے بڑھ گئیں۔

"اگرے حنا! تمہیں ایک مزید بات بتانا تو قبول ہی گئی۔ مجھے کہتی ہیں بڑا پھر بیوی جی۔"

حنا کیل پڑی۔ "بڑا پھر پھر۔" وہ عجیب سے حنا کی طرف دیکھ کر بولی۔

"پانکس بڑا پھر پھر جی۔"

"او۔؟" حنا نے کمر اسانس لیا۔

حنا نے اسے تفصیل سے پوری بات سنائی وہ اچھا کہ سے سنتی رہی۔

"ابھی میں یہی پروگرام بتا رہی تھی جی جی جی اور اسی کو یہ ٹیپ کہانی سناؤں گی۔"

"آلی کیا واقعی وہ بڑا پھر پھر جی ہیں۔"

"جی جی جی جی جی آگے گا ایک دم ہی۔"

"اجماعاوت وغیرہ کسی ہے؟" حاضری کی ہو گئی۔

"بہت اچھی۔ اتنی خوشحال زندگی گزار رہی ہیں جو قابل رشک ہے۔ اسے پیارے پیارے بچے، اتنا ایڈمنٹ چارنگ اور سو پرسانہ ان کا سونپا ہے۔ اٹھارہ سال سے باہر ہیں یہاں تو عرصوں سے ملاقات کرتے آتے ہیں۔"

"اور ہاں۔" انا کو حیرت یاد آیا۔ "وہ لوگ تو چچا جان سے مل چکے ہیں جو مشن میں تھیں یاد ہے چچا جان اور سارہ بچی نے فون پر بھی بتایا تھا کہ انہیں ٹریا پھو پھو کی ہمشکل مل گئی ہیں۔"

"ہاؤ اسٹرٹ۔" حنائے نظریں بھینچ گئیں۔ "آلی اگر کراچی گئے تو ملو اے گا۔"

"ایسا ممکن تو نہیں ہو سکتا ہے جب ہم کراچی جا میں تو وہ وہاں امریکہ جا چکے ہوں۔"

"کی آلی میرا تو بہت دل چاہا ہے اپنی پھو پھو کی کاربن کالی دیکھنے کو۔"

"سنو۔ حنا۔"

"ہوں۔؟"

"دیکھو عالیہ پھو پھو کے سامنے ذکر نہ کر بیٹھنا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی خالہ جانی کی طرح جذباتی ہو جائیں۔ اور بچہ جائیں کراچی۔ خواہ تو اوندھاتی ہے گا۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ ہمارے بارے میں۔"

"آپ بے فکر ہیں۔ عالیہ پھو پھو سو گئیں۔؟" حنا کو ایک دم دھیان آیا۔

"ہاں شاید کبھی ہوئی تھیں۔"

پھر وہ دونوں بھی اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ اب سونے کی تیاری تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ ہم اسلام آباد سے نکلیں کراچی۔ خواہ تو اوکراچی جا کر وقت ضائع ہو گا۔"

ملک نواز نے کھڑکی سے باہر بھاگتی ٹریا کو توجہ کیا۔

وہ چونک پڑی۔ "کیوں۔؟"

"تایا ہاں اب اتنا نام نہیں رہا ہے۔"

"لیکن۔ مجھے تو کراچی والے گھر میں بہت سے کامنڈے ہیں۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"مثلاً۔۔۔ وہ اریں اور جیڑ کروڑی جگہ۔"

"چچا۔" ٹریا جھاگئی۔ "کتنی چیزیں ہیں جو اسی طرح چھوڑ آئی تھیں انہیں کھلو کا کرے؟ ہے پھر پتا نہیں کب آئیں پاکستان سب خراب ہو جائیں گی۔"

"مس آؤ کر لیں گی۔"

"لیکن تمام اہم چایاں تو میرے پاس ہیں۔" وہ بولی۔

"کیا مصیبت آئی تھی جہیں چایاں ساتھ لکانے کی۔" ملک کا موز خراب ہونے لگا۔ "کیا پرانے وقتوں کی بائبل عورتوں کی طرح چایاں جیب میں رکھے پھرتی ہو۔"

"تمام چیزیں لوگوں کی ذمہ داری نہیں ہوتیں۔ اپنے گھر کا خیال عورتوں کو خود کرنا پڑتا ہے۔"

مرد کا گھر نہیں ہوتا۔ ریسٹ ہاؤس ہوتا ہے۔ گھر تو عورت کا ہوتا ہے۔ وہی اسے ذاتی ستواری اور اس کی حفاظت کرتی ہے۔ آپکڑ کیا پتا۔

"ہاں صاحب۔ مجھے نہیں معلوم تھا اتنی زبردست گھروالی لارہا ہوں۔" اس بار اس کے لہجے میں

شرارت تھی۔

"اے کہاں تھے۔ گھری میں تو تھی۔" ٹریا نے بغیر رٹا اٹھا کر ہاتھوں میں چھاپا۔ پھر ہم درگاہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"ملک کیا آپ کو پتا تھا یہ گاؤں میں رہنے والی خالہ زاد آپک کی بی بی بن جائے گی۔" (انہی کی جسم فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو گی)

"ہاں گھروالے کہا کرتے تھے۔" اس نے پھر بات بھاری۔

"اچھا بتائیے۔ آپ تو اتنے عرصے سے باہر تھے۔ میں تو یہاں تھی۔ آپ کو کوئی چچی گھسی لایا یا نہ بتائی۔"

(ٹریا ایک پاشی بند کر دھارا) "نہیں۔" اس نے مختصر ترین جھوٹ بولا۔

"کیوں۔؟"

"تم ہو آ گئی تھیں۔" اس نے خود ہی جبر کیا۔ ٹریا کے چہرے پر روشنی ہی بھیل گئی۔

"اچھا پھر آپ نے اپنے گھر والوں پر زور کیوں نہیں دیا تھا کہ وہ مجھے قلعیم دلائیں۔"

"اس وقت گاؤں میں لڑکیوں کا اسکول نہیں تھا۔ اور پھر میں نے ساری کی تو پوری کر دی ہے۔ قلعیم بہتر ہی قلعیم کا انتظام نہیں کیا۔" ملک نے ٹریا کا چہرہ بغور دیکھا۔

"ہاں خیر یہ تو ہے۔" اس نے استغراق کیا۔

"ملک۔ میں کبھی کبھی حیران ہوتی ہوں۔"

"اٹنی خیر۔" ملک نواز نے دل ہی دل میں پتا مانگی۔ (اب کیا "نئی" ہو گی۔؟)

"کس بات پر حیران ہوتی ہو۔؟"

"نہی کہ گاؤں میں میری سہیلیاں بھی تو ہونی چاہئیں۔ لیکن سب سی لوگ مجھ سے دور رہتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے ٹریا۔ بات دراصل یہ ہے کہ گاؤں کے اکثر لوگ ہمارے ملازم ہیں وہ ہم سے کس طرح بے تکلف ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن مجھے عجیب سا لگتا ہے۔ سب اس طرح دیکھتے ہیں مجھے جیسے میں ان سب کے لیے بنی ہوں۔" وہ اب بھی۔

"اور اصل تم بدل بہت گئی ہو اس لیے۔"

"کیا بدل گئی ہوں میں۔؟"

"میری بیوی بن گئی ہو۔ میرے بچوں کی ماں بن گئی ہو۔ مس آمنہ جیسے پڑے گئے لوگوں کی میزبان بن گئی ہو۔ اور بدلنا کسے کہیں گے۔؟"

"ٹریا کے تمام تجسس اس نے ایک بار پھر مٹا دیا۔

اس نے ٹریا کا خوبصورت ہاتھ قلم لیا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے۔ تم یہاں آ کر کچھ سلی سی ہو جاتی ہو۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔" اس نے ملک کے ہاتھ کی گرم جوشی محسوس کی۔ "ہاں تو واقعی میرا رنگ بہت سفید ہو چکا ہے۔ وہاں کی آب و ہوا مجھے زیادہ داس ہے۔ یہاں تو مجھ پر سستی ہی چھا جاتی ہے۔" اس نے لاشعوری طور پر ملک کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔



"تو میری اس مستقل آواز تو دل ہو جاؤ گی پھر میں یہاں نہیں آتا چاہیے۔"  
 "میں خبر یہاں تو ہم ضرور آئیں گے۔ رقبہ روپ کب تک ساتھ دیتا ہے۔"  
 "میرے خیال میں تمہارا رقبہ روپ جلد ماتم نہیں پڑا چاہیے۔ اور نہ مجھے کوئی دوسری تلاش کرنا چاہیے۔"  
 "تو یہ مجھے تو لگتا ہے آپ سوسال کی عمر میں بھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔"  
 "تم کرا چکا ہو۔؟" اس کے لبوں پر شری سرکراہٹ تھی۔  
 "اسی وقت شری بار اندر داخل ہوا۔ شریاوا الہا نے اس کی طرف ہلکی تھی۔  
 "ایک تو پار یہ تمہارے بچے بے وقت آؤ سکتے ہیں۔" ملک نواز نے بازو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔  
 "ملک! میں آپ کو بتا رہی ہوں میں کراچی جائے بغیر امریکا نہیں جاؤ گی۔ آپ کو جلدی ہے تو آپ چلے جائیں میں ہوں اور میں آؤ گے کہ بعد میں آ جاؤں گی۔"  
 شریاوا کے لبوں پر تھیں۔

ملک نواز نے آنکھوں پر ہاتھ دھرا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری مستقل میری کچھ میں نہیں آری۔ ہا آ جائیں گے چند سال بعد مستقل خوب فی ہر کراں مگر کی وجہ یہاں کر لیں۔"  
 "میں۔ میں تمام انتظامات کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں ہت دھری تھی۔ ملک کا پارہ ہر جہ سے نکلا۔

"ایک تو یہ بڑی نصیبت ہے۔ یہ سنن سے آتی ہو تو وہاں جنہیں انتظامات کرتے کرتے میں نہ لگ جاتا ہے۔ اور یہاں آتی ہو تو۔۔۔ بھاگے جا رہے ہیں مگر۔ چیزیں تھوڑی نہیں کیں یہ نہیں کیا۔ وہ نہیں کیا۔ لے جائیں گے پورے اکو بیس نو گنا زیادہ سے زیادہ۔ تو لے جائیں۔ اور آ جائیں گی۔ چیزیں۔"  
 "تو یہ کس طرح ہے حرکت کر رہے ہیں۔ مفت کی ہیں۔ اتنی محنت سے کاتے ہیں منج سے مجھے شام آتے ہیں۔ کس قدر تجھے ہونے ہوتے ہیں۔ مجھے تو ترس آنے لگتا ہے۔"

(کامین۔) ہونہ۔ یہ تو خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ ہے۔ شریاوا نکم۔ غالی الذہن رہوں تو شاید نا آسودہ خواہشات سے فروں پر یک ڈاؤن ہو جائے۔ نا آگ سلی تھی بھڑکی ہے بھی نہیں۔ تم کیا جانو شریاوا نکم)

کہاں سے کہاں تک گیا ہوں تمہارے غارت میں۔ "اس کی" شرم نہ ہوتی تو آج تم بھی اس مقام پر نہ ہوتی۔ دنیا کے بے رحم خود غرض لوگوں میں میرا بھی اضافہ ہو جاتا۔ اس کی جان کو دوا دوس کے دہیلے سے تم یہاں ہو۔ وہ آج بھی کبھی کبھی میری شہرگ کو چھو جاتی ہے۔ تمہارے واسطے سے میں اس کا ہوں۔ دل کافی مطمئن ہے۔ ایک اور دہلی گزرا جب میرے چھلکتے چیلوں کی طرح تھا۔ وہ میری نام آشیامی نہیں تھی۔ میں اس کی ایک نظر کے لیے پھروں سوچا کرتا تھا۔ اگر اس کے گھر کا نوٹارن جتنی تھی۔ شریاوا۔

اب کیونکہ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ از خود گنجائش ہی لگن آتی ہے میرے دل میں لوگ سمجھتے ہیں مگر میں ہندو سے ہالو سے بھی انیت ہو جاتی ہے۔ تم تو پھر ایک نو بہ صورت عورت اور میری بیوی ہو۔ سب سے بڑھ کر "اس" سے نسبت ہے۔ بیوی تو شاید مجھے تو بہ صورت ہی مل جاتی۔ اس سے نسبت تو نہ ملتی۔ اپنی ماں سے بھوت نہیں ہوں ملتا۔ جان پھر اس سے۔ وہ گھڑی نہ آئے کہ وہ میرے اور تمہارے سامنے آئے اس روز ملک نواز مارے شرم کے خود غشی کر لے گا۔

اپنی شرم کی خاطر میں نے "درا سلام" کے کپڑوں کو روک رکھا ہے۔ لیکن مجھے کوئی روک اپنے روک سے نہ نظر نہیں آتا۔ میری شرم کا محور تم ہو شہلا حسن۔ بعد میں تمہارا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا ملک اس گھڑی سے ہلاؤ گنا ہوں۔ ایک بات میری کچھ میں نہیں آتی۔ عشق قربت کا عشق ہی ہو گیا تھا۔ جس میں مجھ سے کہنے تو رہی ہو ہی کیا تھا تو تمہارے پاؤں چھو چاہیے تھے۔ تصور ہی ہیں۔ میں آج بھی اپنی آنکھوں میں دھیل ہوں۔ بے درستی میں نے شریاوا کی نہیں تمہاری کی تھی۔ شریاوا تو تم جسے شہلا حسن کہتی تھیں۔ حرم بھی زندگی سے بڑی۔ پڑیٹھانوں سے میرا گھر دیکھ لیا ہے۔ کبھی تمہارا دیوڑھی جاتا ہے کبھی تمہارا شور مچا رہی تھی۔ تم تو خود میرا چھو کر رہی ہو۔ خدا را۔

"کیا بات ہے ملک؟" شریاوا سے سر تھا۔ کچھ گھبراہٹ تھی۔ سر میں درد ہے۔؟ وہ فکر مند کی تھی۔

(خدا معلوم کہاں کہاں درد ہے) ایک گلاس پانی لاؤ۔

وہ جلدی سے پانی لے آئی۔

"اچھا پلیس چھوڑیں۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں آؤں گے کہہ دوں گی وہ خود ہی چیز دن کو کھڑے کر لیں گی۔" کس قدر رسوا تھی وہ۔ ملک چپستان سا ہو گیا۔ تم تو میری روح کی بھی مقدار ہو شریاوا میری روح تو خود میری گرفت میں نہیں رہتی۔

"میں نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ایک دن کے لیے چلیں گے کراچی۔ تمہاری بات مان لیتے ہیں کیا یاد کرو گی تم بھی۔"

شریانی نے بڑی جراتی سے دیکھا تھا۔ اسے پیش کی طرح ملک ایک صبر کھائی دیا تھا۔ حالانکہ خدا کرتے وقت دل ہی دل میں ڈر بھی رہی تھی کہ جب ملک کو خدا تا تھا تو ہو کوئی انتہائی قدم بھی اٹھانے کو تیار رہتا تھا۔ اس کی عزت کا انداز بھی جان لے لیا تھا اور راضی کا بھی۔

شریالا مطمئن تھی۔ کہ آؤ سو روگ مونا چڑچڑ سے بڑھ دماغ ہو جاتے ہیں ان کی تمام عمر وہاں ایک مرکز پر اسکی ہو کر لاؤن جاتی ہیں جو کبھی بھی پھٹ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر۔ پھلتا ہی رہتا ہے۔

اس نے تمہارا دل کر ہر ملک کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی آج وہ کبھی کبھار کی طرح بھر پور ہوا ہو گیا تھا۔ اس نے گھڑی سے جھانک کر دیکھا تھا۔ شہر اور شہ پارہ دستور بچے کھیل رہے تھے کل انہوں نے سری کا یہ ہوئی چھوڑ کر لاہور روانہ ہو جاتا تھا۔

"جی ای۔ آپ آج اپنا سے پوچھ لیں۔ ہے میں آئی۔"

"جی ای۔ واقعی وہ بالکل پوچھو پوچھو ہیں۔" ہاتھ سے نکالیں ترے سے لگتے ہوئے جواب دیا۔

"تو یہی وہ حیرت دار باتیں تھیں جو محنت سنانے کو بے مکن ہو رہی تھی اور پھر بغیر سنانے چلی گئی تھی۔" شہلا نے ایک لمحے کو ملک کا سلسلہ روک کر دیکھا۔

"جی ای۔ ا۔"

"ہاں جہاں بہت سارے اتفاق ہو سکتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مونا جڑواں بچوں کے بارے میں تو اس قدر مشابہت تھی ہے بلکہ دیکھی بھی ہے لیکن اس کے علاوہ۔ خیر۔ تم میڈم۔ پرتو آؤ گارا نہیں کر نہیں کہ تم لوگ ملک میں پڑی ہوئی ہو۔؟"

"نہیں امی۔ اب اسنے بھی یہ قوف نہیں ہیں ہم۔" ہائے شرارت سے کہا۔

"اچھا کیا۔ ورنہ اتنا مذاق ہی بقا تم کو کون کا۔ بہت ہنسی وہ تہاری میزم۔ اور ہاں یہ تہا کدوی ہے کہ تم تا رہی جس ان کا نام بھی نہ پڑا ہے۔" شہلا کو یاد آیا۔

"بی امی۔ کج اتاری تیرائی کی انتہا نہیں تھی۔ بڑ مشکل سے سنبھلے ہیں۔ کہ کچھ نہ مٹے گئے ہیں اور کچھ سوچ سمجھ سکتے ہیں۔" اس کی دلکش مسکراہٹ شہلا کے دل میں اتر گئی۔

"اور امی ان کے شو پر تو مجھے بہت پسند آئے۔" تاساوی سے بولی تاتے کھٹک کر کچھ صاف کیا۔ شہلا مسکرائی۔

"اچھا کیا خاص بات نظر آتی تھیں۔؟"

"دیکھیں ناں امی خوبصورت تو ہمارے ہاں بھی اکثر مرد ہیں۔ بس پتا نہیں ان میں کیا خاص بات تھی ہو وہ اسنے اچھے لگ رہے تھے۔ حالانکہ تھوڑے تھوڑے پراؤڈ سے بھی تھے بس امی یوں کچھ لیں اگر وہ اپنے ہم عمروں میں بیٹھے ہوں تو بس نمایاں نظر آئیں گے پتا نہیں کیا بات ہے ان میں۔" تاتالچہ ہی گئی تھی۔

شہلا پھر رنگ میں شہک ہو گئی تھیں۔

پھر ہائے شہر کے قصے سے آخر تک تمام واقعات ماں کو سنا اٹے۔

"کراچی گئے تو طو رانا مجھے بھی۔" شہلا کے دل میں بھی ہلکا سا اشتیاق جاگا۔

"وہ بھی اگر ان دنوں پاکستان آئے ہوتے ہوں تب بات بن سکتی۔"

"واقعی شہلا بھی ہیں۔؟" شہلانے پھر پر شوق انداز میں پوچھا۔

"میں تا نہیں سکتی۔ بس وہ ذرا پودھرائی و میزم کا حسین کچھ ہیں۔ بے حد ماڈ ہیں۔ اس جہ سے بے حد فرق ہے ورنہ نقل تو بے حد ملتی ہے۔"

"ہاں بیٹے۔ سب مقدمہ کے کھیل ہیں۔ تمہاری شہلا پھر پو اس گھر کا سب سے بڑا المیہ ہیں۔ اس گھر کی قدرتی رونق تو اس کے نصیب سے تھی شاید۔ برسوں پہلے اس گھر کا ایک ایک فرد بڑی مشکل سے بھلا دے لے ہیں۔ چچا جان کو تو آج تک میر نہیں آیا۔ مانی کی خوشیاں دیکھنے سننے کو کون ترس گئے۔ آج بھی اس میں وہ تازگی لوٹ کر نہیں آئی۔" شہلا کو ماضی نے پھر افسردہ کر دیا۔

(سب سے بڑا المیہ شہلا پھر پو نہیں امی۔ بلکہ؟ امی۔ آپ کو پتا ذرا یاد نہیں آتے) ہائے اپنی ماں کے پاتال جتنے طرف والے چہرے کو نظر پھر کر دیکھا جہاں ہمیشہ کی طرح مسند کی سطح جیسا سکون تھا۔ جیسے وہ اس دنیا کی دکھ آشا محروم ہو۔ جیسے اس نے کبھی غم کا نام بھی نہ سنا ہو۔

"چائے بناؤں امی آپ کے لیے؟" تاتالچہ کھڑی ہوئی۔

"چائے نہیں ہاں بڑا قہوہ بنا دو۔ اور دیکھو سرنگ پوس میں سبز الائچی ہے دو تھی ہے وہ ڈالنا۔" انہوں نے

سلامتوں پر نظریں جمائے جمائے ہی بدانت دی۔

تاتالچہ بھی لیٹی کتاب دیکھ رہی تھی۔

"آئی میں بھی۔ بیوں کی۔ پلیز۔"

تاتالچہ لگا گئی۔

(کاش تیرے باپ کے نصیب میں بھی تجھ سے قدرت لیجا رہا تھا۔ آدوہ دھلیب انسان)

چچا جان کی حالت سنبھل تو وہ تاتالچہ کا شرف کے سرو ایک لپٹے کے لیے کراچی چلی آ گئے۔ وہ تاتالچہ کے قراصل کی بنا پر کشاں کشاں چلی آئی تھیں کہ تاتالچہ میں چاب کرنا پڑتی تھی۔

آتے ہوئے تاتالچہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ کراتے در حقیقت تاتالچہ کے مواقع بہت کم ملتے تھے اور وہ تاتالچہ کے کراچی جانے سے ویسے بھی ناخوش تھی۔ اور کبھی تھی۔ آئی کوئٹہ کے سریشوں کا کیا ہوگا؟ جو آپ کی خاطر یاد ہو رہے ہیں۔ شہلا اپنے طور پر تکی کرنا پڑتی تھیں اور دیکھنا پڑتی تھیں کہ ہاں کس طرح ایلیہ مست ہوگی۔ ان کی تو ہمیشہ سے سیکے میں وی آئی لی کی حیثیت ہوتی تھی۔ دونوں میں جرات آتی تھیں۔

صبر کی لہجہ بے حد بازدی تھیں ادب سے خاصا سا ڈھنگ تھا۔ مونا شہلا کے ہاں جائیں تو شہلا کو بے حد مصروف پا کر کچھ ہی میں اچھے سے شہر کی فرمائش کر دیتی اور کبھی شہلا کراچی آتیں تو وہ خود اپنی مصروفیت کی بنا پر کچھ میں شہلا کے ہر اکا سن کرتے ہوئے کسی حکم کی فرمائش کر دیتی۔

مونا صبر سے کہا کرتی تھیں کہ میں نے صرف شہلا کی وجہ سے آپ سے تاتالچہ کی ہے کہ میں اس خوبصورت دہر پھر بڑا شاعر کی بڑی بہائی کہلاؤں۔ اس پر صبر کھڑا لگاتے۔

"مجھے کچھ میں نہ پتا ہونے والے شاعر سے اس بات کا احساس دلاتے ہیں۔"

شہلا جھینپ جاتیں۔ بہائی کی بات رو کر دیتی تو خدشہ ہوتا بہائی کہیں غرور سے تمیز نہ کریں اس لیے اپنا ایک آدھ شعر سنا ہی پڑتا اب بھی انہوں نے والہانہ شہلا کا سواگت کیا تھا کہ شہلا کی روح پر پڑے ہو جو مرک سے گئے تھے۔ اور امی۔ انہیں سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر دیتی تھیں۔

سب مجھے ملتے ہیں تو بیٹے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں۔ نا

اور ماں روتی ہے۔

آخر اس قدر آگاہ کیوں ہوتی ہے؟

میرے کلیے پر چلتے قطرے ماں کی آنکھوں میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ وہ ماں تکی شہلا ہوتی ہے۔ تاتالچہ اپنے دکھ خود بخود جاتی ہے اور تاتالچہ کے دکھ اس طرح سننے سے کہ زبان کو کلام کا تھکا نہیں ہونے دیتی۔ یہ وہ گھڑی ہوتی تھی جب وہ خود پر کا نہیں رکھ پاتی تھیں۔ ان کا برسوں کا زہر آنکھوں کے راستے بہ نکلتا تھا۔

جو ماں بیٹی سے ملنے کے لمحوں میں روتی ہے وہ بہت بڑی کہانی سنا جاتی ہے کہ آتسو تو جدائی کے موقع پر ہی حشر و بھلے لگتے ہیں۔

جیب سے غم و خوشی کے لمے سیکے میں گزرتے تھے۔

انہوں نے اپنی آمد کی خبر نہیں دی تھی کہ وہ۔ یہ مختصر عرصہ صرف اپنی ماں کے پاس گزارنا چاہتی تھیں۔ تاتالچہ بیٹی کی مدد کرنا چاہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"شکریہ سر۔ اس میں آپ کی مہربان رحمت و تہادوں بھی تو شامل ہے۔"

"یہ تمہاری اکساری ہے۔ ویسے رزلٹ اس مرتبہ بہت اچھا رہا۔ بہت خوش ہوں میں۔" ڈاکٹر جعفری تاتالچہ کے راجداری ہی میں مل گئے تھے۔ اور تاتالچہ کا میاں پو مہار کہاد سے ڈال چکی۔

"رزلٹ آؤٹ ہوئے آج پانچواں دن ہے آپ کہاں کا تب تھے بیٹا۔؟"



"اے گھر کو نکھڑا دیاں تو میں پڑھنے کے لیے آئی ہوئی تھی سر۔ بس اتنی دور سے آتے آتے دیر تو ہوئی جاتی ہے۔ مجھے عاتش اور شہید پیرہ نے فون پر بتایا تھا۔"

"اگر کوئی خط لکھ کر اپنے مخصوص مشتاقانہ انداز میں مسکرائے اور آگے بڑھ گئے۔"

"وہ لوہے جتنی تو اکثر جیشید کی طالب علم سے ٹوکھٹو تھے۔ پہلے تو ہاتھ نہ دیا۔ پھر جیسے زبردستی کے انداز میں کہا۔"

"السلام علیکم سر۔"

"وہیں السلام۔ ٹھیک ہو۔؟" انہوں نے خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"اوپر اپنی مبارک ہو۔ آپ کو باقاعدہ ڈاکٹر ہو گئی ہو۔؟"

"آپ کی دعا سے سر۔ میں دراصل ڈاکٹر صدیقی کو تلاش کر رہی تھی۔"

"آپ کو معلوم ہے سر۔؟ وہ کہاں مل سکیں گے؟" ہاتھ ان پر جانے کیا جتا جا رہا تھا۔

"وہ تو آج چھٹی پر ہیں۔"

"اوہ مجھے۔ چاہتا تھا میں مل ہی جاتی۔" ہاتھ انہوں نے اٹھایا۔

"کچھ کام تھا ان سے۔؟"

"جی سر؟ لیکن خیر۔ اچھا خدا حافظ۔" وہ اتنی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی کہ ڈاکٹر جیشید کچھ کہنے سے محروم

دو بار وہ طالب علم کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

تاکہ یہ انداز اپنا کر بڑی عزیمت کا احساس ہوا تھا۔ اب جیسے اس پر کچھ بوجھ نہیں رہا تھا۔ لیکن جب شام کو

اسے سوئے سے جاگ کر بتایا گیا کہ اس کا فون ہے تو دل بے تحاشا دھڑک گیا تھا۔ لیکن ریسورٹ اٹھا کر کان سے چپکا تو چہ چلا

"اماں جی ہیں۔"

"ارے بیٹا اسنے دونوں بعد کر اپنی آنکھیں اور ملنے بھی نہیں آئیں۔" وہاں ایسی ہوتی ہیں؟"

"وہ حقیقت شرمندہ ہی ہو گئی۔"

"نہیں اماں جی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ابھی تو میں کہیں بھی نہیں گئی۔ نہ عاتش کے ہاں نہ بازیہ کے ہاں وہ

دونوں بہت لڑیں گی مجھ سے انہیں تو اطلاع بھی نہیں دی ابھی۔"

"پر سوں ہی رات کو تو آئی ہوں اماں جی۔ کیوں نہیں۔ آپ سے ملنے ضرور آؤں گی۔ اب تیرا ہی مجھے

گراچی میں ہے۔"

"نہیں اماں جی۔؟" ہاتھ مار کر فون پر پڑی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ایسا ہی المال کوئی پتہ نہیں۔"

"نہیں سر کے ساتھ میں ہرگز پرکھیں نہیں کروں گی۔ بس کوئی وجہ نہیں۔ اچھا اماں جی۔ باقی باتیں گھر پر

ہوں گی۔ خدا حافظ۔" اس نے ریسورٹ رکھ دیا۔

"کون جیسا یہ اماں جی۔؟" وہاں شہلا حیران ہی تھیں۔

"ارے وہ وہاں کے پروفیسر جیشید کی والدہ ہیں۔ بہت اچھی عادت کی ہیں۔ میں ملی ہوں ان سے۔" ہاتھ

بچائے شہلا کی ادنیٰ بولیں۔

"جی ادنیٰ بہت اچھی ہیں۔ اکثر اسٹوڈنٹس ان سے مل کر "سر" کو بھول جاتے ہیں۔ سر بھگت یاد دہان جی سے ملے جاتے ہیں۔ اسے حرسے کے پکڑے بنا کر کھاتی ہیں کہ کیا کتاؤں۔"

"تو یوں کہو کہ پکڑے کھانے جاتے ہیں۔" وہ ہنس دیں۔

"نہیں۔ امی۔ ایسی بات نہیں۔" وہاں جیشید پروفیسر کی تھی۔

☆☆☆

"تو بڑی دیر اور دیر جتا ہوا تھا۔ چار بجے وہ تیار ہو کر باہر آئے گا۔ ٹھیک ہاتھ کے لیے۔ بس ان گھر میں یہ

واحد ایک گھنٹہ اس کے آرام کا ہے۔"

"مجھے تاریکی طرف بھی جانا ہے اماں جی پھر شام ہو جائے گی۔" اس نے پرجاتی ظاہر کی۔

"ارے کیسے جانے دوں وہ مجھ سے خفا ہو گا کہ میں نے تمہیں جانے کیوں دیا۔؟" وہ آئی ہو تو مل کر جاؤ

اب کانٹے سے نکل گئی ہو تو کیا سلام بھی نہیں کرو گی۔" انہوں نے پھیلوا۔

"ہاں سر اپنی۔ اور صوفے کی پشت سے سر نکلا دیا۔"

"اچھا اماں جی۔ کر لیتے ہیں انتظار۔"

"میں اس احسان پر بس خشن کا مکتور و ممنون ہوں۔" اسے عقب سے جیشید کی آواز سنائی دی۔ اس نے

چمک کر دیکھا وہ دم سا مسکرا رہے تھے۔ وہاں کھینچائی گئی تھی۔

"السلام علیکم سر۔"

"وہیں السلام۔ حراج بخیر۔"

"ارے آج تو ہمارے جلدی سوار ہے۔ جائے تک پہنچے پر آمادہ نہیں۔" اماں جی نے بیٹے سے شکوہ کیا۔

"خیریت تو ہے ہا۔؟"

"بالکل خیریت ہے سر۔"

"آپ جانے کے لیے کہہ دیں اماں جی۔" جیشید اماں سے مخاطب ہوئے ان کے لہجے میں مضبوطی تھی۔ اب

تاکہ انکار کرنا ممنوعی کا لہذا خاموش ہو رہی۔

"اب کیا ارادے ہیں۔؟" انہوں نے بیٹے سے دعا سے پوچھا۔

"پرکیش کا ارادہ ہے سر۔"

"یہ اچھا تشریف کا دور ہے۔ آپ کے بہت کلاس فیلوز ایسا ہی سوچ رہے ہیں۔"

"لیکن جانے کیوں مجھے پرکیش کرنے کی جلدی ہے۔ سر۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"مرضی ہے آپ کی۔ کہاں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔؟"

"کسی باہری ذریعہ نگرانی۔ جس میں تو قطعی ماہر مانے پر آمادہ نہیں لہذا تمہارے ذریعہ نگرانی تو پرکیش کرنے کا سوال

علاوہ نہیں ہوتا۔"

اماں جی اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ تو ہاتھ شرمندہ ہی ہو گئی۔

"واقعی ہا۔؟ جیشید حیران سے ہوئے۔"

"یہ بات نہیں ہے سر۔" اس کا لہجہ دم سا تھا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے ایسی ہی پیشکش میں نے بھی کی تھی۔"

"آپ کو یاد ہے سر۔" انا کا لہجہ استعزائیہ سا تھا۔

"بہت اچھی طرح۔" انہیں ہمارے اس انداز پر قہر سا ہوا۔ "شاید تم خود بھول گئی تھیں۔ انا۔ کمال ہے تم میری بات کو کوئی وقعت ہی نہیں دیتیں۔"

ہا۔ دونوں باتوں میں پھر چپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی۔

ااکثر جوشیدہ بولکھا گئے۔ اماں بی بی لپک کر ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا۔" انا۔ اسے سنجی۔ "خیر تو ہے۔" وہ بہت پریشان تھیں۔

"اماں بی۔ میری اگلیاں زخمی ہو جاتی ہیں کراہتی اٹھ کر کرتے کرتے۔" تاپے میں نے کتے فون کیے۔ "۲"

"میں نے بتا دیا تھا جوشیدہ کو۔ لیکن اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" خواہ مخواہ پیچھے پھروں اور کوئی میری بات کا جواب بھی نہ دے۔ "اس نے چکیاں بھریں۔"

اماں بی بے ساختہ مسکرا دیں۔ بھر پور کرتے ہوئے بولیں۔

"کیوں نہیں ہے تمہاری حیثیت۔ بلکہ درد وار ہے۔"

اسے دراصل کام بہت دیر چھٹی۔ اکثر بھول جاتا ہے۔ چلو جانے دو۔ اسنے سناں نہیں بننے بیٹہ زخمی کا درد بھر ہو جائے گی۔"

اب ہمارے وقت ٹھکنے پڑنے والے آنسوؤں کی وجہ سے غفل تھی۔

"تم فون آئے تھے ہمارے کونسلر۔ کراہی آ مارہ نہیں ہیں لہذا تم اس کی امی سے بات کر کے انہیں اطمینان دلادو۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا جوشیدہ۔"

"بی اماں بی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" جوشیدہ جو ہمارے رونے سے حیران پریشان تھے جلدی سے بولے تھے۔ "دراصل میں نے سوچا تھا جب امارا زلزلہ آؤٹ ہونے پر کراہتی آئیں گی تو بات ہو جائے گی۔ بے وقت بات کرتا تو ہو سکتا ہے ان کی امی اس امر اور کوئی اور تک دیتیں۔" وہ صاف گولی سے بولے۔

ہمارا کال ویزک گیا (آپ کیا رنگ دیں گے؟)

اب تو اسے اپنے رونے پر حریف امت ہوئی مارے شرمندگی کے اس سے نظریں نہ اٹھائی گئیں۔

خازنہ چائے لے آئی تھی۔ ہمارے پیشکل پی۔ جوشیدہ سامنے بیٹھے تھے اور وہ اپنی بیوقوفی پر ماتم تھی۔ اماں بی چائے پیتے ہوئے کمری سوچ میں گم تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیر ہو گئی ہے اب میں چلتی ہوں اماں بی۔ گھر میں سب پریشان ہو جائیں گے۔"

"بھینچا ہو چلا ہے۔" جوشیدہ جاؤ ہمارا حکم اس کے اسناپ تک تو چھوڑ آؤ۔"

"نہیں اماں بی۔" وہ گہرا گئی وہاں کا نام نہ سنا ہے ہوگا۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"کوئی نام نہ سنا ہے نہیں ہوتا۔" گئے ہندھے معمولات سے کبھی کبھار ہٹ بھی جاتا ہے۔ "وہ اس لیے گہرا رہی تھی کہ راستے میں "آنسوؤں" یہ بات آگئی تو وہ کیا کرے گی۔ کیا کہے گی۔"

اماں بی پور تک آئیں۔

"اماں اب تو انکا ماضی بدل ملاقات ہو کر گئی۔ اب آخر جوشیدہ کی اسسٹنٹ ہو گئی ہو۔"

"ہوئی کہاں ہیں اماں بی۔"

"اگرے۔ کچھ دور ہی گئیں۔ اور ہاں۔ تم نے اپنی امی سے نہیں ملوایا بہت عرصہ ہوا ہے۔"

"میں کوشش کروں گی۔" اس نے آگے بڑھی تھی۔

جوشیدہ نے فریٹ ڈاکا لاک کر چھوڑ دیا تھا لیکن وہاں کچھ کھانا تھا۔ احتیاط میں کمری سوچ کا گھس رہا ہے۔

حدودہ احتیاط بھی بہت سے بچہ بھول دیتی ہے۔

جن کی پردہ انہیں ہوتی ان سے احتیاط بھی نہیں کی جاتی۔

بعض اوقات۔ احتیاط بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اور خاص لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔ راج دور چھوٹے تو

چہ چاہو گے صدق اس نے درد اڑو کھولا اور بیٹھ گئی۔

"خدا حافظ اماں بی۔"

تھوڑی دیر امی پر وقار انداز میں جوشیدہ گاڑی ڈرائیو کر کے رہے۔ پھر ہمارے پیشکل کی نظر اٹھ کر بولے۔

"تم نے مجھے اماں بی کے سامنے اچھا بھلا شرمندہ کر دیا تھا۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں سر۔" پتا نہیں مجھے آپ کا اکتور کرنا اپنی اسسٹنٹ کیوں لگا تھا سر۔"

ہر بات جان پر نہیں لیا کرتے۔ لائف بہت لمبا ہے ہمارا۔ بہت امتحان کے گی اور اسی بات پر اس طرح

لی کر دی تو زندہ کیسے رہو گی۔"

"میں نے اپنی زندگی میں بہت کڑے امتحان دیے ہیں سر۔ اور میں اس طرح سب کی پردہ بھی نہیں کرتی اور

اس طرح روتی بھی نہیں ہوں۔" اس نے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ جوشیدہ ایک دم خاموش ہو گئے۔ پھر بولے۔

"تم بہت اچھی۔ بے حد اچھی لڑکی ہو گئی۔"

"شکریہ سر۔"

"کیونکہ ایک حقیقت پسند شخص ہوں لہذا زندگی سے ہر چیز حقیقی انداز میں لینے کی کوشش کروں گا۔ کسی بھی چیز

کے حصول سے پہلے خواہوں میں لیکن رہنا زندگی کے ساتھ نا انسانی ہے اس لیے کرم میں توقف آ جاتا ہے۔" ہمارا کال

پتے کی دیواریں تو ذکر باہر آیا جاتا تھا۔

کانٹ میں مشہور تھا۔ اکثر جوشیدہ مشکل سے مشکل بات بہت آسانی سے ہر کھنگری کے اسٹوڈنٹ تک عقل

کرنے میں لاجاتی ہیں۔

ہمارا کو یقین آ گیا۔

انکی مشکل بات اتنا مشکل مرحلہ۔ آکر گزر بھی گیا تھا بھی نہ چلا۔

وہ بات جس کے لیے دفتر ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی اسے کی جاتی بھی نہیں ہوتی تھی آج جو ہمارا نئی کے گھر داخل

ہوئی تھی۔ بحرہم نہیں تھی۔

☆☆☆

شہا سے اور دوسرے گھروالوں سے ملاقات کے بعد اماں بی شہلا کے کونسلر چائے کے بعد کچھ دیر دن گزارنے

پر فوری کو کونسلر چائے میں شہلا کا کہنا تھا وہ ہمارے والد اور اسے بات کریں۔ ہمارے کچھ حقائق بھی حاصل نہ کریں۔



انہی کو جہاں گھر یا خانہ خانہ تھلہ پنے کاڑھا تھا وہاں ایک چالیں بھی ان کے سینے میں لڑکتی تھی۔ ایک رات جب شہلا سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ خاموشی سے اندر چلی آئیں۔ انہوں نے بہت اچانکیت سے دونوں میاں بیوی کی ٹیٹھ کی کا سبب جانا پایا ان کے انداز میں اتنی اچانکیت اور سادگی تھی کہ شہلا کی آنکھیں پھٹک پڑیں۔

”باقی۔ مجھے آنسو بہاتے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس ایک بات کی وجہ سے آپ تعلق قائم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں تو میں میری کڑوں کی اور ہانکوں کی سہرا کرنا ہو گا۔“

شاید آپ کو حیرانی ہو کہ وہ بات سوائے میرے سر کے کوئی نہیں جانتا۔ وہ بار جس سے کوئی لائدہ نہ ہوتا تھے کا کیا لائدہ؟

”کم از کم شہلا آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ نئی رشتہ داریاں قائم کرنے سے پہلے مجھے اطمینان کرنے کا پورا حق حاصل ہے یا نہیں؟“

”بالکل حاصل ہے۔ لیکن باقی اوہ وہ جان کی بھی سب کچھ حاصل ہو گا۔“

”تم مجھے اپنی بڑی بہن سمجھ کر ہی بیٹھا کر سکتی ہو۔ میں اپنی لڑائے والوں میں سے نہیں ہوں شہلا!“

ان کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ شہلا نے انہیں حرف حرف جو سراسر حقانیت پر مبنی تھا سنا۔

وہ دم سا دھمکتی رہیں۔ شہلا زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے سامنے بی کھول کر رہیں۔

”کیسی حق کافی ہے آپ نے شہلا۔“ انہوں نے سنہری میٹک اشارہ کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔

”آپ کے کردار کی گواہی تو آپ کے سر کا رویہ ہے جواب کے ساتھ ہے۔“

شہلا کے دل کو یہ حملہ سن کر بہت تعجب لگی۔

خدا معظم وہ عالم اب خود کس حال میں ہو گا۔ آہ۔ جب ہی تو ہوائی تلخید اور بے حد حساس ہے۔ اس طرح کے ماحول میں بیٹے اسی طرح غیر معمولی ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی آخرین ہے آپ پر کہ آپ نے اپنے بچوں کی اتنی بہترین تربیت کی۔ شاہش ہے آپ کو۔“

میں تو یہ بھی ساری زندگی عروہ کے ساتھ جیتی رہی اور خود کو کم نصیب سمجھتی رہی اور آپ۔ کواں ہوتے یا

کی رہی ہیں۔

مرد کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی بیوی بھی اس دنیا کی ایک کار آمد اور با معنی حصہ دار ہے۔ آپ کا کہنا بھی بجا۔ کوئی انسان خود کو کہاں تک گرائے گا مجھے بہت پہلے سے اس نیت سے پسند تھی۔ لیکن کیونکہ جیشہ کا اس سے برا معتر سار شہلا اس لیے میں چپ رہی کہ جانے بچی اپنے دل میں کیا خیال کرے۔ جیشہ سے ایک دو بار پوچھا تو وہ ہال سمیا۔ بلکہ پہلی بار تو یہ کیا تھا کہ کسی بات میں کرتی ہیں اماں بی؟

اب اس نے از خود کہا کہ کوشش کرو کیسے۔ مجھے خوشی ہوئی۔ اب یہاں سے جا کر میں اپنے دیوار سے مشورہ بھی کروں گی۔“

(اب بھی مشورے کا مرحلہ باقی ہے؟) شہلا چونک پڑیں۔

انہیں اماں بی ابھی ابھی ہی آئیں۔

”اللہ رکھے میرے بھائی بھی ہیں۔ وہ بھی میرے گھر کے اطرا کی طرح ہیں۔ زندگی کے ہر مرحلے پر وہ میری

احساس بندھ جاتے رہے ہیں۔ ابھی تو میں آپ لوگوں سے شہلا کی نیت سے آئی تھی۔ وہاں جانتے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔“

وہ وہ چارہ اور کھانسی کا سبب جانا پایا ان کے انداز میں اتنی اچانکیت اور سادگی تھی کہ شہلا کی آنکھیں پھٹک پڑیں۔

السلام علیکم

اللہ اللہ! خیریت ہے قطع کرتے ہوئے آپ کی خیریت کی طالب وہ ہر طور سے دل دغا گوہوں میں ڈاکٹر جیشہ کی والدہ آپ سے مخاطب ہوں۔ آپ سے کوئی میں ملاقات کی سعادت حاصل ہو چکی ہے آپ کی بیٹی ہانکوا بی بی جانے کے ارادے سے میں کوئی بھی تھی اور آپ پر اس کا اظہار بھی کر چکا تھا۔ اس رشتے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو تقریباً سب کی تائید حاصل تھی۔ لیکن یہاں آ کر مجھے بہت سی پریشانوں کا سامنا کرنا پڑا۔

میرے بے حد قریبی عزیز اس بات سے سخت پریشان ہوئے کہ ہانکے والدین جیشہ کی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں۔ خاندانی لوگ تو تمام تر نزاکتوں کا خیال رکھتے ہیں اور پھر جب کسی سے خاندان میں رشتہ قائم کیا جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

میرے خیال میں مختصر خاندان کی بیٹی کو سہ ماہ میں دو مقام نہیں مل پاتا جس کی وہ مقدار ہوتی ہے۔ اور جیسے یاد کر لیتے ہیں۔ انکے بھی وہ خوشی نہیں ہوتی جو ہونا چاہیے۔

ہر چند کہ ہانکے جیشہ ایک دوسرے کی رفاقت پر ولی طور سے آئے ہیں لیکن خاندان کی مخالفت مول لے کر شاید میں کوئی فیصلہ نہ کر سکوں۔ کیونکہ جو لوگ مخالف ہیں وہ میرے مشکل دلوں کے آواز ہوتے ہیں اور قابل اعتبار رہتا ہے۔ اگر آپ اپنی بیٹی کی خوشی عزیز رکھتے ہیں تو بھی راست آپ کے سامنے ہے یہ ہانکے کی خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کو ملائی نہیں دی۔ امید ہے آپ خود فرمائیں گے۔

آپ کی مجلس

یقیناً سلطنت مبداء الرحمن

حسن نے خط بھڑا دینا چاہا مگر رک گئے۔ کس بات پر غماز ہیں یہ خاتون؟ اہوہ۔ کیا ہانکے جیشہ سے بھڑ

کوئی رشتہ نہیں مل سکے گا؟ انہوں نے خط خالص کے نیچے دیا دیا۔

دونوں درمیان میں یہ خط ان کے اعصاب پر سوار رہا۔ قیصرے دن باپ کا فون آ گیا وہ فوراً ان سے ملنے آ جائیں۔ انہیں شہلا کا کہنا نہیں اسی سلسلے میں پایا جا رہا ہے۔ ہانکے جیشہ کا فون نہ چاہیے ہوئے بھی وہ اپنی رہائش کی جانب

مڑنے کے بجائے دارالسلام کو رخ کر گئے۔

ان کی گاڑی عموماً گیت کے باہر ہی کھڑی ہوتی تھی۔ لیکن اس روز وہ سیدھے پارکنگ میں لے گئے۔

انہیں جانب لان میں مانی اور کاشف شطرنج کی بساط بچھائے بیٹھے تھے۔ وہاں نے سر اٹھا کر اس کلف دار سے شخص کو دیکھا۔ جو ہر حال ان کا بہت اپنا تھا۔ دونوں اٹھ کر نزدیک آئے گئے۔

سامنے شہلا دراصل بلور سا لکڑی میں بیٹھیں بیڑیاں اتر رہی تھیں۔ پیچھے پیچھے منامہ سورتی آ رہی تھی۔ شاید شہلا کھنکھار رہی تھیں۔

(کوئی فرق نہیں بڑا حسن زیادہ ہمارے اس گھر سے چلے جانے سے) پھر کوئی چیز ان کے اندر ٹوٹی تھی۔ اور

پھر وہ سنبھل گئے تھے۔

"اسلام شیکم بھائی جان۔"

"اسلام شیکم بھائی۔" کاشف بھی مودبانہ ہوا۔

"کوہنچا آئے ہیں۔" حائل نے ایک دست میں زبے پھلائے اور شہلا اسی وقار سے باہر کمری گاڑی کی طرف بلا گئیں۔ (کیوں اتنا چیک کر استہیل کرتی ہے تو حائل اس حجر میں کچھ تو حال رہے۔ وہ گاڑی آگے بڑھا گئیں۔

"اپنے کمرے میں ہیں؟" وہ مائی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی آئیے۔" وہ بھی اپنے باپ کی طرح آج بھی خوش امید تھا۔ بھائی کو لے کر باپ کی طرف بڑھ گیا۔

جب آدھے گھنٹے بعد حائل نے لے کر وادے کے کمرے کی طرف آئی تو اس کے قدم رک گئے۔

"انہوں نے مجھے بھی اسی قسم کا کھانا کھایا ہے۔ میرا خیال ہے یہ کچھ نہیں لگتا ہے۔ یہ تو خیر میں بھی کھتا ہوں۔"

"ابھی میری کھچ میں یہ بات نہیں آئی آپ آخر ایک بات کو بار بار کیوں دہراتے ہیں۔ معاف فرمائیے گا۔"

"حسن! میں نے تم سا تو فرض انسان اس دنیا میں نہیں دیکھا مان کو دیکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ یہ بھی

تمہارا سا بھائی ہے۔ تمہارے بچوں کو جس طرح اس نے اپنے بچوں سے بڑھ کر کھایا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے ہم نے

تمہاری خوشیاں پوری کی تھیں۔ تمہیں اپنے بچوں کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیے۔ کیا تمہارے سینے میں حجر ہے تم

کیسے باپ ہو۔ آخر تم نے ویسا کیا ہے اپنے بچوں کو؟"

"آپ کیا جانتے ہیں۔ ہم گر کر بیٹھے ہیں؟ جبکہ کر بیٹھے ہیں؟" وہ جھٹلائے۔

"تمہیں بیٹے کا باپ بننا نہیں آیا حسن! بیٹیاں جبکہ کر بی بی جاتی ہیں۔ جو جبکہ کر نہیں دیتے وہ دینے کے

بعد جبکہ جانتے ہیں۔ بیٹی تو نہیں جھکا کر اس کی تقدیر جھکا سکتی ہے۔ ان راستوں میں انہیں گزرنی تو حسن! اصاف صاف

کہہ دو تمہیں دعا کا کی نہ پڑا ہے نہ نظر۔ تم میرے کس گناہ کی سزا دو حسن؟"

باپ کی آواز بھرائی تو مائی کے اندر بھی کچھ ٹوٹ گیا اور پھٹنے لگا۔

"بھائی جان! میں نے کبھی تمہاری کوشش نہیں کی آپ سے لیکن اب میں بھی کہہ رہا ہوں۔ ہم اپنی زندگی کی

پگے۔ ہمیں اب اپنے بچوں کی زندگی گزارنا ہے۔"

"ایک تو میری یہ کھچ میں نہیں آتا آپ لوگ دوسروں کے آگے اس قدر گر گئے ہیں؟"

"معاشرتی و خانہ دہانی رابطے کو لو اور کچھ دو کے اصول پر قائم ہوتے ہیں۔ حسن! تمہیں ابھی تک اس دنیا میں

رہنا نہیں آیا۔"

نعوذ باللہ! تم قادر کن نہیں ہو کہ ہر شے تمہاری انا اور غفلت کے مطابق ہوگی۔"

"حائل اندر داخل ہوئی تو کھٹک کو سلسلہ کچھ دیر کے لیے منقطع ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد حسن یہ کہہ کر اٹھ کھڑے

ہوئے کہ غور کروں گا۔" مائی کو یہ بات محسوس ہوا گو یا دارالاسلام سے کوئی نوکرا فرشتہ گزرا ہو۔ اور روشنی کا جھماکا سا ہوا۔

شہلا نے ہمارے کھٹک کا بچہ جیسے چہرے کو دیکھ کر سکون کا سانس بھرا تھا۔

حالانکہ یہ شیدہ عرض اس سے کافی بڑے تھے۔ اسی بات کو انہوں نے ہمارے سامنے رکھ کر کہہ جانا چاہی تو اس

نے ماں سے کہا تھا۔

ای ایچے پیچور لوگ پسند ہیں۔ جو قہوں بنیادوں پر سوچتے ہوں اور پھر فیصلہ کر کے ایک اچے چپے نہ بننے ہوں

۔ ہر شے کو اس کی حقیقت کے ساتھ دیکھیں اور سنیں۔ محض ظاہری ہی مٹھن ہونے والے نہ ہوں۔ میں بھی کھٹک سے

تہم مٹھلا کے کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے بڑی عمر کے لوگ پسند ہیں۔ یہی ہے۔"

شاید اس پسند کی تہ میں بھی کوئی عروسی پڑی کر اور ہی ہو۔ شہلا نے دھکے سے سوچا۔

وہ حقیقت جیسا انہیں نے اچھا پسند آئے تھے۔ بلکہ بیٹی کے اکتاپ نے ان پر اس کی سوچ آگے کر دی تھی۔

وہ جیسی عجیب و غریب لڑکی کے لیے انہیں جیسا موزوں ترین لگے تھے۔

وہ چاہتی تھیں کہ ان کی حساس سی بیٹی کو اپنی خوشیاں ملیں کہ وہ اپنی ہر عروسی بھول جائے۔ شہلا وہاں پہنچا

کر نے لگیں۔ حائل اندر داخل ہوئی۔

ای۔ میں آئی کو توں رک رہی ہوں۔ آپ نے تو بات نہیں کرتی؟"

یہ کیا تم روز روز خون کھڑا کئے گی ہو؟"

آئی کو تو آپ بھی نہیں کہیں اس طرح۔"

"وہ تمہاری طرح لگا تو بائیں نہیں کرتی۔" انہوں نے گڑبازی کا کو بھرا ہر نگلی سے دیکھا۔

"آپ بس آئی کو بہت چاہتی ہیں۔ ہم سوچتے ہیں؟" اس نے ماں کے گنگے میں ہاتھیں ڈال دیں۔

"بس تمہیں اس سے مقابلے کی پڑی رہتی ہے۔ اس کی تو میں شادی بھی کر رہی ہوں۔ تم کو بھی میری بھی کر

دیں۔ ابھی تیار اگر خدا کرنے کا ارادہ ہے تو میں وقت پر یہی میز دانا دکھانے سے لاؤں گی؟"

"ای ای! حائل ما کر ان کے کندھے سے ٹک گئی۔

"ای۔ جب کوئی عورت ماں بنتی ہے تو اس کی اپنی خوشی واپس نہیں ہوتے۔ اس کے بچے خوش و آسودہ

ہوں تو وہ بھی خوش ہوتی ہے۔ بچے اور اس ہوں تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ ماں اس سے زیادہ اور اس ہوتی ہے۔"

شہلا نے ڈیگر پر جڑی لٹکائی اور حاک کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"بی ای۔ جب ہی تو ہمارا دل چاہتا ہے۔ آپ کے پاؤں دھو کر رکھیں۔"

وہ اپنی مصمصیت و سادگی سے بولی کہ شہلا نے بے ساختہ اس کی پیشانی پر ہم لی۔

"میرے منہ سے نکلتے والی ہر دعا تمہارے لیے ہے میرے بچا!"

حائل باوجود کوشش کے باپ دادا اور چچا کے مابین ہونے والی گفتگو کھلا کو نہ تھاسکی۔ اسے تو یہ سوچ کر ہی خوف

آ گیا تھا کہ ماں کے لبوں پر کھلتی ہی چکی مسکراہٹ پر غائب ہو گئی تو؟

لکھ نواز آواز منہ شہر و شہ پارہ امریکہ جا چکے تھے۔ لکھائی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے ٹپا زانو

نہم کی تھی۔ شہر یار کافی چھوٹا تھا۔ لہذا وہ بھی ماں ہی کے ساتھ تھا۔

وہی اپنی صربان ساس کو اپنی طرف سے حکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں ان کی

حالت گزرتی تو اور بات تھی۔ اب انہیں بسز عیال پر چھوڑ کر جانا سے اچھا نہیں لگا۔

اس نے یہ بات نوٹ کی کہ لکھائی سخت بیمار کی کے باوجود اس کی طرف سے بے حد پوچھیں ہیں۔ وہ بھی کسی

کے ساتھ اسے اکٹھا نہیں چھوڑتی تھیں۔

اسے بے حد عجیب سا لگتا تھا۔ جب کہ اس کی بھائی تو ہر جگہ زندگی بھر تھی۔ بعض اوقات تو عجیب بے

بھائی باتیں کیا کرتیں۔



"وہ ہے۔ مجھے معاف کریں۔"

وہ پریشان ہو جاتی کہ وہ اس سے کس چیز کی معافی مانگتی ہیں۔ ایک دن اسے قریب پا کر بولیں۔  
 "جو ڈھنگ کا ہے تیرا اگر اسے سہمہ رکھنے کا خیال آ جائے تو اس کی بیوی میری ہے۔ ورنہ اس شخص سے دور  
 میں تو لوگ بچھڑائے (پکھلائے) سے انکار کر دیتے ہیں۔" وہ اپنی اسی انگڑی اردو میں بولیں۔  
 "تو جی تو ان پریشان ان کی صورت نکال کرتی۔"

"اماں سی۔ مجھے تو آپ کی بات سمجھ نہیں آتی۔"

"تو کیا؟"

"جی اماں سی۔"

"وہی تو۔ تیرے بھائی کی اسی۔ ہم نے سارے تیرے پیار کو جسے میری بھی۔ معاف کر دیں۔ مانوں۔"  
 "اماں سی۔ اس طرح نہ کریں۔ آپ تو میری ماں ہیں۔ معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیے۔ آپ کی  
 خدمت بھی نہیں کر سکتی۔" "تو کیا کی آنکھیں ہلکے گئیں۔ اسے ملانی کو کافی حالت سے بہت خوف آ رہا تھا۔"

"تو کیا؟"

"جی اماں سی۔"

"وہی تو۔ میرا بچہ۔ زبان داگوڑا ہے پول داہر اٹھیں۔ اوڈنیال رکھیں۔ اسے پیار دیں۔ اور ہدی  
 گان داہر انٹیں۔" (یعنی) میرا بیٹا زبان کا کڑوا ہے گردل کاہر اٹھیں۔ اسے پیار دینا۔ اس کی باتوں کا برا نہ ماننا)  
 "اماں سی۔ آپ یہ سوچ کر پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ بے فکر ہیں۔"

"تو کیا۔ میری اکھاں دھج اونی تصویر پھر رہی ہے۔ اونوں کہہ آ جا۔ اسڑی کول۔" اب وہ رو رہی تھیں۔  
 "میں انہیں آج ہی فون کروں گی اماں سی۔ آپ رو نہیں مت۔"

سعیدہ بہت سی رشتے دار خواتین کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ سب ملانی کے ارد گرد بیٹھ گئیں۔ ملانی  
 نے تیرا کو اشارے سے کہا وہ باہر چلی جائے۔

جن لوگوں کی محبت کی اصلیت پر کوئی شک و شبہ نہ ہوا اور مکمل بھروسہ ہوا ان کی طرف خواہ مخواہ بدگمانی پیدا  
 نہیں ہوتی۔

تیرا نے ان کو آڑ لیا تھا۔ ملانی کی چاہت ہے رہا پائی تھی۔ اس لیے وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔ سوچا بھی نہیں  
 کہ ملانی نے اسے ان خواتین کے پاس سے کیوں ہٹایا؟

اگر میں ملک کو فون کروں تو کیا ملک آ جائیں گے؟

انہیں آتا تو چاہیے ہر حال میں۔ مال وہ پارہ تو نہیں ملتی۔ ملازمت وہ پارہ نکلتی ہے۔ کہوں گی آپ شہر دہ  
 پارہ کو کس آمد کے پانچھو ڈگر چاہے وہ دن ہی کے لیے آ جائیں۔ کہیں خدا خواست

اس کے دل کو انہماں و اہموں نے ستایا۔ ملک۔ دوڑا حمار تو آپ سے بھی نہیں ملتی جو اماں سی سے ملتی  
 ہے۔ اور آپ بھی تو کہتے ہیں آپ کی ماں آپ کی خاطر کتنا بدل گئی ہے۔ ورنہ سنا ہے وہ کافی گرم حرات تھیں۔ آہ  
 ماں۔ ملک آپ کو آتا چاہیے۔

☆☆☆

حریر کی طرف لوگوں سے خبردار آ رہا ہو کر شہلا بھلا پر خوش گرا پئی آئی تھیں۔ ان کا دل ہوشیہ کی والدہ کی طرف سے  
 میلا سا ہو گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی والدہ نے سیدھی سا دھڑی بات میں خواہ مخواہ بیچہ تیراں کی تھیں۔ لیکن اب  
 ہاکی خاطر انہوں نے بہت کچھ برداشت کرنا تھا۔ انہیں احساس تھا ہاکی اس خواہش کی تکمیل کس قدر ضروری ہے۔ لہذا  
 بہت سے جبر سہ کر دے بات آگے بڑھانے گرا پئی آئی تھیں۔ اس جبر کے ہمراہ تہا بھی تھی۔  
 بھائی جان نے اس مخصوص اودھنا ناعا از میں ہر کوئی کر کے کہا تھا۔

"مبارک ہو شہلا۔"

شہلا کا دل چاہا وہ صحیح صحیح کر رہی ہیں۔ "کس بات کی مبارک باد بھائی؟" میرے وجود کو سہرا کی خاک  
 پا کر وہ اپس پلٹا ہے۔ میں آج بھی اس کی قفل سے بڑا رہوں۔ اب نہ وہ مجھے سہاگن کر سکے گا۔ نہ میں ہوسکتی  
 گی۔ لوگ ذرا دقتی کر کے کتے خوش ہوتے ہیں بھائی۔

جسم کو قید کیا ہے تو کیا؟

روح کو قید کر کے کوئی زندگانوں میں

کیسی معصوم ہیں ہاکی ساس۔ وہ اس عمر میں مجھے وہ دینا چاہتی ہیں جس کی مجھے ذرا طلب نہیں۔ وہ  
 میری روح کی چائیں میں جھانک لیتیں تو۔ شاید پڑا دستہ کر تھیں۔ کیوں کہ اس عمر میں اس آدمی کا سر جھکا بھی دیا تو مجھے  
 کیلا؟

لاؤ کوئی دلیل

لے کر آؤ کوئی برہان

جو ثابت کر سکے کہ روح کے گھاؤ بھی بھر جاتے ہیں۔

دل آزادی کرنے والے۔

اگر اس سیاہ فام کی حقیقتوں میں جھانک لیں۔

تو کاپ کر لیا تھا۔ کہ معافی چاہیں۔

معصیت تو یہی ہے جو دل آزادی کرتے ہیں وہ اکثر ذہن رسائیں رکھتے۔ اور قام عمر خود کو دلش مند  
 منوانے کی سعی میں مصروف ہوتے ہیں۔

حالانکہ جوں دل آزادی کرتا ہے۔ وہ دلش مند کب ہوتا ہے؟

انہوں نے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ پھر سب سے زیادہ خوش تھی۔ جس طرح وہ دھکی بھی سب سے زیادہ ہوتی  
 تھیں معاملات اگرچہ یہ حسن و خوبی انجام پار ہے تھے لیکن شہلا جب بھی ہارون کی طرف دیکھتیں ان کے حساس قلب پر  
 تازہ زنا لگتا۔

انہوں نے محبت سے کہہ دیا تھا کہ اگر ہارون بخوشی چاہے تو وہ دھکا کے لیے انکار نہیں کریں گی۔ انہوں نے  
 سوچا تھا وہ اس بن ماں باپ کے لائق سے نہ جو ان کو اپنا والد بنا کر اتنا پیار دیں گی اتنی عزت افزائی کریں گی کہ وہ اپنے  
 سب غم بھلا دے گا۔

ان کی بیٹی بے حد شائستہ اطوار معصوم ہے۔

اس کی صورت بھی پیاری ہے۔

وہ کسی سے کم نہیں ہے ہارون۔

وہ جس میں بے ساختہ وہالہانہ پیار دے گی۔ جو جس میں وہاں ہی تمام ملائی سے شاید نہ مل پاتا۔ شاید تمہاری ساری مہراسے باز یافت کرنے کے لئے گزرا ہائی۔

تجربہ نے ہارون سے بات کرنے کے بعد جواب سے جلد مطلع کرنے کو کہا تھا۔

”یہ تو میرے لیے انتہائی اہم امر کی بات ہے۔ کہ جہیز کے واسطے ہی سے کسی آپ ہمارے رشتے دار کہلائیں۔ بچہ لے دوں گا تو بے حد سخت رہیں۔ اسی لیے آج میں نے آپ کو تنہا نہ دعویٰ کیا ہے۔ آپ سے دوسری ساری باتیں کرنے کو بھی چاہتا ہے میرا۔ ایک بات کہوں شہلا آپ سے۔“

”جی“

”آپ تصاویر میں اتنی پیاری نہیں دکھائی دیتی جتنی حقیقت میں ہیں۔“

”ارے۔“ شہلا ہنس پڑیں۔ ”اب کیا عمر ہے میری اور کیا تعریف کر رہی ہیں آپ۔“ حق آپ تو گنتی

ہی نہیں کہ ماشاء اللہ جو ان بچوں کی ماں ہیں۔ البتہ آپ کے شوہر یقیناً کافی عمر کے یعنی اصل عمر کے گئے ہوں گے۔“

”نہیں وہ بھی نہیں گئے اتفاق سے۔“ شہلا نے جبراً اور زہانہ ساز مسکراہٹ کر ساتھ جواب دیا۔

”بہت خوب۔“ اب تو آپ بے پناہ مصروف ہو جائیں گی۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے بھی اپنی ایک بیٹی کی شادی کی ہے۔ بہت کام ہوتا ہے بیٹی کی شادی میں۔ اسے بھی بلا دیا ہے۔ اسے بھی بہت شوق ہے آپ سے ملنے کا۔ اس دن پانچویں کیوں وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں پہنچ سکی۔“

تھوڑی دیر مسز باقر شہلا سے عائشہ کی اتار چڑھاؤ بھی روایتی گفتگو کرتی رہیں۔ پھر ایک دو الیم کھما کر بچن میں چلی گئیں۔

ایک ان کی بیٹی کی شادی کی تصاویر سے پر اور نیا تھا ایک کافی پرانا۔

الیم کھولنے ہی ایک دو تصاویر جو بطور ہوں گی پھسل کر نیچے قالین پر گر پڑیں۔ شہلا نے دونوں کا رد سناڑ تصاویر پر نظر ڈالی۔ کائنات کی گردش کو یا غمیری گئی۔

ان کے سامنے خوبصورت سے لالک ڈریس میں بیٹوں شریانیڈ کی پشت سے لگی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں ایک بے حد خوبصورت و شہرست بچہ تھا۔ اس کے برابر میں وہ بیٹھا تھا۔ چہرے پر بیزاری سمائے۔ وہ جسے وہ کروڑوں انسانوں میں پہچان سکتی تھی جس کی وجہ سے ان کی خوبصورت و نہ بہادر و بچتے کو نکالنے کی طرح سلگتے گزرتی تھی۔ شہلا کا ذہن خالی برتن کی طرح بچ رہا تھا۔ وہ سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سے عاری ہو چکی تھی۔ ایک دم خالی الذہن بنی وہ حق و قیاسی رو گئی تھی۔ ایک عجیب سا داشت زدہ سناٹا ان کے وجود میں بول رہا تھا۔

جانے وہ کب تک اس طرح بیٹھی رہیں۔ کہ مسز باقر بھرا اندر آ گئیں۔

”ارے آپ نے کیا تصاویر نہیں دیکھیں۔ میں تو سمجھ رہی تھی دیکھ لی ہوں گی۔“

کیا دیکھ لیں؟

شہلا نے ایک دم خود کو سنبھال لیا۔ ”نہیں دیکھ رہی ہوں۔“ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے الیم کھولی۔ وہ ڈیبا سے متعلق کوئی بات فی الحال نہیں کرنا چاہ رہی تھی کہ ان کو ابھی اپنی حالت پر قابو نہیں تھا۔ انہوں نے الیم کے صفحات پلٹ

کر اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر حالت اتنی غیر جمعی کہ وہ پھٹ چکا چاروی تھی۔ سوا دو ٹکڑے مرنے پر چمک پڑا۔

شریانیڈ پناہ دہلیوں کے ساتھ باقر کے ساتھ کھڑی تھی۔ شاید کسی غریب میں خوبصورت سلاخی میں بیٹوں کے ساتھ ملی کے ساتھ۔ موتی جیسے دانتوں سے کڑیں پھوٹ رہی تھیں۔ اتنی طرح دار۔ اتنی ادا۔ جسے کامل ادا۔ شہلا کو ایک مرتبہ پھر پکارتا گیا۔

ایک ایک تصویر میں وہ کسی خوبصورت سے بچے کے ساتھ رہتا ہے ایک کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک تصویر میں اس کا خصوصی کلوز اپ محفوظ تھا۔ جو سناٹے سے لیا تھا۔ اس کی ستواں ٹاک میں پڑی تھی۔ کیونکہ قیامت بگڑ رہی تھی۔

”پانی نہ کاؤ پیچھے پلینے۔“ اب شہلا حد سے گزر گئیں۔

پانی پی کر اس نے کمر اسانس لیا۔ نگاہ تصویر پر پڑی۔

”یہ آپ کی قاتلہ کوئی بہت قریبی رشتے دار ہیں۔“

مسز باقر نے فوراً چمک کر تصویر دیکھی اور مسکرا کر بولیں۔

”رشتے دار ہی سمجھئے۔ ایسے بہت پیاری دوست ہیں میری حالانکہ ہماری عمر میں بے حد فرق ہے۔ ارے کیا غصہ کی چیز بنا دیا ہے انہیں ملک صاحب نے۔“

”ملک۔“ پانی مطلق میں رک گیا۔

”جی۔ ملک تو ان کے شوہر کے نام ہے۔ ذاکٹر صاحب کے بے حد قریبی دوستوں میں سے ہیں۔“ شہلا کو اب محسوس ہوا ان کا داغ ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ ان کے ہر سوال کا جواب اس ایک جملے میں موجود تھا۔ لیکن ملک تو ان کے یہ سب کیوں کیا۔؟

اب انہیں اس سوال کا جواب چاہیے تھا۔

”بہنیں کراچی میں رہتے ہیں یہ لوگ۔“

”کیوں مجھے تم جلد رہتے ہیں۔ بیوٹن میں لاہور میں اور کراچی میں۔“

”میں کبھی نہیں۔“ شہلا الجھ گئیں۔

”ملازمت ان کی امریکہ میں ہے اس لیے پوری جلی و ہیں رہتی ہے۔ پھٹیاں گزرتے پاکستان آئے ہیں۔ کچھ دن کراچی میں گزارتے ہیں اور کچھ دن لاہور کے قریب ایک گاؤں میں جہاں ان کی آبائی زمینیں ہیں۔ وہیں کراچی میں ان کا اپنا ذاتی گھر ہے۔ ان کا بیٹا مجھے بہت پسند ہے۔ شہر۔ غصہ کا بچہ ہے۔ ماشاء اللہ۔“

”شہر۔“ شہلا کو پھر چونکا پڑا۔ یہ تو وہاں نے بھی بتایا تھا (یقیناً وہ لوگ یہی ہیں)۔

”یہ عائشہ ان کی پرانی تصویر ہے۔“ شہلا نے وہی پرانی تصویر دیکھی جس میں شہلا اور ملک نواز نئے شہر کے مراہٹے۔ اور شہلا کی بے شعور حیران آنکھیں کمرے کی طرف تھیں۔

”جی۔ جی ہاں۔ یہ شہر کے پیدائش کے وقت کی ہے۔“

اس میں تو خاتون کچھ پوتا دل دیکھائی دے رہی ہیں۔ شہلا نے تاک کر نشانہ لگا دیا اور مسز باقر کی بات خود سے دیکھا۔

”واللہ۔ کیا غصہ کی نظر ہے آپ کی۔“ مسز باقر تو مارے عقیدت کے دوہری ہو گئیں۔ انہوں نے شہلا









وہ گھبرا کر تجزی سے باہر نکلا تھا۔ ڈرائنگ روم کے بیرونی دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر شیا گری ہوئی تھی۔ ملک نے جھٹک کر شیا کو اٹھا لیا۔ شہلا ایک عجیب سی کیفیت میں شیا کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی ابھی کی شیا کی اپنی تھی۔ سیاہ پٹن ساڑھی میں سے اس کا سفید جسم روشنی سے ہلکا ہوا تھا۔ ملک صاحب نے شیا بھاگی پر لاکھوں روپیہ لٹا دیا ہے۔ اتنا خیر انسان میری نظر سے آج تک نہیں گزرا۔ مسز قمر کے الفاظ شہلا کے ذہن کے پار گشت کی طرح نکلے۔  
 "آپ کی وجہ سے۔ مسز حسن آپ کی وجہ سے۔" ملک نواز پھر ان کے کان میں بولا تھا۔  
 ملک نواز نے شیا کو بیڈ روم کی طرف لے جانا چاہا۔ شہلا نے خالی چوڑی کی طرف دیکھا۔ اور ملک نواز سے گویا ہوئیں۔

ملک صاحب باہر میری گاڑی ہے۔" انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا گو ملک نواز ان کا مجرم نہ ہو بلکہ وہ اس کی مجرم ہوں۔ شریائے یقیناً ان کی شکستوں کی تھی۔ اندرونی دروازہ بند کر دیا۔ بیرونی دروازے سے اندر آ رہی تھی۔ ملک نواز نے قدم گھٹ سے باہر بڑھا دیے۔ شہلا نے بڑھ کر پھٹلا اور وہ کھولا۔ ملک نے شیا کو لٹا دیا۔ اسی وقت شہلا یار لٹکتا ہوا آیا۔ اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھ کر وہ پریشان تھا۔ شہلا نے اسے گود میں بھر لیا۔ مگر وہ چپکے لگا۔  
 "غیر شری!" ملک نے گویا ڈانٹا تھا۔ وہ سم کر چپ ہو گیا۔

شہلا نے پرس سے چابی نکال کر ملک نواز کی طرف بڑھائی۔ وہ تجزی سے اندر چلنے لگا تھا۔ وہ حد سے زیادہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ شہلا دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔ شیری ان کی گود میں تھا۔  
 "میت بند کرلو۔" اس نے خورشید کی بیوی سے کہا۔ خورشید غائب ہوا تھا۔  
 قہوڑی دیر بعد وہ باہر چلنے کے پچھلے برآمد میں بے چین ٹھہر رہے تھے۔ معاً ملک نواز ٹھہر گیا۔ اس نے شہلا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے خون نچک رہا تھا۔ شہلا ساری جان سے کانپ گئیں۔  
 "مسز حسن۔ میں نے آپ کو جاوہر یاد نہیں کیا۔ درحقیقت میری جاوہر کاری و بربادی کا سلسلہ آپ سے شروع ہے۔ شری آپ کی ہرگز نہیں ہے۔ آپ کے ہاں شری نام کی کوئی بھڑیا بکری ضرور تھی۔ یہ نہیں تھی۔ یہ اس شہر کے ممتاز شخص کی معزز بیوی ہے۔ سنا آپ نے؟"

"ہاں۔ سن لیا۔ اب آپ خاموش ہو جائیں پلیز۔" وہ بھی سے بولیں۔  
 "میں مگھروں کر کے ابھی آتی ہوں۔" وہ شیری کا ہاتھ تھام کر انہیں جانب مڑ گئیں۔ ملک نے اپنے پکارتے سر کو تھام کر پہلی مرتبہ شری کے لیے چٹائی سے دعا کی تھی۔  
 اس کی نظروں کے سامنے اس کا بیٹا راجا شہر اور معصومی بنی آگئے جہاں سے جواب طلب کر رہے تھے۔  
 جھمکل شریا ہوش میں آئی تھی۔ ملک کو دیکھ کر اس نے منہ پھیر لیا تھا۔ اس نے اگرچہ لغت کا اظہار کیا تھا لیکن ملک نے سکون کا سانس بھرا تھا کہ وہ جی طور پر داخل تھی۔  
 کتنے یقین کے ساتھ شہلا نے ملک نواز کو مار لیا تھا۔ شہلا نے مگھروں کیا تھا۔ حسن اور مانی ٹانٹ کو ق سے اپنے باپ کو لے کر چپے تھے۔

یہ سب ملک کے سرالی تھے۔ اور سرالیوں کی طرح اس کے گھر پر چھا گئے تھے اور کب سے اندر کمرے میں بند تھا۔ شہلا نے وعدہ کیا تھا وہ ہر بات کا نتیجہ اس کے حق میں کروا کر دے گی۔  
 حسن اور شہلا۔ وہ ابھی دوستواری لکیریں۔ رو رہے تھے۔ اس نے حسن کو مانی کو الٹو تار پاتا تھا۔ لیکن اس

طرح تار پاتا تھا کہ اکثر باقریچے بعد انسان نے اس بے یار و مددگار کی کاٹاج کیا تھا اور ملک سے دوست ہونے کے نام سے شادی کے لیے اسرا کیا تھا۔ اور شریا ملک کو گھس ڈاکٹر یا قمر کی تھی۔ حرج یہ کہ ملک نواز کو ہمیشہ تھا کہ نہ کون ہے۔ اور حسن۔ حیران پریشان سوچ رہے تھے۔ وہ جنہوں۔ وہ جنہوں۔ اس قدر عالی ظرف ہے؟ وہ کیسے جھٹلا رہی کہ۔ ان کی دہائی بین۔ ایک ہوش مند۔ اور ہاتھ رٹا تو ان کی حیثیت سے ان کے سامنے ہے۔ کیا کوئی شخص کسی دوست کے کہنے پر اس قدر بڑا قدم اٹھا سکتا ہے؟ انہیں یقین نہیں رہا تھا۔  
 وہ رقیب رو سیاہ جس کو شوت کرنے کے لیے دھڑکیا کرتے تھے کتنا قمری مزاج جان کا سر جھکاتے ہوئے تھا۔ لیکن مانی کسی اور سوچ میں گم تھا۔ اسے ابھی طرح یاد تھا وہ وطن کے شاہک سینئر میں دھڑکیا جاتی سے تھا۔ اور یہ شخص دسے پاؤں آگے بڑھ گیا تھا۔

اگر یہ اتنا عالی ظرف اور باخیر ہے تو مجرموں کی طرح اس سے کیوں چھپا تھا۔  
 شریا کی عجیب کو تک کیفیت تھی۔ اب اسے سننے سے لگا کر کس قدر روئے تھے اور وہ باجوہ کو شوش کدہ کی تھی۔ اسے ملک کے وجود سے کراہیت آ رہی تھی۔

مانی سوچ رہا تھا۔ جب اس نے بے ساختہ شریا جاتی کہا تھا تو کیا شریا نے ملک کو نہیں بتا دیا ہوگا۔ ملک کو تو اس کے رشتے داروں کی تلاش ہونا چاہیے تھی۔ اسے تو چھک کر مانی سے ملنے آنا چاہیے تھا۔ اسے پہلے مرتبہ اپنی بھالی پرشہ ہوا کہ وہ لفظ بیانی سے کام لے رہی ہیں۔

جب رات گئے سب لوگ آرام کرنے گئے۔ ملک نواز شریا کے قریب خاموش بیٹھا تھا۔  
 شریا کی ایک نگر تھی کہ اس سے اس قدر جھوٹ بولے گئے؟ اس نے اس کے رشتے دار تلاش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

جب وہ پچھلی چھٹی کی طرح پھل کر اس کے قابو سے باہر ہونے لگی تو ملک نے سوچا کہ وہ اسے حقیقت بتا دے۔ لیکن اس طرح کہ یہ نہیں بتائے گا کہ وہ اس کی بھالی کا لہر شیدا رہا ہے۔ بس وہ یہ بتا دے گا کہ وہ اسے ایک شاعر کی حیثیت سے جانتا تھا اور دوسرے لوگوں کی طرح۔

دوسری طرف مانی نے اپنی بھالی کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ حقیقت معلوم کرنے کے لیے انہیں اپنی جان کی قسم سے اسی تھی میں اس معاشرے کا وہ انسان ہوں جو خود غرض و خود پسند ہوتا ہے۔  
 میں نے۔ درحقیقت برسوں صرف اپنے لیے سوچا۔

میں ایک لکس پرست انسان رہا۔  
 مجھے اعتراف ہے۔ کہ جو خود غرض ہوتا ہے وہ انسان نہیں ہوتا۔  
 میں نے وعدے کی طرح اس شہر کے جنگل میں وقت کاٹا۔  
 درد کی اور بربریت کا کبھی اتنا خوبصورت انجام نہیں ہوتا۔ لیکن شاید پہلی مرتبہ ہوا ہے۔

شریامیری بیوی ہے۔ اس سے مجھے تین خوبصورت بچے بھی ملے ہیں۔  
 شہر۔ شہر پارہ۔ شہر پارہ۔ میں پہلی شہ کا نام جان بوجھ کر نہیں لے رہا۔ میری شہر۔ گک کو چھوٹے سب ہیں اور شاید چھوٹے رہی۔

میں عالی ظرف نہیں۔ باخیر نہیں۔ نیک دل نہیں۔

چوری کی ضرورت پلٹ میں سے جیسے لڑکھا رہا ہوں۔

میں کون ہوں؟

میں کج بچ سہائی جانور ہوں۔

میں گنہگار ہوں۔ مجھے خاکسار نہیں۔ نہیں۔ گنہگار کہتے ہیں (خاکسار)۔

میں اسی معاشرے میں رہنے والا ایک آدمی ہوں۔

میرا پسندیدہ مشغلہ خود ستائی ہے۔

میری بر سوچ اس بات کے گڑبگڑتی ہے کہ انسان کو کس طرح اپنے کنٹرول میں رکھا جائے لوگوں سے کس طرح خود کو برتر منوایا جائے۔

مجھے ناز ہے کہ میں کج ہوں۔ اور سب ملو۔

میرا فلسفہ ہے کہ مرد ہر طرح سے با اختیار ہے۔ عورت کو اس کے سامنے سر نہیں اٹھانا چاہیے۔

میں شک کر رہا ہوں تو مان لیا جائے کہ درست کیا ہے۔

میں اہرام کاؤں کو تسلیم کیا جاتے کہ نمیک لگا یا ہے۔

میں کہوں کہ رات ہے تو کہوں رات ہے۔

میں کہوں کہ دن ہے تو کہوں دن ہے۔

میں کون ہوں؟

میں ایک اتار پرست ہوں۔

مجھے کم از کم دیوتا ضرور سمجھا جائے (صرف شو نہیں)

میں معزز ہوں۔ مشہور ہوں۔

لیکن عورت ہوں۔

میں شو ہر کی خاطر جان دے سکتی ہوں۔ بچوں پر نار ہو سکتی ہوں۔ کنواں کو دے سکتی ہوں لکڑیاں چن سکتی ہوں۔

لیکن کروڑ پر حملہ برداشت نہیں کر سکتی۔

تم مجھے اپنے شو پر نہیں لگتے۔ دور نہیں سے آئے مہمان لگتے ہو۔ محبت کا دور یا میرے دل میں رواں ہے۔

لیکن چونکہ میں انسان بھی ہوں لہذا اپنے تن کو صحرایہ خاک میں بدل دینے پر کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

میری دماغ پتاکہ کرشنا لنگے والے تمہارے جسم کے بعد بھی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ جو پاسکتے تھے۔

چونکہ تم میرے بچوں کے باپ ہو اور میں تمہارے بچوں کی ماں لہذا انسانوں کی طرح والدین کی طرح اپنے

بچوں کے لیے سمجھتے کر لیتے ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دھڑلے بکھڑا کر دیتے۔ چونکہ تم مجھے ہوس لے رہے ہو میں بھی اپنا

حرف بڑا کر رہی ہوں۔ اگرچہ وہ ہلکے میرے پاس نہیں جو سرخ جوڑے میں بس کر میرے ساتھ آئی تھی۔

میں کون ہوں؟

میں ایک مہذب عورت ہوں۔ پاک دامن عورت ہوں۔

حساس اور لاچار عورت کہ ماں بھی ہوں۔

مجھ میں بہت کچھ فراموش کرنے کا ظرف ہے (لیکن شک کی گالی؟)

انسانی رخصتی کے بعد بہت بڑے بڑے بھوسے ہوتے تھے۔

بہت دنوں بعد پھر گھر میں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے اور مہمان تھے بڑا اور عالی بڑا بھی اور مہتمم

میں موجود تھیں۔ ملک نوادہ کراچی جا چکا تھا۔ شریا جیسے خواب میں بھرتی تھی۔ اسے سب کچھ بڑا چھوٹا لگتا تھا۔

گھر میں مانی اور شہلائی تھیں۔ ہر چیز جنکشن سے واقف تھی۔ ان کے ہاں جو مانی لے کر سفر کیا تھا

قفل کا سلاخ ہر کے ملک نوادہ کی عزت افزائی کی تھی۔

ابھی بھی کی آواز میں شہلا کا بچہا کرتی تھیں۔

”بھالی۔ شہلا۔ بچی۔ شریا جیسے کیوں کر ملی۔“

جواب میں شہلا صرف مسکرا دیتی تھیں۔

جوشید کی والدہ نے بھی شہلا سے معذرت کی تھی کہ انہوں نے اپنے دل کے باغوں میں جو کرچا پکھا کہ وہ اس بھری

موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اسے پھر سے سہاگن بنائیں۔ حسن نے شہلا سے پوچھا تھا۔ کیا وہ خوش ہے؟

شہلا نے جواب دیا تھا۔ ”ہاں۔ صرف اس لیے کہ میرے بچے خوش ہیں۔“

اس بچے نے حسن کو آرزو کر لیا تھا۔ وہ پھر بھی نہیں بھلی تھی۔ اور وہ تھی۔

اسے خدا۔

میری بری میری نسل کو۔

”انا“ کا اور اک دینا۔

جو کسی ”آہ“ کی ریت سے نہ بنا ہو۔

وہ شیشہ پتھر اور بنا۔

جس طرح زمین پر گرنے والا خون کا قطرہ۔

شیشہ کا قطرہ نہیں ہوتا۔

اس طرح ”ہر“ ”انا“ ”انا“ نہیں ہوتی۔

”جس طرح چمکانے والا ہر“ لہذا بڑا نہیں ہوتا۔

جس طرح ہریب میں ہونے نہیں ہوتی۔

اس طرح ہر ”آہ“ ”آہ“ ”آہ“ نہیں ہوتی۔

اسے خدا۔

میری بری میری نسل کو۔

”انا“ کا اور اک دینا۔

جو کسی ”آہ“ کی ریت سے نہ بنا ہو۔

وہ شیشہ پتھر اور بنا۔

جس نے آج کے تازہ اخبار میں شائع شدہ شہلا حسن کی تازہ نظم پڑھی۔

”شاید میرا الیہ یہ ہے کہ مجھے مجھ سے بڑا وہ جاننے والی بھی ملی۔

انہوں نے وہ بار نظم پڑھنا شروع کر دی تھی۔



"جی س آء۔۔۔ ہم کو ایک نئے کی باتوں، مجھ سے۔"

”یعنی میں؟“ اسکاں نے عرض کیا۔ ”وہاں پہنچنے کی سہولت ہے۔“

۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴

"میں کوئی اور... نہ لے سکتا ہوں گا میرا ہے۔"

"خدا کا یہ سچا عمل ہے کہ تمہاری کئی باتیں ہیں۔"

..... اس وقت کی طرح آگیا۔ آج بھی میں اس آواز کو سن رہا تھا۔ اس نے ابھارا تھا لیکن کراچی

[illegible]

فہرست کی رقم ۶۳۶۱ بجھی تھی۔

1999

میری پری میری نسل کو

— 22 Nov 65

copied from web

Scanned from www

copied from web